بے رنگ پیا
امجد جاوید

بے رنگ پیا

امجد جاوید

علم وعرفان پبلشرز

الحمد مارکیٹ،40۔اُردو بازار، لاہور

فون:042 - 37352332-37232336

کتاب کا نام : بے رنگ پیا

لکھاری : امجد جاوید

اہتمام : علم و عرفان پبلشرز، لاہور

کمپوزنگ : دلدار حسین

سن اشاعت : اپریل 2017ء

قیمت : -/700 روپے

بہترین کتاب چھپوانے کے لیے رابطہ: 0300-94509111

......ملنے کے پتے......

علم و عرفان پبلشرز

الحمد مارکیٹ، 40۔اُردو بازار، لاہور

اشرف بک ایجنسی، اقبال روڈ، کمیٹی چوک، راولپنڈی

کتاب گھر،
* اقبال روڈ، کمیٹی چوک، راولپنڈی
* جناح سپر مارکیٹ F-7 مرکز، اسلام آباد

خزینہ علم و ادب، الکریم مارکیٹ، اُردو بازار، لاہور

ویلکم بک پورٹ، اُردو بازار، کراچی

بیکن بکس، گلگشت کالونی، ملتان

رشید نیوز ایجنسی، اخبار مارکیٹ، اُردو بازار، کراچی

کشمیر بک ڈپو، تلہ گنگ روڈ، چکوال

فرید پبلشرز، اُردو بازار، کراچی

ادارہ کا مقصد ایسی کتب کی اشاعت کرنا ہے جو تحقیق کے لحاظ سے اعلیٰ معیار کی ہوں۔ اس ادارے کے تحت جو کتب شائع ہوں گی اُس کا مقصد کسی کی دل آزاری یا کسی کو نقصان پہنچانا نہیں بلکہ اشاعتی دنیا میں ایک نئی جدت پیدا کرنا ہے۔ جب کوئی مصنف کتاب لکھتا ہے تو اُس میں اس کی اپنی تحقیق اور اپنے خیالات شامل ہوتے ہیں۔ یہ ضروری نہیں کہ آپ اور ہمارا ادارہ مصنف کے خیالات اور تحقیق سے پوری طرح متفق ہوں۔ اللہ کے فضل و کرم، انسانی طاقت اور بساط کے مطابق کمپوزنگ طباعت، تصحیح اور جلد سازی میں پوری احتیاط کی گئی ہے۔ بشری تقاضے سے اگر کوئی غلطی یا صفحات درست نہ ہوں تو ازراہ کرم مطلع فرمائیں۔ انشاء اللہ اگلے ایڈیشن میں ازالہ کر دیا جائے گا۔ (ناشر)

انتساب!

بے رنگ پیّا

کے نام

جو فطری اور حقیقی انسان ہے

"بے رَنگ پیّا"

خوبصورت اور کامیاب کوشش

رنگ ایک ہی ہے اور وہ ہے اللہ کا رنگ۔ اگر کوئی صبغت اللہ میں اپنے آپ کو ڈبونا چاہتا ہے تو اس کے لئے ہر آلائش سے پاک ہونا ضروری ہے۔

بے رنگی کا آغاز اس وقت ہوتا ہے، جب عشق انسان کا محور و مرکز بن جاتا ہے۔ یہ عشق ہی ہے جو روح کو اصل سے جوڑتا ہے، فطرت کے راز کھولتا ہے، غور و فکر کے دریچے وا کرتا ہے اور فطرت کی طرف یوں مائل کرتا ہے کہ انسان غیر محسوس انداز میں نکھرتا چلا جاتا ہے۔

بے بہار نگوں کی دنیا میں رَبّ تعالیٰ کا راستہ اختیار کرنے والے کی راہ میں بہت سی کٹھنائیاں آتی ہیں۔ ایسے میں اگر ایک مردِ کامل کی صحبت میسّر آجائے تو زندگی کا عنوان بدلتا چلا جاتا ہے۔ جینے کا ڈھنگ اور سوچ کا اسلوب تبدیل ہونے لگتا ہے، ذات میں ایسی کشش پیدا ہوتی ہے کہ دیکھنے والے اسی اُور کھنچے چلے جاتے ہیں اور خود کو بھی اُسی رنگ میں رنگنا چاہتے ہیں جو تمام رنگ لئے پیّا سے قریب کردے۔

جناب امجد جاوید صاحب نے کچھ ایسا ہی پیغام اپنے ناول "بے رَنگ پیا" کے مختلف کرداروں کے ذریعے قارئین تک پہنچانے کی بہت خوبصورت اور کامیاب کوشش کی ہے۔ رَبّ تعالیٰ ان کی اس کاوش کو قبول فرمائے اور زورِ قلم کو مزید سوا کرے۔ (آمین)

سرفراز اے شاہ

۳ فروری ۲۰۱۷ء

''بے رنگ پیا''
عشق کی بے رنگ تفسیر

امجد جاوید کی تخلیق ''بے رنگ پیا'' عشق کی بے رنگ تفسیر ہے۔ اس ناول سے نہ صرف امجد جاوید کے ہنر اور ذوق کا اظہار ہوتا ہے، بلکہ اس سے مجھے یہ لگا کہ ان کے من میں بسا ہوا صوفی کس طرح سے دھونی رمائے بیٹھا ہے۔ عشق اور تصوف میں رچی ہوا انتہائی سادہ سے انداز میں کہا گیا فکر، ہمارے معاشرے میں موجود حقیقی کرداروں کو لے کر بُنی ہوئی کہانی کا رچاؤ، ایک ایسا خوبصورت امتزاج ہے، جو عام طور پر کم ہی دکھائی دیتا ہے۔ دراصل یہ نام ''بے رنگ پیا'' ہی توجہ لے لیتا ہے۔ پہلا سوال ہی یہ ابھرتا ہے کہ یہ ''بے رنگی'' کیا ہے؟ تصوف کی ایک اصطلاع ہے۔ جس میں انسان سارے رنگوں کو ایک طرف رکھ کر صرف ایک ہی رنگ میں رنگ جانا چاہتا ہے، وہ رنگ جسے صبغت اللہ کہا گیا یعنی اللہ کا رنگ۔ (اللہ ہی آسمانوں اور زمین کا نور ہے) اللہ کا رنگ کیا ہے؟ یہ ناول دراصل اسی بے رنگی کی تشریح اور اس عملی پہلو کا بیان ہے، جسے انسان اپنا سکتا ہے۔ انتہائی منفرد موضوع کو کہانی کے بیان میں خوب نبھایا گیا ہے۔

''بے رنگ پیا'' کی شروعات، عام سے کرداروں کے ساتھ کیمپس کے ماحول سے ہوتی ہے۔ بالکل اس طرح سے جیسے چشمہ پھوٹ پڑتا ہے۔ کہانی کے بہاؤ کے ساتھ قاری بڑھتا ہے تو خود بہتا چلا جاتا ہے۔ پھر قاری پر غیر محسوس انداز میں ایک نئی دنیا کھل جاتی ہے۔ قاری اس کھوج میں لگ جاتا ہے کہ اس کا مطلوبہ بے رنگ پیا ہے کہاں پر؟ کہاں ملے گا؟ کس کردار سے جھانکے گا؟ بنیادی طور پر اس کہانی کے تین کردار ہیں، آیت النساء، طاہر حیات باجوہ اور سرمد، ان تین کرداروں کی تکون، طلب طالب مطلوب، عاشق، معشوق اور عشق پر جا کر منتج ہوتی ہے۔ جب تک عاشق معشوق نہیں ہو جاتا اور معشوق عاشق نہیں بن جاتا، تب تک وہ مقام عشق پر فائز نہیں ہوتا۔ یہ سفر بے رنگ ہوئے بنا طے نہیں ہو سکتا۔ دراصل یہی وہ فلسفہ ہے، جو ''بے رنگ پیا'' کا محور ہے۔

''بے رنگ پیا'' میں عشق کی تفسیر بالکل منفرد ہے۔ آج کے جدید دور میں جب انسان خلاؤں تک جا پہنچا اور دوسری طرف انسان کے انسان ہی کے باطن تک کو سمجھنے کی تگ و دو میں ہے۔ انسان کے بنائے جدید ترین آلات سے لے کر انسان کے سماجی علوم تک رسائی، کیا یہ سب کسی کے عشق کی داستان نہیں سناتے؟ کیا یہ بنا عشق ہی کے ہو گیا؟ ضروری نہیں کہ عشق کسی حسین عورت کی مرہون منت ہو۔ عشق جہاں اس کائنات کو سمجھنے کے لئے قوت دیتا ہے وہاں انسان سے انسان کو جوڑنے کی بھی صلاحیت رکھتا ہے۔ یہ تبھی ممکن ہوتا ہے

جب انسان، انسانیت کے لئے کسی بھی منفی جذبے کو اپنے اندر نہیں رکھتا، وہ بے رنگ ہوتا ہے۔ تبھی بے رنگ عشق کے ساتھ رسائیاں حاصل کرنے کی استعداد حاصل کر لیتا ہے۔ عشق وہ نہیں جو دو لوگوں کو جوڑتا ہے، بلکہ عشق وہ ہے جو مرکز سے جڑ کر کائنات کی وسعتوں میں پھیل جاتا ہے۔ ناول کا ماحول حیات اور کائنات سے نبرد آزمائی کا حوصلہ عطا کرتا ہے۔ عاشق کہتے کسے ہیں؟ عاشق کیا ہوتا ہے؟ معشوق کسے کہتے ہیں؟ بے رنگی کیا ہے؟ بے رنگ عشق کیا ہے؟ اور بے رنگ پیا کی حقیقت بیان کرتا یہ ناول اپنی انفرادیت برقرار رکھتا ہے۔

اس ناول کا سب سے اہم پہلو سید ذیشان رسول شاہ کا کردار ہے، جس کے افکار بے رنگی کی تشریح کرتے ہیں۔ عشق کے مراحل، رنگ، بے رنگ، صبغت اللہ میں مدغم ہونا، ذات کا عرفان حاصل کرنا۔ اس کائنات میں انسان کے ورود کی اہمیت اور مقصد، اور سب سے بڑی بات انسان سے انسان کا تعلق۔ ناول کے باقی کرداران کے افکار کی عملی تشریح کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ یوں لگتا ہے کہ ناول کی اصل جان یہی افکار ہیں۔ ان افکار کو پیش کرنے کا انداز اور ہنر بہت خوب اور قابل تعریف ہے۔ زبان و بیان کے گنجلک چٹکارے، تشریح میں فکر کہیں گم نہیں ہوا۔ سوال اٹھتے ہیں اور جواب بھی ساتھ میں ملتے ہیں۔ یوں جیسے کسی بھی زندہ تحریر سے انسپائریشن ملتی ہے۔ میرے خیال میں فکر کو خاص حلقوں سے نکال کر عوام تک رسائی دینے کی یہ ایک مقدس کوشش ہے۔ نامعلوم سے معلوم تک کا سفر، کھوج اور بقا کا انسانی سرشت کے ساتھ تعلق ہونا فطری امر ہے لیکن اس کا ادراک کیونکر ممکن ہے اور کیسے ممکن ہے۔

ناول یا کہانی کا سب سے اہم عنصر دلچسپی کا آخری لفظ تک برقرار رہنا، ''بے رنگ پیا'' میں یہ عنصر پوری طرح موجود ہے۔ عشق و محبت کی اپنی تمام تر خوبصورتی کے ساتھ بیان کرتا یہ ناول آج کے دور کی طوفانی محبت والے نوجوانوں کو عشق کا رنگ سمجھانے اس کی ذہنی سطح کے مطابق عام زبان والفاظ کا استعمال کیا گیا ہے تا کہ سمجھنے میں دشواری نہ ہو۔ میرے خیال میں یہ ناول سنجیدہ طبقے ہی میں نہیں، ہر اس متلاشی کے دل میں جگہ بنائے گا، جو حقیقت تک رسائی کی کوشش میں ہے۔

یہ ناول مایوسی نہیں حوصلہ دیتا ہے اور حوصلہ ہی وقت کی سچائی ہے۔

جاوید چوہدری

اسلام آباد۔ 21 فروری 2017ء

"بے رنگ پیّا"

ایک بے رنگ مجسم وجود

ہر خواہش کا ایک جسم ہوتا ہے۔ چہرہ ہاتھ پاؤں، پورا ناک نقشہ، یہ سب مل کر ہی اس کا وجود مکمل کرتے ہیں۔ ہر خیال، ہر تحریر اور ہر ایک ناول بھی مجھے لگتا ہے ایک وجود، ایک جسم رکھتے ہیں۔ اگر اس بات سے آپ اتفاق کر لیتے ہیں تو یقین مانئے، اس وقت آپ کے ہاتھوں کے پیالے میں ایک خوب صورت وجود ہے۔ امجد جاوید کہتے کم ہیں، لکھتے زیادہ ہیں اور سچ کہوں تو خوب لکھتے ہیں۔ عمر خیام نے لکھتے لکھتے اپنی کمر دوہری کروالی تھی۔ امجد کا بھی ارادہ کچھ ایسا ہی لگتا ہے۔ بظاہر اس نے لمبی چوڑی دنیاداری کے لمبے چوڑے جھنجھٹ نہیں پالے، لاہور سے دور ایک بستی میں گھر بسایا ہے جو صحرائے چولستان کی روہی کنارے آباد ہے۔ صوفی شاعر خواجہ غلام فرید نے اسی روہی کے بارے میں کہا ہے کہ "روہی رنگ رنگیلڑی" میں سمجھتا تھا، صحرا کیسے رنگین ہو سکتا ہے، لیکن اب سمجھ میں آتا ہے کہ صحرا اور خاص طور پر روہی، ایسے ہی لوگوں کی وجہ سے رنگین ہے، جو بے رنگی میں بسے ہوئے ہیں اور بے رنگ ہونے کا پیغام عام کرتے ہیں۔ پھر کسی روز ہم پڑھیں کہ امجد، حاصل پور میں بیٹھ کر جے کے رولنگ کی طرح لکھے کہ میرے پاس اندھیرے کمرے، ٹوٹے ٹائپ رائٹر کے علاوہ اس کمرے میں اتنے بڑے بڑے خواب اور خیال تھے کہ وہاں سماتے ہی نہ تھے۔ وہ پیا کے سارے رنگوں کو بے رنگ کر کے دیکھتے تھے۔ پیا کے رنگ بہت سُنے تھے۔ ایک کالا دیکھا بھی اور پوچھا بھی کہ یہ پیا ہی کیسا جو کالا ہو، کالی تو رات ہوتی ہے، نصیب ہوتے ہیں، ہاں بعض دل اور چہرے بھی اس رنگ میں رنگے جاتے ہیں اور اپنی پہچان ہی بھلا بیٹھتے ہیں، دلوں سے اُتر جاتے ہیں۔

امجد جاوید کو میں کئی برسوں سے دیکھ رہا ہوں کہ خواب اس کی انگلی پکڑے ساتھ ساتھ چلتے ہیں اور وہ ان خوابوں کے ساتھ بستا ہے، ان خوابوں کو لفظ کے ساتھ ایک وجود دیتا ہے۔ یوں جیسے کوئی سفال گر، مٹی کے ساتھ رہتا ہے، اسے چاک پر رکھتا ہے اور پھر ایک ایک پیالے بنتے چلے جاتے ہیں، ہر پیالہ اپنی الگ خصوصیت رکھتا ہے، اس کے ناول گویا وجود ہیں، پیالے ہیں، ابھی ایک پیالے سے سیراب ہوئے زیادہ وقت نہیں ہوتا، وہ مزید ایک خوشنما پیالہ پکڑے کھڑا ہوتا ہے۔ شکر ہے ابھی خوابوں پر کوئی محصول نہیں لگا۔

جناب مستنصر حسین تارڑ نے "ایک سفر اچھا لگا" پر کہا کہ جب تک پڑھ نہیں لیا، سویا نہیں، اور ایک ہی رات میں مکمل کیا۔ اصل پیا رنگ ڈھونڈنے میں مجھے چار راتیں لگیں۔ بہت سی کتابوں اور تحریروں کا معاملہ بالکل ایسا ہوتا ہے اسی لئے روز دلوں کا سکھ اور چین چھین لیتی ہیں۔ بے یقینی، بے اطمینانی اور ناخوشی سے پڑھنے والوں کی نگاہوں اور سوچوں کو بھر دیتی ہے، پڑھنے والے بے چارے وہاں خوشی،

اطمینان اور نئے پن کے اُونٹ تلاش کرتے ہیں۔ ''بے رنگ پیا'' پڑھتے پڑھتے یوں لگا،لفظوں کے جنگل میں کھونے کی بجائے مثبت قدروں سے بنے کسی خوشنما اور خوبصورت باغ کی سیر کا موقع ملا ہے۔

آیت النساء اور طاہر باجوہ، عشق کی رمزیں کھولتے، حیران کرتے بہاول پور سے لاہور کا سفر کراتے رہے۔اس قدر اور عمدہ اور مضبوط پلاٹ، اور اتنی رواں کہانی کے بیچوں بیچ اتنے مشکل تصورات کو عام فہم، آسان اور بامعنی بنانا کب آسان رہا ہوگا۔ کتنی کتابوں کتنی آ ہٹوں اور کتنی راتوں نے اس تخلیق کو بُننے کے دوران سینچا ہوگا۔کوئی خیال، کوئی تصور، طاقتور دلیل کی بنیاد بنا جڑیں ہی نہیں پکڑ سکتا۔''میں جانتا ہوں کہ میں کچھ نہیں جانتا'' کی اس قدر دل پذیر وضاحت کی میں بالکل توقع نہیں کر رہا تھا۔ مسلسل کھوج کا تصور جو آج ہے وہ کل سچ نہیں رہتا۔ایک انسان کی محبت کب اور کیسے پوری کائنات کی محبت میں بدلتی اور ڈھلتی ہے، آپ ذرا پڑھ لیں پھر بتائیے گا کہ کہانی کسی فیچر فلم کے سے ٹمپو کے ساتھ نہیں چلتی رہی ؟ الہی۔! ایسی گرفت، ایسی جاذبیت کہ نگاہوں کو تھام کے رکھے، وہ بھی چار راتیں مسلسل، مجھے صفت کے تصور سے خوبی اور خامی کے فلسفے کی تشریح نے بہت مزہ دیا۔اس مثبت اور منفی صفات کا ساتھ ہی پیا کو وہ رنگ دیتا ہے کہ وہ صبغت اللہ بن جاتا ہے۔محبت ایسی صفت ہے کہ انسان، انسان سے جڑتا ہے اور بالآخر کائنات سے جو لامحدود ہے اور جڑنے والے بھی محدود نہیں رہنے دیتی، بے رنگ کر دیتی ہے۔اس ناول میں نہ تو ناخوشی کے ڈھیر لگے ہوئے ہیں اور نہ ہی بے صبری، بے یقینی، اور بے اطمینانی سے بھرنے والی کسی کہانی کا راج ہے۔ کچھ باتیں آپ کے خیالات سے مختلف بھی ہوئیں تو وہ بھی ''اری ٹیٹ'' نہیں کریں گی، دھیرے سے اپنی سوچ کے ساتھ ہم آہنگ کر لیں گی۔

امجد جاوید! سلامت رہو، سوچنے، رُکنے، ٹھہرنے اور غور کر کے زاویہ نگاہ بدلنے کا کیا عمدہ کام کیا ہے۔اب چاہے کسی کا پیا بے رنگ نہ بھی ہو، کالا بہر حال نہیں رہے گا، نہیں بنے گا۔تمہارے پیا کا وجود بے رنگی، چہرہ اور ناک نقشہ مجھے تو کافی دیر یاد رہے گا۔

اختر عباس

3 مارچ 2017ء (رات گئے)

"بے رنگ پیا"

بے رنگ کہانی، بے رنگ پیغام

جس طرح ایک حقیقی سالک قدم بہ قدم آگے ہی بڑھتا چلا جاتا ہے، اس پر مشاہدہ کے نت نئے انکشافات ہوتے ہیں، زندگی اور زندگی سے متعلق نئے خیالات کا ظہور ہوتا ہے، جس سے نہ صرف عشق دوام پاتا ہے بلکہ حقیقت مزید واضح اور روشن ہوتی چلی جاتی ہے۔ بالکل اسی طرح جناب امجد جاوید کا سفر جاری ہے۔ مجھے نہیں اندازہ اسے گیان کہوں، دھیان کہوں یا عرفان کہوں، تاہم "بے رنگ پیا" ان کا ایسا ہی ناول ہے جس کا مطالعہ کرتے ہوئے سوال بھی اٹھتے ہیں اور جواب بھی ملتے چلے جاتے ہیں۔ آخری لفظ پڑھ لینے کے بعد جو کیفیت طاری ہوتی ہے، اسے بے رنگ کیفیت ہی کہا جا سکتا ہے۔

"بے رنگ پیا" کی کہانی اپنی انفرادیت تو رکھتی ہی ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ کہانی میں دلچسپی کا عنصر پوری طرح موجود ہے۔ ایک طرف اگر اپنا نکتہ نظر پیش کیا گیا ہے تو اس کی عملی تفسیر کو بھی بیان کر دیا گیا۔ یوں یہ کہانی محض لفاظی نہیں رہ جاتی بلکہ اس کے ساتھ اسے عملی صورت کے طور پر بھی پیش کیا گیا، یہ اس ناول کی ایک مزید انفرادیت ہے کیونکہ اس ناول میں جن کرداروں کے ساتھ کہانی کی بُنت کی گئی ہے وہ ہمارے معاشرے کے وہ حقیقی کردار ہیں، جنہیں ہم پوری طرح جانتے ہیں اور پہچانتے بھی ہیں۔ انہی عام کرداروں کے ساتھ ایک خاص کہانی پیش کرنا، موضوع پر گرفت اور ہنر کا غماز ہوتا ہے۔

"بے رنگ پیا" کا موضوع انتہائی شاندار ہے۔ رنگ ہماری زندگی میں بڑی اہمیت رکھتے ہیں۔ ہم ان رنگوں کے ذریعے اپنے جذبات کا اظہار کرتے ہیں، ہم اپنی شناخت کی علامت بنا لیتے ہیں۔ مختلف قومیں، قبائل، گروہ اپنی انفرادیت کی حیثیت کو رنگوں سے پیش کرتی ہے لیکن! بے رنگی ایک ایسی علامت ہے، جس سے سارے رنگ ہی پھوٹتے ہیں، وہ بے رنگی کیا ہے؟ بظاہر یہ موضوع جتنا مشکل دکھائی دیتا ہے، جناب امجد جاوید نے اسی موضوع کو انتہائی سادہ انداز میں کامیابی سے ناول کی صورت دی ہے۔

"بے رنگ پیا" آپ کے سامنے پیش کرتے ہوئے میں نہ صرف دلی مسرت محسوس کر رہا ہوں بلکہ ایک بہترین موضوع کے اضافے پر دلی اطمینان بھی حاصل ہے۔ مجھے امید ہے کہ اس ناول کے مطالعہ کے بعد آپ بھی میری طرح محسوس کریں گے۔ نیک خواہشات۔

گل فراز احمد

مقامِ جستجو ٹھہرا

''کہانی! علم رکھتی ہے؟''

''بے رَنگ پیا کیوں لکھا؟''

''کیا عشق لاحاصل ہے؟''

یہ وہ سوال تھے، جن کے باعث ''بے رَنگ پیا'' کا ظہور ہوا۔ بے رنگی تصوف میں ایک اصطلاح ہے۔ جس کے اظہار کے لئے میرے نزدیک کہانی کا پیرائیہ سب سے لطیف ترین صورت رکھتا ہے کہانی اور علم لازم وملزوم حیثیت رکھتے ہیں۔''بے رَنگ پیا'' لکھنے کی وجہ ایک ایسے فطری انسان کی تلاش ہے جسے کائنات کا حاصل کہا جا سکتا ہے یا وہ انسان جو اس دُنیا میں اپنا حقیقی کردار ادا کرتا ہے۔ عشق ہو اور وہ لاحاصل ہو، ایسا ممکن ہی نہیں ہے کیونکہ عشق ہی وہ واحد قوت ہے جو رَبّ تعالی سے جوڑتی ہے۔ رَبّ تعالی کی منشاء و مرضی کیا ہے؟ اس دنیا کو رنگوں سے کیسے بھرنا ہے؟ انسان کے مصائب و مشکلات کو کس طرح کم کرتے چلے جانا ہے، یہ اہل عشاق ہی کا وطیرہ ہے۔

وہ عشق ہے بے رنگ، جس کا تعلق پاکیزگی سے ہو۔ فی زمانہ عشق کا حقیقی پن دور حاضر کی نفسانیت کے باعث اوجھل ہوگیا ہے۔ اب حقیقی عشق کی معنویت کو واضح کرنا ضروری ہوگیا ہے۔ نفسانیت کے لاحاصل پن کو عشق کا لاحاصل پن قرار دے دیا گیا ہے۔ المیہ یہ ہے کہ عام طور پر یہ سمجھ بھی لیا گیا ہے کہ عشق لاحاصل ہے۔ حقیقت میں ایسا ہرگز نہیں۔ عشق کی اقدار کو وہی سمجھ سکتا ہے، جس نے عشق اُوڑھ لیا ہو۔ سمندر کنارے بیٹھنے والا، تیراک کی کیفیات و شعور کو سمجھ ہی نہیں سکتا۔ یار لوگ جس شے کو عشق سمجھ رہے ہیں، یہ عشق نہیں ہے۔ بلکہ ''عشق کی سمجھ عشق کی عطا کرتا ہے''۔ یہ قول ہی بتا رہا ہے کہ عشق کا راز اہل عشق نے بے رنگی ہی میں پایا۔ اگر یہ محض ایک معاشرتی مسئلہ ہوتا تو ہر کس و ناکس کو عشق کی بے پایاں قوت میسر ہوتی۔ عشق وہ ہے جو توحید کا قائل ہے۔ جس عشق میں توحید نہیں وہ عشق نہیں، جو عشق رَبّ تعالی کے محبوب ﷺ سے نہیں ملاتا وہ عشق نہیں، جو عشق یزیدیت کے سامنے انکار کا پرچم بلند نہیں کرتا، وہ عشق نہیں۔ جو عشق انسانیت کو جوڑتا نہیں وہ عشق نہیں، جس عشق میں بے رنگی کا ظہور نہیں وہ عشق نہیں، جو عشق کائنات سے نہیں جوڑتا وہ عشق نہیں، میں یہ کہتا چلوں کہ نفسانیت کا کاروبار ہرگز عشق نہیں۔

بے رنگی ہے کیا؟ اس کسوٹی پر عشق کو پرکھنا، بہت آسان ہے۔ اگر عشق کی میزان پر عاشق عین معشوق نہیں ہے اور معشوق عین عاشق نہیں ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ عشق خام ہے۔ جب عاشق عین معشوق بنتا ہے اور معشوق عین عاشق بنتا ہے تو نا عاشق رہتا ہے نہ

معشوق رہتا ہے، صرف عشق کی ذات باقی رہتی ہے۔ جس میں دوئی کی گنجائش نہیں رہتی اور یک جان وقالب کے مصداق بظاہر عشق معشوق نظر آتے ہیں لیکن دراصل وہ ماسوائے عشق کے اور کچھ بھی نہیں ہوتے۔ عاشقی اور معشوقی کے تقاضے دم توڑ جاتے ہیں۔ اور محض دوسرے کو اپنانے کا جذبہ باقی رہ جاتا ہے۔ اس بات کی تفصیل ''بے رَنگ پیا'' میں بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔

''بے رَنگ پیا'' لکھنے میں سب سے زیادہ روحانی معاملات اور مسائل تصوف کے لئے میری جنہوں نے مدد فرمائی، وہ جناب ضیاء الرحمٰن ضیاء چشتی قلندر ہیں۔ جن کی روحانی معاملات پر دسترس ''بے رَنگ پیا'' میں آپ کو پوری طرح دکھائی دے گی۔ میں سمجھتا ہوں کہ ان کی محافل میں مجھے بہت کچھ سمجھنے کا موقع ملا۔

''بے رَنگ پیا''، انسان سے انسان کو جوڑنے کا محبت بھرا پیغام ہے۔

امجد جاوید

18۔ رانا ٹاؤن۔ حاصل پور۔ (بہاول پور)

03336347166

میں شکر گزار ہوں!

حضرت سید محمد ذیشان رسول شاہ بخاری صاحب سرکار کا جن سے مجھے بڑا حوصلہ اور جسم و جان کا گداز نصیب ہوا۔آپ وہ ہستی ہیں، جنہیں میں نے ہمہ وقت اپنے قریب پایا۔ان کی بے پایاں محبت میرے لئے سرمایہ ہے۔میں ان کی محبت، پذیرائی اور شفقت کا شکر گزار ہوں۔

جناب سید سرفراز احمد شاہ صاحب کا جن کے درس و تدرس کے سلسلے میں مجھے بہت کچھ سمجھنے کو اور زیادہ تر سوچنے کو ملا۔یہ شاہ صاحب کا ہی حکم تھا کہ میں حضرت خواجہ نور محمد مہارویؒ سرکار کے ہاں حاضری دوں۔میں سمجھتا ہوں کہ یہ وہ تعلق، سلسلہ اور ربط ہے جو جناب سید سرفراز احمد شاہ صاحب سے چلتا ہوا حضرت خواجہ نور محمد مہارویؒ سرکار تک جا پہنچا۔شاید یہی سعادت راہِ سلوک کے مسافر کے حصے میں آتی ہے۔

جناب گل فراز احمد بھائی کا جو ہر طرح سے میری حوصلہ افزائی فرماتے ہیں۔انہی کی بدولت یہ کاوش آپ تک پہنچی ہے۔ان سے محبتوں کا ایک سلسلہ ہے۔

محترم ملک محمد حسین صاحب کا، جو میرے بھائی، محسن اور دوست ہیں۔جن کا ساتھ میرے لئے ہر لحہ غنیمت ہے۔

محترمہ رخسانہ بشیر صاحبہ، جو بڑی بہن کے شفیق انداز میں میرا حوصلہ بڑھاتی ہیں۔

محترم نیئر صدیقی بھائی کا، آپ نے خلوص اور محبت سے میری راہنمائی فرمائی۔

محترم سید علی زین شاہ بخاری، سید حیدر رضا شاہ بخاری، کا، جن کی بدولت ایک پر سکون ماحول ملا۔

اپنی شریک حیات اور بچوں، ثمن فاطمہ، احمد بلال، احمد جمال، عائزہ فاطمہ کا جن کے حصے کا وقت بھی میں نے اس ناول کو دیا۔

کسی بھی کتاب کو کامیاب بنانے کے لیے جتنی کوشش رائٹر کو کرنی پڑتی ہے۔اتنی ہی کوشش پبلشر کو بھی کرنی پڑتی ہے۔پچھلے کچھ عرصہ میں میری کتاب کے حقوق اشاعت حاصل کرنے کے بعد علم و عرفان پبلشرز نے اس ذمہ داری کو میری توقعات سے زیادہ بہتر طور پر ادا کیا ہے۔میں اُمید کرتا ہوں کہ اس کتاب کو پڑھنے کے بعد قارئین میری اس رائے سے اتفاق کریں گے۔

امجد جاوید

بے رنگ پیا

''یار طاہر، مجھے آج تک یہ پتہ نہیں چلا کہ تمہیں لڑکی کس طرح کی پسند ہے؟''

اس دن بھی حسب معمول وہ تینوں دوست کیمپس کینٹین پر بیٹھے ہوئے تھے جب ساجد نے طاہر سے یہ پوچھا۔ یہ سوال معمول کی گفتگو سے بالکل ہٹ کر تھا۔ طاہر کو یہ سوال انتہائی فضول لگا۔ اسی لئے وہ فوراً جواب نہیں دے پایا۔ اُسے یہ سمجھ بھی نہیں آیا کہ اس طرح کا سوال کیا ہی کیوں؟ اس نے سوچتے ہوئے سامنے میز پہ دھرے پیکٹ میں سے سگریٹ لیا، اُسے سلگانے لگا تو منیب نے طاہر کی طرف دیکھ کر ہنستے ہوئے تبصرہ کیا

''ہاں نا، طاہر نے کبھی کسی لڑکی کے بارے اپنی پسند کا اظہار نہیں کیا۔''

''مطلب وہ آئیڈیل لڑکی جو اس کے خیالوں میں بستی ہے۔'' ساجد نے کہا اور ہنس دیا

''یہ کوئی انکشاف نہیں ہوگا۔'' طاہر اُلجھتے ہوئے بولا

''پھر بھی کوئی اندازہ تو ہونا چاہئے نا؟'' ساجد نے خالص غنڈوں کی طرح آنکھ مارتے ہوئے اصرار کرنے والے لہجے میں پوچھا۔ طاہر نے بات نظر انداز کرتے ہوئے سگریٹ سلگا لیا۔ یوں جیسے اس کی بات کو دھوئیں کے ساتھ فضا میں اچھال دیا ہو۔ اسے ساجد کا سوال اور سوال کرنے کا انداز بالکل بھی اچھا نہیں لگا تھا۔ جبکہ وہ دونوں تجسس سے اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔

دوپہر کے وقت وہ کیمپس کی اس کینٹین پر بیٹھے ہوئے تھے جو ان کا ہی نہیں، ان جیسے بہت سارے لوگوں کا ٹھکانہ تھا۔ دراصل کینٹین ایسی جگہ پر تھی جہاں کیمپس کا مرکزی بس سٹاپ بالکل سامنے تھا۔ صبح سے لیکر رات گئے تک کیمپس کی بسیں آ کر وہاں رکتیں اور وہیں سے چلتیں تھیں۔ اس سٹاپ پر لڑکے اور لڑکیوں کا ہجوم جمع رہتا۔ خاص طور صبح اور دوپہر کے وقت بہت زیادہ رش ہوتا تھا۔ یہ کینٹین وہ پوائنٹ تھا جہاں آنکھیں سینکنے والے تو بیٹھے ہی رہتے تھے۔ کھانے پینے والے بھی اسی جگہ کو ترجیح دیتے تھے۔ وہ بھی شروع شروع میں اسی مقصد کے لئے بیٹھنے لگے تھے۔ پھر آنکھیں سینکنے والی دلچسپی تو نہ رہی، مگر کینٹین ان تینوں کا مستقل ٹھکانہ بن گئی۔ ان کے جاننے والے بھی لوگوں کو یہ معلوم ہوتا تھا کہ کلاس کے بعد ان تینوں میں سے کوئی نہ کوئی یہاں ضرور مل جائے گا۔

اس دن ساجد نے جو اس طرح کا سوال کیا تو طاہر کو بہت عجیب لگا۔ اور اس پر عجیب تر اس وقت لگا جب منیب نے بھی اس کا ساتھ دیتے ہوئے اپنی ضد جاری رکھی۔ طاہر جب کچھ نہ بولا تو اس نے زور دیتے ہوئے جھنجھلا کر کہا

''یار جب بچہ کہہ رہا ہے کہ تمہیں کیسی لڑکی پسند ہے تو بتادو، اس میں کنواری لڑکیوں جیسا شرمانے کی ضرورت کیا ہے۔''

''اگر میں بتا بھی دوں کہ مجھے کیسی لڑکی پسند ہے تو پھر ہوگا کیا؟'' اس نے بھنّو اہ مخواہ کی بحث کرتے ہوئے کہا تو ساجد بھی سنجیدگی سے اس کے چہرے پر دیکھتے ہوئے حتمی لہجے میں بولا

''دیکھو، میں تم سے یہ سوال یونہی فضول میں نہیں کر رہا۔ میرا اس سوال پوچھنے کا کوئی مقصد ہے، تم بتاؤ گے تو بات آگے بڑھے گی نا۔''

اس پر طاہر چند لمحے اس کی طرف دیکھتا رہا، جیسے اس کی بات کا یقین کر رہا ہو کہ وہ واقعی ہی سچ کہہ رہا ہے یا محض اپنی ضد کی خاطر اداکاری کر رہا ہے۔ پھر ایک دم سے بولا

''تم جانتے ہو لڑکی میرے لئے کبھی مسئلہ نہیں رہی اور نہ میں ان پر توجہ دیتا ہوں۔ کیمپس میں کتنی لڑکیاں ہیں، میں نے کس پر کتنی توجہ دی یہ تم لوگ بھی جانتے ہو۔ میں ایک زمیندار کا بیٹا ہوں اور مجھے سیاست کرنی ہے، یہ لڑکیوں والی فضول حرکتیں نہیں۔ میری دولت سیاست کے لئے ہے اور یہاں رہتے ہوئے......''

''او خدا کے لئے یار۔! مجھے تیرا تاریخ جغرافیہ نہیں سننا، میں جانتا ہوں تم پیسے کے زور پر کچھ بھی کر سکتے ہو، میرا سوال یہ نہیں، میں نے تو فقط اتنا پوچھا ہے میری جان، تمہیں لڑکی کس طرح کی پسند ہے؟'' اس نے طاہر کی بات کاٹ کر اکتائے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

''تو پھر سنو۔! مجھے ایسا کوئی آئیڈیا نہیں ہے، کیونکہ میں نے کبھی ایسا نہیں سوچا۔'' اس نے بالکل سچ کہہ دیا۔

''طاہر، تم اس بات کو فضول مت سمجھو، جس طرح ہر لڑکی یا لڑکے کا ایک آئیڈیل ہوتا ہے اور یہ ایک فطری سی بات ہے۔ بس تم سوچ کر یہی جواب دو۔ تمہیں کس طرح کی لڑکی اچھی لگتی ہے؟'' منیب نے یوں کہا جیسے اس سوال کے جواب میں کوئی بڑی اہم بات پوشیدہ ہے۔

''کوئی تو آئیڈیل ہوگی تمہاری، کوئی خوابوں کی شہزادی، جس کے ساتھ تم زندگی کی راہوں پر چلنا چاہتے ہو گے۔'' ساجد نے سنجیدگی سے کہنا چاہا لیکن وہ اپنی مسکراہٹ پر قابو نہ رکھ سکا تو طاہر کو ایسا لگا کہ کوئی شرارت ہے جو اُن کے دماغ میں چل رہی ہے۔ اس لئے اس نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے سکون سے کہا

''نو آئیڈیا اور نہ کوئی آئیڈیل۔''

اس کے انکار پر ساجد نے اُلجھتے ہوئے اِدھر اُدھر دیکھا۔ جیسے بے بسی کے ساتھ اُسے غصہ بھی آرہا ہو۔ پھر ایک دم سے بس سٹاپ کی طرف دیکھ کر سمجھانے والے انداز میں بولا

''چلو ایسا کرو۔ وہ دیکھو، سامنے بس سٹاپ ہے نا، اس پر کافی ساری لڑکیاں کھڑی ہیں، انہیں غور سے دیکھو، ان سب میں سے تمہیں کون سی لڑکی سب سے اچھی لگتی ہے، کوئی ایک تو پر کشش لگے گی تمہیں۔''

''اس سے کیا ہوگا؟'' طاہر نے ہنستے ہوئے پوچھا

”یار کم از کم تمہاری پسند کے بارے اندازہ تو ہو جائے گا۔“ منیب نے سنجیدگی سے کہا

”تم سے ایک بے ضرر سا سوال کیا ہے اور تم ہو کہ لڑکیوں کی طرح شرما رہے ہو، حالانکہ شرم تمہیں چھو کر نہیں گزری۔“ ساجد نے کہا

”یہ شرم، حیا، سنجیدگی تم سے پناہ مانگتی ہیں۔“ منیب نے طنزیہ لہجے میں کہا تو اسے لگا کہ اب یہ دونوں خواہ مخواہ کی بکواس شروع کر دیں گے۔ اس کے خیال میں بتا دینے میں بھی کوئی حرج نہیں تھا۔ اگر کوئی فضول بات ہوئی تو پھر وہ انہیں دیکھ لے گا۔ تبھی اس نے ہاتھ کے اشارے سے انہیں روکتے ہوئے کہا

”اچھا بتاتا ہوں، لیکن اگر کوئی بات نہ ہوئی تو پھر تم دونوں کو پتہ ہے میں تمہارے ساتھ کیا کر سکتا ہوں۔“

”یہ ہوئی نا بات۔“ ساجد ایک دم خوش ہو کر بولا تو منیب نے اسی یقین دلایا

”میں قسم کھاتا ہوں کہ بات ہے اور وہ بھی بہت اہم قسم کی، تم خود کہو گے یار کہ بات اہم ہے۔“

”دیکھو، مثال کے طور پر...... “ یہ کہتے ہوئے اس نے بس سٹاپ پر کھڑی لڑکیوں کی جانب اشارہ کر کے کہا،” ان میں سے کوئی ایک، جو تمہیں سب سے اچھی لگے، اور تم اُسے اِن سب میں سے نمبر ون قرار دے سکو، مطلب تمہیں جو سب سے خوبصورت دکھائی دے رہی ہے، بس اتنا۔“

”اوکے۔“ طاہر نے سنجیدگی سے کہا اور پلٹ کر سامنے بس سٹاپ پر دیکھنے لگا۔

وہاں بہت سارے لڑکوں کے درمیان کافی ساری لڑکیاں تھیں۔ ہر کوئی اپنی اپنی جگہ خوبصورت اور اچھی تھی۔ تبھی طاہر کی نگاہ ایک ایسی لڑکی پر پڑی جو اِن سب میں سے بالکل منفرد تھی۔ بھرے بھرے بدن والی، گورا رنگ، بوائے کٹ گیسو، جس سے اس کی شفاف گردن صاف دکھائی دے رہی تھی۔ گول چہرے پہ نقوش کافی حد تک تیکھے تھے۔ اس نے میک اپ تو کیا، لبوں پر لپ سٹک تک نہیں لگائی ہوئی تھی۔ ملائیشین طرز کا کھلا کرتا، نیلی جینز اور سیاہ رنگ کا سلیپر نما جوتا پہنا ہوا تھا۔ پہلی نگاہ میں اس کے جسم کے نشیب و فراز بارے کوئی حتمی اندازہ نہیں لگایا جا سکتا تھا۔ آنچل نام کی کوئی چیز اس کے شانوں پر نہیں تھی۔ بس ایک چھوٹا سا بیگ تھا جو دائیں کاندھے پر لٹک رہا تھا۔ اس نے چند لمحے اس لڑکی کو دیکھا، تب اسے بھی شرارت سوجھی۔ طاہر نے اسی کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا

”وہ لڑکی، وہ جس نے ملائیشین کرتا پہنا ہوا ہے۔ وہ والی، مجھے ان سب میں سے اچھی لگی ہے۔“

”وہ، موٹی، پھیکی ڈبل روٹی، جس کا پتہ نہیں چل رہا کہ وہ لڑکی ہے یا لڑکا؟“ ساجد نے انتہائی حیرت سے بے ساختہ کہا

”اوئے، ایسی ہے تیری پسند، آئے ہائے۔! مایوس کیا تو نے تو یار، یہ ہے تیری پسند؟“ منیب نے منہ بناتے ہوئے تبصرہ کیا

”تم دونوں تو اس طرح کہہ رہے ہو کہ جیسے تم لوگ میرے لئے کوئی رشتہ لئے بیٹھے ہوئے ہو اور اب تمہیں مایوسی ہو رہی ہے۔“ اس نے یونہی کہا تو منیب نے چونکتے ہوئے کہا

''ہاں نا، رشتہ ہے۔'' پھر یوں رُک گیا جیسے اسے خیال آ گیا ہو کہ ایسی بات نہیں کرنی۔ تبھی اس نے کہا، ''چھوڑ یار، بس ختم کر۔''

''کیوں چھوڑوں، وہ مقصد بتاؤ جس کے لئے میری پسند پوچھی تھی؟'' اس نے ضد کرتے ہوئے کہا، وہ سمجھ تو گیا تھا کہ کوئی بات ہے ضرور، پر اس وقت وہ دیکھنا چاہتا تھا کہ وہ دونوں کرتے کیا ہیں۔ تبھی ساجد نے سر مارتے ہوئے کہا۔

''اصل میں ہمارے پاس ایک آپشن تھا، لیکن اب کوئی فائدہ نہیں۔ اس بات کو یہیں ختم کر دو، بلکہ دفن ہی کر دو۔'' ساجد کے یوں کہنے پر اسے لگا کہ انہیں واقعی ہی مایوسی ہوئی ہے اور اسے دکھ بھی ہے۔ مگر اب وہ ان کا پیچھا چھوڑنے والا نہیں تھا۔

''بکواس کرتے ہو تم دونوں ہی، بلکہ 'چولیں' مار رہے ہو۔ یہ تم دونوں کو ماننا ہوگا۔'' طاہر نے ایش ٹرے میں سگریٹ بجھاتے ہوئے کہا۔

''یار بات تو تھی۔ میں نے قسم بھی کھائی تھی۔ لیکن اب اس بات کے کہنے کا کوئی فائدہ نہیں، چھوڑو۔'' منیب نے بجھے ہوئے لہجے میں کہا

''مگر اب بتانا تو ہوگا۔ چاہے فائدہ ہو یا نہیں۔'' اس نے ان کی طرف دیکھ کر ضدی لہجے میں کہا

''ایک شرط پر بتاؤں گا، اگر تم اپنی پسند کی اُس حور پری کو یہاں لا کر چائے، کافی یا ٹھنڈا کچھ بھی پلا دو۔'' ساجد نے جان چھڑانے والے انداز میں کہا تو اسے ان پر ایک دم ہی بہت زیادہ غصہ آ گیا۔ وہ تنتناتے ہوئے لہجے میں کہا

''اب یہ دونوں کی پہلے سے بھی زیادہ فضول اور احمقانہ حرکت ہے۔ بچوں جیسی حرکت، یہ کیسی فضول شرط ہے، اگر وہ لڑکی تمہیں بری لگی ہے تو یہ تمہاری سوچ ہے۔ اور تمہارے سوال میں یہ شرط نہیں تھی کہ میں اسے یہاں لاؤں، کھلاؤں پلاؤں۔ بکواس کرتے ہو تم دونوں۔ یہاں سے اٹھ کر چلے جاؤ، یا پھر میں تم میں دونوں کا سر پھاڑ دوں گا۔'' طاہر کو ایک دم سے ان پر غصہ آ گیا۔ اس کا دماغ گھوم گیا تھا کہ اتنی دیر سے فضول بات کرنے کے بعد وہ ایسا کہیں گے۔ طاہر واقعی آپے سے باہر ہو گیا تھا۔ اسے یہ سوچ کر شدید دکھ ہوا تھا کہ یہ دونوں اس سے کھیل رہے ہیں۔ جیسے وہ ان کے لئے کوئی کھلونا ہو۔ اسی لمحے منیب نے اس کے چہرے کی طرف دیکھا اور معذرت خواہانہ لہجے میں بولا

''طاہر پلیز، غصہ مت کرو، میں تمہیں تفصیل ابھی بتا دیتا لیکن ابھی تمہارا موڈ ٹھیک نہیں۔''

''گولی مارو موڈ کو، بات بتاؤ یا پھر دفعہ ہو جاؤ۔'' اس نے غصے میں کہا تو ساجد تیزی سے بولا

''چلو ٹھیک ہے۔ میں بتا دیتا لیکن بات وہی ہے، اُسے یہاں لا کر......''

ساجد کی ہٹ دھرمی پر اس کا دماغ گھوم کر رہ گیا۔ اس نے انتہائی غصے میں بنا سوچے سمجھے کہا۔

''میں نے یہ بھی کر دینا ہے لیکن تمہارے پاس پھر بھی کوئی بات نہیں ہوگی اور اگر ایسا ہوا تو میں نے تمہارا سر پھاڑ دینا ہے، اور تم جانتے ہو کہ مجھے ایسا کرنے سے کوئی نہیں روک سکتا، میں تم سے......''

تبھی ساجد نے طاہر کی بات کاٹتے ہوئے تیزی سے کہا

"اگر کوئی بات نہ ہوئی اور وہ بات اہم بھی نہ ہوئی، تب تم جو چاہے سزا دے لینا، جیسا جرمانہ چاہے کر لینا، جو تمہارے جی میں آئے کرنا۔"

"او کے، ڈن ہے؟" اس نے حتمی لہجے میں ساجد کی آنکھوں میں دیکھ کر پوچھا

"ڈن۔" ساجد نے بھی جوش میں کہہ دیا۔ طاہر نے ایک لمحے کی بھی تاخیر نہیں کی اور اٹھ گیا۔ اس کا خیال تھا کہ اگر ان کے پاس کوئی معقول بات نہ ہوئی تو اس کے یوں اٹھنے پر وہ اسے روک لیں گے۔ لیکن ایسا نہیں ہوا۔

چند قدم چل آگے بڑھ جانے کے بعد طاہر کو احساس ہوا کہ وہ کیا کرنے جا رہا ہوں۔ اس کے دوستوں نے اسے غصہ دلایا اور وہ بے وقوفوں کی طرح اس لڑکی کو دعوت دینے چل دیا۔ اس دعوت کا ردعمل کیا ہونے والا تھا، اس کا اندازہ اسے بخوبی تھا۔ ہمارے معاشرے میں ایک اجنبی لڑکا، کسی اجنبی لڑکی کو جا کر چائے کی دعوت دے تو گالیاں کھانے اور بے عزت ہونے والی احمقانہ حرکت ہی تو ہے۔ یہ نسوانی فطرت ہے کہ وہ یوں کسی اجنبی پر بھروسہ نہیں کرتی، چاہے وہ جتنا مرضی ایڈوانس، بولڈ اور بااعتماد ہو۔ وہ تیزی سے سوچ رہا تھا کہ کسی طرح بچ جاؤں۔ لیکن بڑھتے ہوئے قدموں کے ساتھ اسے کچھ بھی نہیں سوجھ رہا تھا۔ اس کا دوران خون تیز ہو گیا۔ اس کے لاشعور میں اتنی بات ضرور تھی کہ اس قدر ماڈرن اور ایڈوانس لڑکی جیسا کہ اس کے حلیے سے ظاہر ہو رہا تھا، ایک دم سے گلے نہیں پڑے گی۔ مان گئی تو ٹھیک ورنہ وہ انکار ایسے نہیں کرے گی کہ سٹاپ پر کھڑے سب لوگوں کو پتہ چل جائے۔ وہ تحمل سے بات ضرور سن لے گی۔ یہی سوچتے ہوئے اس نے خود پر قابو پایا اور بڑھتا چلا گیا، یہاں تک کہ وہ بس سٹاپ پر کھڑی اس لڑکی کے قریب پہنچ گیا۔ اس نے جاتے ہی اس سے بڑے نرم لہجے میں جھجکتے ہوئے کہا

"السلام علیکم۔"

لڑکی نے اس کے چہرے پر غور سے دیکھا، پھر لحہ بھر دیکھتے رہنے کے بعد نرم لہجے میں جواب دیا

"جی وعلیکم السلام۔"

اس کا حوصلہ بڑھ گیا۔ اس لئے وہ اعتماد سے بولا

"دیکھیں، میں جانتا ہوں کہ ہمارے درمیان کوئی شناسائی نہیں ہے اور ہم اجنبی ہیں۔ میں آپ سے ایک بات کرنا چاہتا ہوں۔ اگر آپ برا محسوس نہ کریں اور آپ کو جلدی نہ ہو تو پلیز......"

"جی بولیں، آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔" اس نے طاہر کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے اسی نرم لہجے میں پوچھا تو وہ خود پر قابو پاتے ہوئے بولا

''یہاں کھڑے رہ کر بات کرنا کچھ عجیب سا لگے گا۔ اگر آپ چند قدم وہاں کینٹین تک چلیں، وہاں سکون سے بیٹھ کر بات ہو سکتی ہے۔''

اسے لگا کہ وہ لڑکی اس کے چہرے پر دیکھ کر جیسے کچھ مسکرا رہی ہے لیکن اس کا دھیان کسی دوسری طرف ہے لڑکی کے چہرے پر نرماہٹ تھی، سکون تھا، اور مسکراہٹ یوں لگ رہی تھی، جیسے کسی معصوم بچے کی بات پر کوئی سمجھ دار ردعمل دیتا ہے۔ چند لمحے بعد وہ ہلکے سے لہجے میں بولی۔

''چلیں۔''

اس قدر آسانی سے مان جانے پر اسے خود بڑا عجیب سا لگا جہاں بچ جانے کے احساس سے اس نے بے ساختہ اطمینان بھری ایک طویل سانس لی۔ وہاں جیت کے خمار نے اس میں خوشی بھر دی تھی۔

وہ اس کے ساتھ چلتی ہوئی، کینٹین تک آ گئی۔ ایک میز کے گرد خالی کرسیوں پر بیٹھتے ہوئے اس نے انتہائی مودب لہجے میں پوچھا

''چائے، کافی یا ٹھنڈا؟''

''جو آپ کا دل چاہے۔'' اس لڑکی نے کندھے اُچکاتے ہوئے عام سے لہجے میں کہا تو اس نے فریش جوس کا آرڈر دے دیا تو لڑکی نے بڑی متانت سے پوچھا

''جی، بولیں کیا کہنا ہے آپ نے؟''

''بتاتا ہوں، ذرا آپ سے بات کرنے کا حوصلہ تو جمع کر لوں، جوس سے میرا حلق تر ہو گا تو بات نکلے گی نا۔'' اس نے فطری خوشگوار انداز میں کہا

''بات، اس قدر خشک ہے۔'' وہ مسکراتے ہوئے بولی

''شاید۔'' اس نے کہا تو وہ بولی

''چلیں جیسے آپ کی مرضی۔''

اُن دونوں میں اس وقت خاموشی چھائی رہی، جب تک ویٹر جوس نہیں لے آیا۔ لڑکی نے گلاس اپنے سامنے رکھا اور ایک سپ لے کر طاہر کی طرف دیکھنے لگی۔ تبھی اس نے چند سپ لینے کے بعد جھجکتے ہوئے کہا

''مجھے نہیں معلوم کہ آپ کا نام کیا ہے اور آپ کون ہیں۔ میں نے شاید آج آپ کو پہلی دفعہ دیکھا ہے۔ ہم کچھ دوست یہاں بیٹھے ہوئے تھے۔ اب بھی میری دائیں جانب وہ بیٹھے ہوئے ہیں اور یقیناً ہمیں دیکھ رہے ہوں گے۔'' اس نے کہا تو لڑکی کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی اور ادھر ادھر دیکھے بغیر شائستہ لہجے میں بولی

''آپ میں شرط کے جیسی کوئی بات ہوئی ہو گی اور آپ مجھے یہاں لے آئے۔ ایسے ہی ہے نا؟''

''آپ کو کیسے پتہ؟'' اس نے حیرت سے پوچھا

''ایسی ہی معصوم اور احمقانہ قسم کی شرطیں کیمپس میں لگتی ہی رہتی ہیں۔ کیا آپ کا یہ پہلا سال ہے؟''

''نہیں، دوسرا سال ہے اور وہ بھی ایم فل کا۔'' طاہر نے مسکراتے ہوئے کہا

''مطلب کافی پرانے ہیں اس کیمپس میں۔'' وہ بھی لبوں پر مسکان لاتے ہوئے بولی

''اور آپ؟'' طاہر نے پوچھا

''میری چھوڑیں، آپ نے میرے بارے میں جان کر کیا کرنا ہے۔'' یہ کہہ کر اس نے لمحہ بھر کو سانس لیا پھر بولی۔''میرا خیال ہے کیمپس سے جاتے ہوئے اب یہ شرارتیں کرنے کا دل چاہتا ہوگا، ورنہ تو یہ کیمپس کے پہلے دوسرے سال کی باتیں جو آپ لوگ اب کر رہے ہیں۔''

''نہیں بس، ان کی باتوں میں پھنس گیا ہوں۔ اپنے غصے کی وجہ سے۔ خیر۔! آپ کا اتنا اچھا رویہ دیکھ کر میرا دل چاہ رہا ہے کہ آپ کو اچھا سا کھانا کھلاؤں۔'' اس نے پورے خلوص سے اسے دعوت دے ڈالی، لیکن اس کے ساتھ اسی لمحے اس کے ذہن میں خیال آیا تو وہ جلدی سے بولا،''پلیز یہ مت سوچئے گا کہ جیسے وہ مردوں کی عادت ہوتی ہے نا کہ انگلی تھماؤ تو...... میں پورے خلوص سے آپ کو ٹریٹ دینے کی آفر کر رہا ہوں، تھینکس کے لئے پلیز۔''

''کوئی بات نہیں میں سمجھ رہی ہوں۔'' یہ کہہ کر اس نے سپ لیا۔ اس کے چہرے پر مسکراہٹ ایک دم سے اجنبی لگنے لگی تھی۔ جیسے اس کے چہرے پر زبردستی کی مسکراہٹ ہو لیکن اس میں بہت سارا حزن و ملال بھی شامل ہو چکا ہو۔ ایک عجیب سی نہ سمجھ آنے کیفیت طاری ہو گئی تھی۔ اس نے دو چار سپ لئے، چند لمحے سوچتی رہی پھر سر اٹھا کر بولی،''ابھی کھانا کھلاؤ گے یا پھر کسی دن؟''

''جب آپ چاہیں، چاہیں تو ابھی سہی۔''

''اسی کینٹین سے؟'' اس لڑکی نے خوش دلی سے پوچھا تو اسے یوں لگا جیسے وہ طنز کر رہی ہے۔ تبھی طاہر نے گڑبڑاتے ہوئے کہا

''یہ تو ابھی طے ہی نہیں ہوا کہ آپ کھانا کھائیں گی، اس کے بعد ہی طے ہوگا نا کہ کس ریستوران سے کھائیں گے یا......؟''

''مطلب آپ شہر کے کسی ریستوران میں کھانا کھلانا چاہتے ہیں؟'' لڑکی نے پوچھا تو طاہر نے شہر کے بہترین ریستوران کا نام بتایا تو وہ سر ہلاتے ہوئے بولی

''میں نے اس شہر کا کوئی ریستوران ٹرائی نہیں کیا۔ آپ کہتے ہیں تو ٹھیک ہے، مجھے شہر جانا ہے۔ کیا ہم ابھی جا رہے ہیں؟'' اس نے یوں کہا جیسے وہ تیار بیٹھی ہو۔ طاہر کو بھی اس کا یہ بے تکلفانہ انداز اچھا لگا تھا۔

''ٹھیک ہے، آپ اب بس میں نہیں، میرے ساتھ کار میں جائیں گی۔ میں پارکنگ سے کار یہاں سامنے لاتا ہوں۔'' یہ کہہ کر

اس نے اٹھتے ہوئے کہا تو لڑکی نے اپنا سر اثبات میں ہلا دیا۔

طاہر اسے اپنے ساتھ پارکنگ میں لے جا سکتا تھا۔ لیکن اس نے ساجد اور منیب کو فون کرنا تھا۔ اس نے سیل فون نکالا اور ساجد کو کال کی۔ اس نے فوراً ریسیو کرتے ہوئے کہا

''ہاں بول۔''

''اب میں تیری اس لگتی کو کھانا کھلانے لے جا رہا ہوں۔ پھر آ کر پوچھتا ہوں، بلکہ اب تو 'ڈیرے' پر ہی بات ہوگی اور اگر کوئی بات نہ ہوئی تو سمجھ لے تیری آج خیر نہیں پتر۔'' طاہر نے دانت پیستے ہوئے کہا پھر ریستوران کا نام بتاتے ہوئے اس کی کوئی بات سنے بغیر کال بند کر دی۔

طاہر پارکنگ تک گیا اور کار لے کر کینٹین کے سامنے آ گیا۔ ساجد اور منیب دونوں ہی وہیں نہیں تھے۔ لڑکی نے اسے کار میں بیٹھا ہوا دیکھا اور بڑھ آئی۔ طاہر جلدی سے اترا، اس نے پسنجر سیٹ کا دروازہ کھولا، اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا اور خود ڈرائیونگ سیٹ پر جا بیٹھا۔ وہ پسنجر سیٹ پر بیٹھی تو ایک مہنگے پرفیوم کی مہک چاروں طرف یوں پھیلی جیسے کار اسی مہک سے بھر گئی ہو۔ اس نے کار بڑھا دی۔ کیمپس سے نکلتے ہوئے اس نے اپنا تعارف کرایا۔

''مجھے طاہر حیات باجوہ کہتے ہیں۔ میرا میڈیا ڈیپارٹمنٹ ہے اور ایم فل کے آخری سال میں صرف دو تین ماہ رہ گئے ہیں۔''

''اور میرا نام آیت النساء ہے۔ سب مجھے آیت کہتے ہیں۔'' اس نے سامنے دیکھتے ہوئے کہا

''یہ تھوڑا منفرد سا نام نہیں ہے؟'' اسے واقعی ہی اس کا نام کچھ الگ سا لگا تھا۔

''یہ نام میرے دادا جی نے رکھا تھا۔ وہ مجھ سے بہت پیار کرتے ہیں۔ خیر، مجھے تو یہ نام بہت اچھا لگتا ہے۔ عربی میں ہے اور اس کا مطلب، عورتوں کی علامت، بنتا ہے یا کہہ لیں مثالی عورت۔''

''آپ کے دادا نے پیار سے رکھا ہے تو بہت پیارا ہے۔'' اس نے اپنی رائے دی تو ان میں خاموشی چھا گئی۔

شہر کے مہنگے ریستوران میں اس کی پسند کا کھانا کھا لینے کے بعد جب طاہر بل دے چکا تو اس وقت ساجد اور منیب بھی آ گئے۔ ظاہر ہے وہ تصدیق کرنے آئے تھے۔ وہ ان کی طرف نہیں آئے بلکہ ساتھ والی میز پر بیٹھ گئے۔ طاہر نے ان کی طرف توجہ دیئے بغیر آیت سے کہا

''میں پھر سے آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے میری......''

''کوئی بات نہیں طاہر، اس میں شکریہ والی کون سی بات ہے۔'' اس نے سکون سے تو کہا مگر اسے لگا جیسے وہ بات تو اس سے کر رہی ہے لیکن اس کا دھیان کسی دوسری طرف ہے۔

''پھر بھی، آپ کو معلوم ہے کہ ہمارے اس معاشرے میں یوں کسی لڑکی سے کہنا، آپ میچور ہیں اور بات کو سمجھ گئی تو میری عزت رہ گئی ورنہ دونوں طرف سے بے عزت ہو جاتا۔ میں بہر حال آپ کا شکر گزار ہوں۔'' اس کے لہجے میں ممنونیت بھری ہوئی تھی۔

''اگر آپ واقعی ہی میرے مشکور ہیں تو آپ میری تھوڑی مدد کریں گے؟'' آیت النساء نے اچانک سنجیدہ ہوتے ہوئے پوچھا

''جی بولیں۔'' طاہر نے کہا

''مجھے ایک جگہ کام ہے، آپ میرے ساتھ وہاں تک چلیں گے؟'' اس نے پوچھا

''جی کیوں نہیں، چلیں۔'' اس نے اٹھتے ہوئے کہا تو وہ اپنا پرس سنبھالتے ہوئے اٹھ گئی۔

وہ کچھ دیر یونہی سڑکوں پر پھرتے رہے۔ طاہر نے اچھی طرح یہ بھانپ لیا تھا کہ اسے نہیں پتہ تھا کہ کہاں جانا ہے۔ طاہر نے بھی نہیں پوچھا۔ یہاں تک کہ اسے ایک جیولر کی دوکان دکھائی دی۔ تبھی اس نے وہیں رک جانے کا کہا۔ وہ اسے جیولر کی دوکان میں لے گئی۔ کاؤنٹر پر موجود جیولر کے سامنے بیٹھ کر اس نے اپنی کلائی میں موجود کنگن اُتار کر کاؤنٹر پر رکھ دیا۔

''مجھے یہ کنگن بیچنا ہے؟''

جیولر نے وہ کنگن اٹھایا۔ پارس پر رگڑ کر اپنی تسلی کی، تولا، اچھی طرح اطمینان کیا، کچھ دیر بعد اس نے کنگن کی قیمت بتائی۔ جسے سن کی آیت کے چہرے پر عجیب سا دکھ پھیل گیا۔ انہی لمحات میں طاہر کو احساس ہوا جیسے وہ یہ کنگن ضرورت کے لئے بیچ رہی ہے۔ اسے کیا ضرورت ہو سکتی ہے؟ یہ تو معلوم نہیں تھا لیکن وہ اس کی مدد کر سکتا تھا۔

''چلیں، ٹھیک ہے۔'' آیت نے جیولر سے کہا تو طاہر بولا

''ایک منٹ، ہم ذرا مشورہ کر لیں۔''

اس کے یوں کہنے پر آیت نے طاہر کی طرف دیکھا اور کنگن پکڑ کر اٹھ گئی۔ وہ دوکان سے باہر آ گئے۔ طاہر نے پسنجر سیٹ کی طرف والا دروازہ کھولا اور آیت کو کار میں بیٹھنے کا اشارہ کیا تو وہ بیٹھ گئی۔ طاہر نے کار بڑھاتے ہوئے پوچھا

''وہ اس کنگن کی قیمت کم دے رہا تھا نا؟''

''کافی حد تک کم۔'' آیت نے سر سراتے ہوئے کہا، جیسے وہ بہت دُکھی ہو۔

''تمہارے خیال میں کتنا کم؟' اس کے پوچھنے پر آیت نے اندازاً رقم بتائی، جو اتنی زیادہ نہیں تھی۔

''یہ ڈیش بورڈ کھولو، اس میں رقم پڑی ہے، اپنی ضرورت کے مطابق لے لو۔'' طاہر نے اس سے کہا

آیت نے ایک لمحے کے لئے طاہر کی طرف دیکھا، چند لمحے سوچتی رہی پھر ڈیش بورڈ کھولا اس میں پڑی نوٹوں کی گڈی میں سے اتنے ہی نوٹ لئے، جتنے اس جیولر نے بتائے تھے۔ پھر وہ کنگن باقی نوٹوں کے ساتھ رکھتے ہوئے بولی

''آپ جس طرح کی مدد کرنا چاہ رہے ہو، میں اسے پسند نہیں کرتی اور نہ ہی ایسا آج تک میں نے قبول کیا ہے۔''

''کنگن رہنے دو، اسے اُدھار سمجھ لو، بعد میں دے دینا۔'' اس نے خلوص سے کہا

''کہا نا، میں اسے پسند نہیں کرتی ہوں۔ مجھے کنگن بیچنا تھا، جیولر کو نہ سہی آپ کو سہی۔'' اس نے دھیمے لہجے میں کہا پھر ایک دم خوشگوار لہجے میں بولی، ''آپ اسے گروی سمجھ لو۔''

''جیسے آپ کی مرضی، لیکن آپ کو میری ایک بات ماننا ہوگی۔'' طاہر نے کہا تو وہ بولی

''بولیں؟''

''آپ کچھ رقم مزید لے لیں۔ پلیز'' طاہر نے کہا تو وہ آیت نے چند لمحے سوچا، پھر ڈیش بورڈ سے کچھ مزید بڑے نوٹ لے کر اپنے پرس میں رکھتے ہوئے بولی

''اب آپ مجھے یہیں اتار دیں۔''

''کیمپس واپس نہیں......؟'' طاہر نے پوچھا

''نہیں مجھے یہاں ایک کام جانا ہے۔'' اس نے کہا تو طاہر نے کار سڑک کنارے روک دی۔ تب وہ اترتے سے پہلے بولی

''طاہر، میرا شکر گذار ہونے کی ضرورت نہیں اور نہ ہی میں آپ سے شکریہ کہوں گی۔ کیونکہ میں اور آپ اتفاق سے نہیں ملے۔''

''اتفاق سے نہیں مطلب پلان سے؟'' وہ گڑبڑاتا ہوا بولا

''تم شاید نہ سمجھ سکو، لیکن مجھے یقین ہے کہ یہ کسی کی مرضی تھی کیونکہ یہ اتفاق ہو نہیں سکتا۔''

''میں سمجھا نہیں، مطلب، آپ کیسے کہہ رہی ہو کہ ہم تو اتفاق......'' اس نے اپنی بات ادھوری چھوڑ دی کیونکہ آیت بول پڑی تھی۔

''نہیں ایسا نہیں ہے۔ شاید آپ، جوس یا کھانے کی آفر قبول کرنے کو میرا اعتماد، بولڈنیس یا کچھ اور سمجھو۔ ایسا نہیں ہے۔'' آیت نے مسکراتے ہوئے کہا

''تو پھر کیا تھا، پلیز مجھے بتائیں۔'' وہ کنفیوژ ہوتا ہوا بولا

''اچھا تو پھر سنیں، اس وقت میرے پاس کھانے کے لئے پیسے نہیں تھے۔ میں نے ناشتہ بھی نہیں کیا ہوا تھا۔ مجھے بھوک لگی ہوئی تھی۔ میں نے یہ کنگن بیچ کر اپنی ضرورت پوری کرنا تھی۔ ڈیش بورڈ سے زیادہ میں نے اس لئے نہیں لئے کہ مجھے لگتا ہے میری ضرورت اسی میں پوری ہو جائے گی۔ خدا حافظ۔'' یہ کہتے ہوئے وہ کار سے اتر گئی۔ سڑک کنارے جا کر اس نے قریب کھڑے ایک رکشے کو آواز دی اس میں بیٹھی اور چلی گئی۔ وہ اسے حیرت سے دیکھتا رہا، یہاں تک کہ رکشہ نگاہوں سے اوجھل نہیں ہو گیا۔ طاہر نے ایک لمبی سانس لی اور کار

بڑھادی۔ آیت اسے کافی حد تک پر اسرار لگی تھی۔ اس وقت وہ اپنے دوستوں کو بھول ہی گیا، جن کی وجہ سے آیت ملی تھی۔

ساجد بہاول پور شہر سے مقامی تھا۔ اس کے باپ کا شمار شہر کے بہترین وکیلوں میں ہوتا تھا۔ اچھی خاصی فیملی ہونے کے باعث سیاست میں بھی ایک نام رکھتے تھے۔ لیکن یہ سیاست گلی محلے کی سیاست تک محدود تھی، یا پھر ایک بار اس کا والد بار کونسل کا صدر منتخب ہوا تھا۔ وہ اپنے دو بہن بھائیوں میں سب سے چھوٹا تھا۔ جبکہ منیب ہاسٹل میں رہتا تھا۔ اس کا باپ ایک بڑے اخبار میں صحافی تھا۔ بڑے شہر میں داخلہ نہیں ملا تو یہیں پر آ گیا۔ درمیانے درجے کے خاندان سے تعلق تھا، مگر باپ کے صحافی ہونے کے باعث مقتدر حلقوں میں رسائی اچھی خاصی تھی۔ طاہر باجوہ اپنے زمیندار باپ کا اکلوتا بیٹا تھا۔ اس کا باپ بھی اکلوتا تھا، سو جائیداد تقسیم نہیں ہوئی تھی۔ بلکہ اس کے باپ نے زمین بڑھائی تھی، جس کی آمدنی بے شمار تھی۔ چند برس پہلے اس کے باپ نے شہر کے پوش علاقے میں ایک بنگلہ نما کوٹھی بنائی ہوئی تھی۔ جسے وہ ''ڈیرہ'' کہتا تھا۔ اور یہی نام اس کے کلاس فیلو اور دوستوں میں مشہور تھا۔ کبھی کبھی جب اس کا بابا سکندر حیات باجوہ شہر آتا تو یہیں رکتا۔ ورنہ وہ ہوتا اور اس کے ملازم، ان میں دو میاں بیوی اور تیسرا چوکیدار تھا۔

اُن کا یہ ساتھ پچھلے چار برس سے تھا۔ ممکن تھا کہ منیب دو سال بعد ہی واپس چلا جاتا۔ لیکن ان میں جو دوستی بن چکی تھی، اس باعث وہ ایم فل کرنے پھر آن پہنچا۔ طاہر باجوہ کو کیمپس کی ضرورت اس لئے تھی کہ اس نے اپنی سیاست کی شروعات کی ہوئی تھی۔ کیمپس کے ان چار برسوں میں ان کی مثالی دوستی تو تھی۔ وہ تینوں کیمپس میں اکٹھے ہوتے۔ ساجد اور منیب دونوں اس کے ہاں ''ڈیرے'' پر ہی پائے جاتے تھے۔ کلاس کے ابتدائی دنوں ہی سے ان میں ہونے والی دوستی ہو گئی تھی، جو اب تکلفات سے بھی آگے نکل گئی تھی۔ ان کے درمیان کوئی راز بھی راز نہیں رہا تھا۔

لیکن اُس دن دونوں کے راز دارانہ رویے کے باعث طاہر کو بہت عجیب الجھن ہوئی تھی۔ یہ تو اسے یقین ہو گیا تھا کہ کوئی نہ کوئی بات تھی ضرور، ورنہ وہ ایسی گھٹیا سی حرکت کر نہیں سکتے تھے۔ طاہر کے خیال میں انہیں خود سمجھ نہیں آئی ہو گی کہ وہ اس کے ساتھ بات کریں کیسے؟ یہ ایک حقیقت تھی کہ طاہر ان سے زیادہ دولت مند اور طاقت ور خاندان سے تعلق رکھتا تھا، ان سے زیادہ اس کی شخصیت تھی، وہ وجیہ تھا اور دولت خرچ کرنے میں شاہ خرچ تھا۔ اسی باعث منیب اور ساجد ہمیشہ اس سے دَب کر رہے تھے۔ دوست ہونے کے باوجود ان میں طبقاتی فرق بہر حال تھا۔ جو کہ ہمارے معاشرے کے لاشعور تک میں راسخ ہو چکا ہے۔

طاہر واپس ڈیرے پر آ کر اپنے کمرے میں بیڈ پر لیٹ گیا۔ غصہ ختم ہو جانے کے بعد وہ یہی سوچے چلا جا رہا تھا کہ اپنی عزت خواہ مخواہ داؤ پر لگا دی۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ایسا کچھ ہو سکتا ہے۔ وہاں معاملہ ہی دوسرا تھا۔ اس نے سمجھا کہ اگر آیت کی کوئی مجبوری نہ ہوتی تو شاید حالات کچھ اور ہی طرح کے ہو جاتے۔ یا وہ ایسی کسی لڑکی کی طرف اشارہ کر دیتا جو اس کے گلے ہی پڑ جاتی۔ سو طرح کے حالات بن سکتے تھے۔ ایک بار تو وہ کانپ ہی گیا۔ اسے اپنی عزت زیادہ پیاری تھی۔ اس کے ہاتھوں بندہ قتل ہو جانے سے شاید اس کے بابا کو دُکھ نہ

ہوتا۔ مگر ایک لڑکی کے ہاتھوں بے عزت ہو جانے پر وہ اپنے اکلوتے بیٹے کو کبھی معاف نہ کرتا۔ وہ جس قدر اِن حالات کی نزاکت کو محسوس کر رہا تھا۔ اسی قدر اُسے اپنے آپ پر اور اپنے دوستوں پر غصہ آ رہا تھا۔

ایک طرف تو وہ یہ سوچے چلا جا رہا تھا، تو دوسری طرف خود آیت کی ذات اسے سوچنے پر مجبور کر رہی تھی۔ وہ اُسے عام لڑکیوں سے بالکل ہٹ کر لگی تھی۔ ایسا نہیں تھا کہ وہ اس کے حسن سے متاثر ہو گیا تھا۔ کیونکہ نہ تو وہ کوئی قلو پطرہ تھی کہ جس کے لئے کسی انتھونی یا جولیس سیریز کے درمیان جنگ چھڑ جاتی۔ وہ رضیہ سلطانہ بھی نہیں تھی جو خود میدان جنگ میں نکل پڑی ہو اور اس نے طاہر کو فتح کر لیا ہو۔ نہ ہی وہ میرا بائی تھی جسے دیکھ کر شاعری کرنے کو دل چاہئے اور کوئی سُر چھیڑنے کو من مچل جائے۔ وہ نور جہاں بھی نہیں تھی جو بیک وقت جہانگیر کے دل کو چھو لے اور حکومت کرنے والوں کے دلوں پر راج کرے۔ وہ ارجمند بانو کے جیسی بھی نہیں تھی کہ جس کی یاد میں تاج محل کھڑا کر دیا جائے۔ آیت النساء تو ایک عام سی لڑکی تھی۔ جس کے رویے نے اُسے خاص بنا دیا تھا۔

یہ بات تو طے تھی کہ آیت النساء میں بلا کا اعتماد تھا۔ وہ دیکھنے میں ایسے لگتی تھی جیسے کسی ایلیٹ کلاس گھرانے سے تعلق رکھتی ہو۔ تو پھر اسے اپنی کلائی کا کنگن فروخت کرنے کی کیا سوجھی؟ وہ اپنے گھر سے پیسے منگوا سکتی تھی۔ ضرور کوئی ایسا کام ہو گا جسے وہ اپنے گھر والوں سے چھپانا چاہتی ہوگی؟ ممکن ہے وہ کوئی نشہ وغیرہ کرتی ہو۔ نشے باز اپنی فوری ضرورت کو پورا کرنے کے لئے کچھ بھی کر سکتا ہے۔ وہ کیسا نشہ کرتی ہوگی، شراب، چرس، کوکین یا کوئی دوسرا مہنگا نشہ، یا پھر سرے سے ایسا کچھ نہ ہو۔ ایسے ہی سوال اس کے دماغ میں گونجتے رہے اور وہ بیٹھا الجھتا رہا۔

جب وہ آیت بارے سوچ کر بھی تھک گیا تو ساجد اور منیب کا پر اسرار رویہ اس کا دماغ گھمانے لگا۔ انہوں نے ایسا کیوں کیا؟ ان کے بارے بدگمانی کرنے کو اس کا دل نہیں چاہ رہا تھا مگر اس کا دل مطمئن بھی نہیں ہو رہا تھا۔ اسے سکون اسی وقت آنا تھا جب وہ اپنی اس اوٹ پٹانگ حرکت کی وجہ بتاتے۔ وہ بات کیا تھی؟ اسے چین نہیں آ رہا تھا۔ یہی سوچتے ہوئے اس کی آنکھ لگ گئی۔

❁......❁......❁

آیت النساء کا رکشہ بہاول پور شہر کے سب سے بڑے مہنگے اور جدید ہسپتال کے سامنے جا رُکا تھا۔ اس نے اُتر کر کرایہ ادا کیا، رکشے میں پڑے بھرے ہوئے شاپنگ بیگ اٹھائے اور کسی طرف دیکھے بغیر ہسپتال میں داخل ہو گئی۔ وہ لابی سے ہوتے ہوئے سیدھے کاریڈور کی جانب بڑھ گئی۔ آگے وارڈ تھا۔ وہ ایک کمرے کے سامنے جا رُکی، پھر ہلکے سے دستک دے کر اندر داخل ہو گئی۔

سامنے بیڈ پر تین چار برس کا بچہ یوں لیٹا ہوا تھا جیسے گہری نیند میں ہو۔ اس کی آنکھیں بند تھیں اور چہرے پر پیلاہٹ پھیلی ہوئی تھی۔ اس کے قریب ہی ایک نڈھال سی نوجوان عورت بیٹھی ہوئی تھی۔ اگر چہ وہ بہت خوبصورت تھی لیکن اس کے چہرے پر پھیلا ہوا موت کا ڈر اور آنکھوں میں خوف اُترا ہوا تھا۔ آیت النساء کے آنے پر اس کی آنکھوں میں جیسے اُمید روشن ہو گئی۔ وہ جلدی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ تبھی

اُس نے شاپنگ بیگ ایک طرف رکھتے ہوئے پوچھا

''رابعہ کیسی طبیعت ہے سرمد کی؟''

''ویسے ہی ہے۔'' رابعہ بولی تو اس کا لہجہ تک سسکتا ہوا تھا۔ آیت نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے حوصلہ افزا لہجے میں کہا

''تم اِس کی ماں ہو، میں تمہارا دُکھ سمجھتی ہوں مگر دُکھی ہو جانے سے کچھ نہیں ہوتا۔ حوصلہ کرنا پڑتا ہے۔ فکر نہ کرو، اگر اللہ نے اس بچے کی زندگی لکھی ہے نا تو یہ تمہاری گود میں کھیلے گا۔ پوری طرح صحت مند ہو جائے گا۔ میں ہوں نا یہاں۔''

یہ کہتے ہوئے وہ اسی بیڈ پر بیٹھ گئی، جس پر سرمد لیٹا ہوا تھا۔ وہ ہولے ہولے اس کا سر سہلانے لگی۔ اس کے چہرے کو اپنی انگلیوں کی پُوروں سے یوں چھونے لگی جیسے اپنی ساری محبت اس میں جذب کر دینا چاہتی ہو۔ وہ ہولے ہولے اس کے بدن پر ہاتھ پھیرتی رہی۔

''ڈاکٹر آیا تھا راؤنڈ پر، کہہ رہا تھا، ممکن ہے آپریشن ہو اور.....'' وہ کہتے ہوئے ایک دم سے رو دی۔ آیت نے اپنی توجہ سرمد سے ہٹا کر رابعہ کی طرف دیکھا۔ پھر اس کا ہاتھ پکڑ کر پُر اُمید لہجے میں بولی

''تو پھر کیا ہے، اگر آپریشن ضروری ہے تو وہ کر لیں، اس سے سرمد ٹھیک ہو جائے گا۔''

''اس کے لئے تو رقم کی......'' اس نے کہنا چاہا تو آیت نے مسکراتے ہوئے بڑے تحمل سے کہا

''میں نے کہا نا کہ فکر نہ کرو، یہ ذہن میں بٹھا لو کہ سرمد کے لئے دولت کی کمی نہیں ہے۔'' یہ کہہ کر اس نے پرس میں ہاتھ ڈالا اور اس میں سارے نوٹ نکال کر اس کے سامنے کر دیئے۔ پھر بولی، ''یہ معمولی سی رقم کچھ بھی نہیں ہے۔ میں سرمد کے لئے دولت کے انبار لگا دوں۔''

''آیت۔! تم میرے لئے فرشتہ ثابت ہوئی ہو۔'' رابعہ نے احسان مندی سے کہا، اس کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے اور اس کا لہجہ بھیگا ہوا تھا۔ آیت نے اس کی طرف دیکھا اور عجیب سے لہجے میں حسرت سے بولی

''میں کہاں اور فرشتہ ہونا کہاں۔ میں انسان ہی رہوں تو اچھا ہے، خیر۔! ان باتوں کو چھوڑو۔ میں ڈاکٹر سے ملتی ہوں، بات کرتی ہوں ان سے آپریشن کے بارے میں۔''

''ٹھیک ہے۔'' رابعہ نے آہستہ سے کہا اور بیڈ کے ساتھ بینچ پر بیٹھ گئی۔ آیت نے وہ سارے نوٹ واپس بیگ میں رکھے اور باہر کی طرف چل دی۔ اس کا رخ ڈاکٹر کے کمرے کی طرف تھا۔

ڈاکٹر سے ملنے کے لئے اسے وقت لگا۔ تاہم کچھ دیر بعد اس کی ملاقات ہو گئی۔ سرمد کے بارے میں بتا کر اس نے کہا

''ڈاکٹر۔! آپ سرمد کے آپریشن کے بارے میں کیا کہتے ہیں، کیا وہ بہت ضروری ہے؟''

''جی، میرا مشورہ بھی یہی ہے اور ہمارے ماہر ترین ڈاکٹرز کا بھی یہی کہنا ہے کہ یہ ٹیومر ابھی بالکل ابتدائی سطح پر ہے۔ اس کا وقتی حل تو یہی ہے ادویات دے دی جائیں، یہ ٹھیک تو ہو جائے گا۔ لیکن اگر اس کا آپریشن ہو جائے تو پھر اس کا امکان بالکل ختم ہو جائے گا۔''

''لیکن میرا خیال کچھ دوسرا ہے۔'' آیت نے انتہائی سنجیدگی سے کہا تو ڈاکٹر نے اس کی طرف غور سے دیکھا، پھر نہ سمجھ آنے والے انداز میں پوچھا

''میں سمجھا نہیں، آپ کیا کہنا چاہ رہی ہیں۔''

''مجھے یقین ہے کہ اسے کوئی ٹیومر وغیرہ نہیں ہو سکتا اور نہ ہے، اس لئے آپ ماہر ترین ڈاکٹر کی خدمات ایک بار پھر سے لے لیں اور دوبارہ تشخیص کر لیں۔'' اس نے پورے اعتماد سے کہا تو ڈاکٹر نے اس کی بات کا برا منائے بغیر پوچھا

''دوسرے لفظوں میں آپ کو ہماری تشخیص پر بھروسہ نہیں؟''

''میں نے یہ نہیں کہا کہ آپ کی تشخیص غلط ہے۔ بلکہ میں یہ کہہ رہی ہوں کہ ماہر ترین ڈاکٹرز اگر دوبارہ دیکھ لیں تو کیا حرج ہے۔ مجھے پورا یقین ہے کہ اسے ٹیومر وغیرہ نہیں ہو سکتا۔'' آیت نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا

''ٹھیک ہے مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ لیکن اس کے لئے بہت زیادہ اخراجات ہوں گے۔ میں تو کنسلٹ کر لوں گا۔'' ڈاکٹر نے مسکراتے ہوئے کہا

''آپ فکر نہ کریں، میں ابتدائی رقم جمع کروا دیتی ہوں، اخراجات جو بھی ہوں، اس کی آپ فکر مت کریں لیکن یہ کب تک ممکن ہو گا؟'' اس نے پوچھا تو ڈاکٹر نے کہا

''کل شام تک ہی ہو سکے گا۔''

''کل شام تک مطلب؟'' اس نے پوچھا

''دراصل بات یہ ہے کہ کل دوپہر سے پہلے ہی ہمارے سینئر ترین ڈاکٹر عثمان لندن سے آ رہے ہیں، چونکہ یہ نازک آپریشن ہے، اس لئے ہم پہلے ہی ان کا مشورہ ضرور لینا چاہتے ہیں اور یہ آپریشن بھی وہی کریں گے۔ لیکن اب آپ نے کہا کہ تشخیص ہی دوبارہ ہونی چاہئے تو وہ آ جائیں، تب تک دوسرے ماہر ڈاکٹر سے بھی کنسلٹ کر لیتے ہیں۔'' ڈاکٹر نے بتایا تو وہ خود کلامی کے سے انداز میں بولی

''ہاں، یہ تشخیص ہو جانی چاہئے کیونکہ مجھے یقین ہے آپریشن کی نوبت ہی نہیں آئے گی۔''

''چلیں وہ تو سب ٹھیک ہے، ہم اور ڈاکٹر عثمان مل کر دیکھ لیں گے لیکن آپ ایک بات بتائیں۔'' ڈاکٹر نے دلچسپی سے پوچھا تو آیت نے سنجیدگی سے کہا

''جی ڈاکٹر پوچھیں۔''

''آپ کے اس یقین کی وجہ کیا ہے؟'' اس نے پوچھا

''میں جانتی ہوں لیکن...... میں یہ بات بالکل اسی طرح آپ کو نہیں سمجھا پاؤں گی، جس طرح میں آپ کی بات میڈیکل ٹرمز میں

نہیں سمجھ سکتی ہوں۔ یوں ہم ایک دوسرے کی بات نہیں سمجھ پائیں گے۔‘‘اس نے انتہائی سنجیدگی سے کہا

’’عجیب بات ہے، کچھ نہ کچھ تو بنیاد ہو گی؟‘‘ڈاکٹر نے دلچسپی لیتے ہوئے پوچھا تو آیت چند لمحے خاموش رہی، جسے تذبذب میں ہو کہ بتائے یا نہیں بتائے، پھر دھیمے لہجے میں سنجیدگی سے کہا

’’عشق،اور مقامِ عشق۔‘‘

’’او کے۔‘‘ڈاکٹر نے یوں کہا جیسے اسے جواب پسند نہ آیا ہو۔ پھر فوراً ہی بولا’’ڈونٹ وری مس، ہم کرتے ہیں،کل شام تک مکمل رپورٹ مل جائے گی، آپریشن یا پھر جو بھی صورت حال ہو گی۔‘‘ڈاکٹر نے ہلکی سی مسکان کے ساتھ کہا

’’ٹھیک ہے،شکریہ ڈاکٹر۔‘‘آیت نے کہا اور وہاں سے نکل کر سیدھے کاؤنٹر پر جا کر سرمد کے حوالے سے رقم جمع کروا کے رسید لے لی۔

وہ پلٹ کر رابعہ کے کمرے میں آ گئی۔ سرمد ویسے ہی آنکھیں بند کئے لیٹا ہوا تھا۔آیت النساء نے رابعہ کی طرف دیکھا اور رسید اس کی طرف بڑھا کر بولی

’’یہ لو رسید، میں نے کچھ پیسے جمع کروا دیئے ہیں۔‘‘یہ کہہ کر اس نے دوبارہ تشخیص کے بارے میں بتا دیا۔ یہ سنتے ہی رابعہ کے چہرے پر زندگی دوڑ گئی۔اس نے لبوں پر مسکراہٹ اور آنکھوں میں آنسو لئے ،کانپتے ہوئے ہاتھوں کے ساتھ رسید پکڑ لی۔

’’تمہارا بہت شکریہ، میں......‘‘اس نے کہنا چاہا تو آیت کسی انجان جذبے کے تحت بڑے جذب سے بولی

’’خدا کے لئے رابعہ، ایسا مت کہو، یہ میرا فرض ہے اور اس بارے مجھے کسی فارمیلٹی کی ضرورت نہیں،تمہاری بھی نہیں۔‘‘

اس کے یوں کہنے پر رابعہ خاموش رہی۔ پھر دھیمے سے لہجے میں بولی

’’ٹھیک ہے۔‘‘

’’اگر تم چاہو تو کچھ دیر کے لئے گھر جا کر واپس آ سکتی ہو؟‘‘ آیت النساء نے اسے کہا

’’نہیں، میں نے کہاں جانا ہے۔‘‘رابعہ نے تیزی سے انتہائی زہریلے لہجے میں انکار کر دیا۔

’’او کے۔!تو پھر تم ایسا کرو، کچھ دیر آرام کر لو، پھر ساری رات تمہیں جاگنا ہو گا۔‘‘

’’ٹھیک ہے میں سو جاتی ہوں۔‘‘رابعہ نے مطمئن لہجے میں کہا اور کمرے میں پڑے دوسرے بیڈ پر لیٹ گئی۔

آیت النساء، سرمد کے سرہانے پڑی کرسی پر بیٹھ گئی۔اس نے سرمد کے چہرے پر دیکھا اور پھر اس کی نگاہیں وہیں جم گئیں۔ بالکل وقار حسین کے جیسا چہرہ تھا۔ اپنے باپ پر گیا تھا سرمد۔ وہی آنکھیں، ویسا ہی تیکھا ناک، وہی لب، چہرہ اور بال، سب اسی کے جیسا تھا۔ بچپن میں وقار حسین بھی ایسا ہی لگتا ہو گا؟ یہی سوچ کر اس کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکان پھیل گئی۔اسے لگا جیسے وقار حسین کی مہک اس کے

چاروں طرف پھیل گئی ہے۔اس نے وقار حسین کی موجودگی کو محسوس کرنے کے لئے آنکھیں بند کرلیں۔اسے لگا وہ اس کے آس پاس کہیں بول رہا ہے۔اسے محسوس کررہا ہے۔وہ خود میں سمٹ رہی تھی۔وہ ایک نئی دنیا میں تھی۔شاید یہ لحات کچھ طویل ہوتے۔دروازے پر دستک ہوئی اور اس کے ساتھ ہی نرس اندر آگئی۔وہ اندر آکر ایک کارڈ اس کی جانب بڑھاتے ہوئے بولی

''مس، یہ سرمد کا بلڈ گروپ کارڈ ہے، کل آپریشن کے وقت بلڈ کی بھی ضرورت ہوگی۔آپ پلیز اس کا بندوبست کرلیں۔''

''اوکے، ہوجائے گا۔'' آیت نے کارڈ پکڑلیا۔نرس سرمد کو دیکھنے لگی۔آہٹ سے رابعہ کی بھی آنکھ کھل گئی تھی۔نرس کے جانے کے بعد اس نے کہا

''اب یہ خون کا بندوبست......''

''ہوجائے گا، تم پریشان نہ ہو۔مجھے صرف یہ بتاؤ، کیا رات کے وقت تمہارا بھائی آجائے گا؟'' آیت نے پوچھا تو اس نے بے چارگی سے کہا

''ہاں، کہہ تو رہا تھا کہ آجائے گا۔''

''اوکے! پھر ٹھیک ہے۔اگر نہ آئے تو مجھے فون کرکے بتادینا، ورنہ میں کل صبح ہی آسکوں گی۔مجھے خون کا انتظام بھی کرنا ہے۔'' آیت نے کہا اور اٹھ گئی۔اس نے اپنے بیگ میں ہاتھ ڈالا، تھوڑے سے نوٹ تھے۔اس نے دو چار نوٹ رکھ کر باقی سب اس نے رابعہ کی طرف بڑھادیئے۔

''میں نے کیا کرنے ہیں، تم خرچ کررہی ہونا۔'' رابعہ نے ہچکچاتے ہوئے کہا

''اسے رکھو، ضرورت پڑسکتی۔یہ بھی تھوڑے ہیں، ابھی تو صرف ابتدائی رقم دی ہے، پیسوں کی ضرورت تو اب شروع ہوئی ہے۔لیکن تم اس کی فکر نہ کرنا، سب ٹھیک ہوجائے گا۔'' آیت نے پوری سنجیدگی سے کہا پھر مڑ کے بغیر تیزی سے باہر نکلتی چلی گئی۔

وہ فرید گیٹ پر یونیورسٹی کے بس سٹاپ پر پہنچی تو بس جانے کو تیار تھی۔وہ اس میں بیٹھ گئی۔سورج ڈھل چکا تھا، جب وہ گرلز ہاسٹل کے گیٹ کے سامنے اُتری۔وہ تیزی سے چلتی ہوئی دوسری منزل کے اس کمرے تک جا پہنچی جہاں وہ کل دوپہر سے آکر ٹھہری ہوئی تھی۔دروازہ کھول کر جیسے ہی وہ کمرے میں داخل ہوئی سامنے امبرین کو دیکھ کر اس کے چہرے پر مسکراہٹ آگئی۔دونوں گلے ملیں تو آیت نے پوچھا

''کب پہنچیں؟''

''ابھی کچھ دیر پہلے۔'' امبرین نے ایک طرف بیڈ پر بیٹھتے ہوئے کہا

''پیسے لائی ہو؟'' اس نے دوسرے بیڈ پر بیٹھتے ہوئے تیزی سے پوچھا تو امبرین نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے جواب دیا

''نہیں، مجھے انہوں نے دیئے ہی نہیں۔''

”مطلب؟“ آیت نے نہ سمجھنے والے انداز میں یوں پوچھا، جیسے اسے بہت دُکھ ہوا ہو۔

”میں گئی تھی تمہارے دادا جی کے آفس میں۔ وہ تو تمہیں پتہ ہے کہ لاہور میں نہیں ہیں۔ مینیجر سے جا کر میں نے بات کی تو اس نے سوری کہہ دیا کہ آج تو نہیں دے سکتے۔ اکاؤنٹ نمبر دے دو، اس میں کل ٹرانسفر ہو جائیں گے۔ میں پھر آ گئی۔“ امبرین نے تفصیل بتا دی۔

”مجھے معلوم ہے، کل بھی پیسے نہیں آئیں گے۔“ آیت نے یوں کہا جیسے وہ امبرین کو بتانے کی بجائے خود کو سنا رہی ہو۔

”دیکھو! اگر تمہیں یہاں پیسوں کی ضرورت ہے تو میں تمہیں دے دیتی ہوں۔ میں گھر سے لائی ہوں“ امبرین نے تیزی سے کہا

”تو پھر تم کیا کرو گی۔ اور وہ تمہارا خرچ تو اتنا سا ہے کہ اس میں کچھ نہیں ہوگا۔“ وہ افسوس زدہ لہجے میں بولی پھر چند لمحے سوچتے رہنے کے بعد بولی، ”خیر تم میرا ایک کام کرو۔ مجھے بلڈ کی ضرورت ہوگی، یہ بلڈ گروپ ہے۔“ اس نے کارڈ بڑھاتے ہوئے کہا تو امبرین نے اس کی طرف حیرت سے دیکھا، پھر اسی حیرانگی میں پوچھا

”آیت! تم لاہور سے اتنی افراتفری میں یہاں کس مقصد کے لئے آئی ہو؟ خون کی کسے ضرورت ہے؟ اور اتنا پیسہ...... یہ سب کیا ہے آیت، میں سمجھی نہیں؟“

یہ سن کر آیت چند لمحے اس کے چہرے پر دیکھتی رہی، پھر ایک طویل سانس یوں لی جیسے خود پر قابو پا رہی ہو۔ امبرین اس کے چہرے پر بدلتے ہوئے رنگ دیکھ رہی تھی۔ کتنے ہی لمحے یوں خاموشی میں گذر گئے۔ تب آیت دھیمے سے لہجے میں بولی

”وقار حسین کا بیٹا سرمد بیمار ہے۔ ڈاکٹر اُسے برین ٹیومر بتا رہے ہیں۔ ڈاکٹرز کا خیال ہے کہ......“

”وقار حسین۔! وہ تو...... اُس کا بیٹا...... تمہیں کیسے پتہ چلا؟...... کیا تمہارا اس کی بیوی سے رابطہ ہوا ہے؟ وہ تو......“ امبرین کی حیرت آخری حدوں کو چھونے لگی تھی۔ وہ ایک دم ہی سے گڑبڑا گئی تھی۔ اسے لگا جیسے آیت اسے کسی دوسری دنیا کی باتیں بتا رہی ہے۔ ایسی انہونی باتیں جن پر یقین ہی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ وہ پھٹی پھٹی نگاہوں سے آیت کو دیکھ رہی تھی۔

”ہاں امبرین۔! میرا وقار حسین کی بیوی رابعہ سے رابطہ ہے۔ کل صبح مجھے پتہ چلا کہ سرمد کو سرکاری ہسپتال میں داخل کروا دیا گیا ہے۔ تب مجھ سے رہا نہیں گیا۔ میں نے فوراً بس پکڑی اور یہاں آ گئی۔ میں سیدھی سرکاری ہسپتال میں گئی۔ رابعہ سے حالات سنے تو مجھے لگا کہ یہاں سرمد کا علاج نہیں ہو سکتا۔ میں نے اسے یہاں کے سب سے مہنگے نجی ہسپتال میں داخل کروا دیا۔“

”تم نے تو میرے ساتھ کل شام رابطہ کیا تھا نا؟ تب تم یہاں تھیں، مطلب یہاں بہاول پور میں ہی؟“ امبرین نے وضاحت چاہی۔

”ہاں۔! میں یہیں تھی۔ میں وہاں رابعہ کے ساتھ ہسپتال میں نہیں ٹھہر سکتی تھی۔ مجھے رات بھی تو گذارنا تھی۔ میرے ذہن میں تھا کہ تم یہاں ہو، اس لئے تم سے رابطہ کیا، لیکن تم لاہور میں تھی۔“ آیت نے یوں کہا جیسے یہ کوئی پرابلم نہ ہو۔

”یہاں کوئی مسئلہ تو نہیں ہوا؟“ امبرین نے ایک طویل سانس لے کر پوچھا

''نہیں، تمہاری روم میٹ بہت اچھی ہے۔ کہاں ہے وہ؟'' آیت نے بتاتے ہوئے پوچھا

''وہ دوسرے کمرے میں چلی گئی ہے۔ خیر تم بتا رہی تھی کہ.....'' وہ کہتے ہوئے رُک گئی

''میں یہاں آتے ہوئے اپنے ساتھ کچھ رقم لے آئی تھی۔ یہاں آ کر احساس ہوا کہ وہ رقم تو بہت تھوڑی ہے اسی لئے تمہیں زحمت دی کہ آتے ہوئے لے آنا۔ میں نے فون کیا تھا۔ مگر تمہیں پتہ ہے منیجر کا.....لیکن مجھے احساس ہو گیا تھا کہ دادو نہیں ہیں نا تو وہ اتنی زیادہ رقم نہیں دے گا، خیر.....'' آیت نے تلخی سے کہا

''اب کیا صورت حال ہے؟'' اس نے پوچھا

''ڈاکٹرز کہہ رہی ہیں کہ کل سرمد کا آپریشن ہوگا۔ اس لئے تم یہ بلڈ.....''

''وہ ہو جائے گا۔ میرا ابھی بلڈ گروپ ہے میں دے دوں گی۔ ایک دو کو مزید تیار کر لیتی ہوں۔ فکر نہ کرو۔ تم فریش ہو جاؤ، پھر کھانا کھاتے ہیں۔'' امبرین نے اسے حوصلہ دیا تو وہ پرسکون ہو گئی۔ پھر فریش ہونے کے لئے اٹھ گئی۔

امبرین لاہور سے یہاں پڑھنے کے لئے آئی ہوئی تھی۔ وہاں اسے داخلہ نہیں ملا، یہاں مل گیا تھا۔ وہ آیت کی کلاس فیلو نورین کی چھوٹی بہن تھی۔ نورین کی شادی ہو گئی تھی اور وہ بیاہ کر برطانیہ چلی گئی تھی۔ نورین ہی اس کی واحد سہیلی تھی، جس سے وہ اپنے سارے راز و نیاز کہتی تھی۔ امبرین بھی چونکہ ان کے بڑے کلوز تھی۔ اس لئے وہ بھی ان کے بارے میں سب جانتی تھی۔ ان دونوں کے گھر والے بھی ان کی دوستی کی وجہ سے ایک دوسرے کو جانتے تھے۔ یوں امبرین نے جب یہ سنا کہ آیت یہاں پر کیوں ہے اور کس وجہ سے ہے، یہ سن کر اسے شاک لگا تھا۔ وہ حیران تھی کہ وہ وقار کے بیٹے کے لئے یہاں ہے۔ ایسا اس نے کیوں کیا؟ یہ سوال اس کے دماغ میں مچلنے لگا، اس سوال کا جواب اسے تبھی ملتا، جب اسے سرمد کی طرف سے سکون ملتا۔ ابھی آیت خود بے سکون تھی۔

❁.....❁.....❁

دن کا پہلا پہر گذر چکا تھا۔ طاہر کینٹین پر تنہا بیٹھا ہوا تھا۔ ساجد اور منیب دونوں ہی ''ڈیرے'' پر نہیں آئے تھے۔ جس سے طاہر کو یقین ہو گیا تھا کہ ان کے پاس کہنے کے لئے کوئی بات نہیں تھی۔ ورنہ وہ ضرور آتے۔ اسے ان دونوں پر بے تحاشا غصہ آ رہا تھا۔ وہ اس دن یونیورسٹی آیا ہی اس لئے تھا کہ ان پر اپنا غصہ نکال سکے۔ لیکن وہ اب بھی اسے کہیں دکھائی نہیں دے رہے تھے۔

وہیں کینٹین پر بیٹھے اس کی ذہنی رُو بھٹکتی رہی۔ ایسے میں سوچ کی لہر آیت کی یاد کو شعور کے ساحل پر بہا کر لے لائی۔ وہ اُس کے بارے میں بھی یونہی بلا ارادہ سوچتا چلا گیا۔ وہ بھی کیا تھی؟ اسے اتنی بڑی بے عزتی سے بچا لیا۔ اگر کوئی بھی لڑکی اسے جھاڑ دیتی تو اب تک منیب اور ساجد اسے نجانے کتنا ذلیل کر چکے ہوتے۔ وہ بات تو نہ جانے کہاں رہ جاتی، جس کا کوئی وجود ہی نہیں تھا۔ اسے لگا، جیسے اس نے کنگن کی قیمت نہیں دی بلکہ اگر وہ اس سے کہیں زیادہ دولت مانگ لیتی تو اس عزت افزائی کے عوض دے دیتا۔ یہ رقم اسے انتہائی معمولی لگی

تھی۔ اسے یہ پوری طرح احساس تھا کہ وہ اس وقت انتہائی جذباتی ہو کر سوچ رہا ہے لیکن جس وقت وہ اپنے باپ کی جاہ وحشمت کو سوچتا، تب مزید یہ احساس ابھرتا، اگر پورے علاقے میں یہ بات پھیل جاتی۔ سردار سکندر حیات باجوہ کا بیٹا کسی لڑکی کو چھیڑتے ہوئے بے عزت ہو گیا، وہ کانپ کر رہ جاتا۔ وہ اسی کشمکش بھری گہری سوچ میں تھا کہ ایک بھرا بھرا کانچ کے جیسی انگلیوں والا ہاتھ اس کی آنکھوں کے سامنے لہرایا۔ وہ ہڑبڑا گیا۔ اس نے دیکھا، سامنے آیت کھڑی مسکرا رہی تھی۔

''آپ روزانہ اتنے بجے ہی یہاں آ کر بیٹھ جاتے ہیں؟ پڑھتے وڑھتے نہیں، کلاس نہیں لیتے؟'' اس نے خوش دلی سے پوچھا تو طاہر مسکراتے ہوئے بولا

''پلیز، بیٹھیں۔'' وہ اس کے سامنے والی کرسی پر بیٹھ گئی تو وہ بولا ''اتنے سوالوں کے جواب تو اطمینان سے بیٹھ کر ہی دیئے جا سکتے ہیں نا۔''

''کیا ہیں جواب؟'' اس نے مسکاتے ہوئے اس کے چہرے پر دیکھ کر پوچھا

''میں روزانہ اتنے ہی بجے یہاں نہیں آتا، پڑھنے میں دل نہیں لگتا، جو پڑھنا تھا، سو پڑھ لیا۔ کلاس اب نہیں ہوتی، تھیسس چل رہا ہے، جو میں نے پیسے دے کر کسی سے لکھوالیا ہے، اس لئے اب سکون ہے۔'' اس نے یوں کہا جیسے کوئی بڑا کارنامہ کر لیا ہو۔ آیت نے اس کی بات پر کوئی تبصرہ نہیں کیا، ایک دو لمحے سوچ کر بولی

''آج ناشتہ نہیں کرواؤ گے؟''

''کیا پسند کریں گی آپ؟'' اس نے پوچھا

''وہی، جو یہاں کا بیسٹ ہے؟'' اس نے بھنویں اُچکاتے ہوئے عام سے لہجے میں کہا

''او کے۔'' طاہر نے سرہلاتے ہوئے یوں کہا جیسے وہ ایسی ہی کوئی توقع کر رہا ہو۔ وہ اٹھا اور آرڈر دینے خود کاؤنٹر تک چلا گیا۔

دونوں ناشتہ کر چکے تو آیت نے چائے کا خالی کپ میز پر رکھتے ہوئے کہا

''طاہر۔! اگر میں یہ کہوں کہ کل کی طرح آج بھی مجھے کسی جیولر کے پاس لے چلو تو کیا تم مجھے لے جاؤ گے، میں تمہاری بہت ممنون ہوں گی، لیکن اس پہلے والے جیولر کے پاس نہیں، کسی دوسرے کے پاس جانا ہو گا۔''

''کیا بیچنا ہے؟'' اس نے آیت کے چہرے پر دیکھتے ہوئے پوچھا تو آیت نے اپنا بھرا بھرا کانچ کی انگلیوں کے جیسا دایاں ہاتھ اس کے سامنے کرتے ہوئے کہا

''یہ انگوٹھی بیچنی ہے۔ ہیرے کی ہے، ذرا مہنگی ہے۔ اس لئے کسی بڑے جیولر......''

''کتنے کی ہو گی؟'' طاہر نے پوچھا تو آیت اس کی طرف چند لمحوں تک دیکھتی رہی پھر دھیمے سے لہجے میں بولی

''یہ تو جیولر ہی بتا پائے گا نا۔''

''اندازہ؟''اس نے اصرار کرتے ہوئے کہا

''مجھے نہیں پتہ۔''اس نے حتمی لہجے میں کہا

''او کے، چلیں پھر۔'' طاہر نے کہا تو آیت کاندھے اُچکاتے ہوئے اس کے ساتھ چل دی۔ وہ دونوں چلتے ہوئے پارک تک گئے اور کار میں بیٹھ کر چل دیئے۔

اس بار وہ ایک نئے اور بڑے جیولر کے پاس گئے تھے۔ کاونٹر کے پار بیٹھے جواں سال جیولر نے انگوٹھی دیکھ کر آیت کی طرف دیکھا، پھر کافی دیر تک اسے پرکھتا رہا۔ شاید اسے سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ کچھ دیر بعد اس نے معذرت خواہانہ انداز میں کہا

''مجھے اس کی قیمت کا اندازہ نہیں ہو پا رہا ہے، ابھی بڑے حاجی صاحب آ جاتے ہیں تو وہی کوئی فیصلہ کر کے بتا پائیں گے۔ آپ کو تھوڑی دیر انتظار کرنا ہوگا۔''

''ٹھیک ہے ہم انتظار کر لیں گے۔'' آیت نے اطمینان سے کہا۔

تقریباً ایک گھنٹے بعد ایک ادھیڑ عمر شخص دوکان پر آیا تو جیولر نے وہ ہیرا اس کے حوالے کر دیا۔ اس نے کچھ دیر پرکھنے کے بعد جو رقم لگائی، اسے سن کر آیت مسکرا دی۔ طاہر اس کے چہرے پر دیکھ رہا تھا۔ اس نے چند لمحے سوچا، پھر سر ہلاتے ہوئے بولی

''بہت کم قیمت لگائی آپ نے؟''

''میں سمجھتا ہوں کہ یہ ہیرا بہت قیمتی ہے لیکن جس طرح آپ اسے بیچنے آئی ہیں، اور خاص طور پر یہاں اس شہر میں تو اس کی قیمت یہی ہے۔'' جیولر نے کاروباری مسکراہٹ سے بات سمجھائی دوسرے لفظوں میں وہ حاجی صاحب یہی کہہ رہے تھے کہ ہم تمہاری مجبوری سمجھ گئے ہیں۔ لہذا اتنی ہی رقم ملے گی لینی ہے تو لے لو۔

''مطلب جگہ بدلنے سے قیمت بھی کم ہو جاتی ہے۔'' آیت یوں مسکراتے ہوئے بولی کہ اس کی آنکھوں سے بھی مسکراہٹ چھلک پڑی۔

''کیا کہہ سکتا ہوں۔'' جیولر اس کی بات سمجھتے ہوئے ہولے سے بولا

''ٹھیک ہے، دے دیں آپ۔''اس نے کہا تو لہجہ دُکھ سے بھرا ہوا تھا۔

''جی ابھی دیتا ہوں۔'' جیولر نے کہا اور تجوری کی چابیاں نکالنے لگا۔

انہی لمحوں میں طاہر نے یوں ہاتھ بڑھایا جیسے ہیرا مانگ رہا ہو، پھر دھیرے سے بولا۔

''جناب، ذرا ایک منٹ، ہم مشورہ کر لیں۔''

جیولر کے بڑھتے ہوئے ہاتھ رُک گئے۔ پھر سر ہلاتے ہوئے ہیرا واپس کرتے ہوئے کہا

’’جیسے آپ کی مرضی۔‘‘

تبھی طاہر نے آیت کا ہاتھ مضبوطی سے پکڑ لیا۔ طاہر کو لگا جیسے اس نے کسی برف کی سل پر ہاتھ رکھ دیا ہو۔ اس نے ہاتھ چھوڑا نہیں، بلکہ اُسے اٹھا کر باہر لے گیا۔ دوکان سے باہر آ کر اس نے آیت کا ہاتھ چھوڑا، پسنجر سیٹ والا دروازہ کھول کر خود ڈرائیونگ سیٹ کی جانب بڑھ گیا۔ وہ اس کی طرف دیکھتی رہی، پھر خاموشی سے پسنجر سیٹ پر جا بیٹھی۔ اس نے کار سٹارٹ کرنے سے پہلے سڑک پر دیکھتے ہوئے کہا

’’مجھے نہیں معلوم یہ سب تم کیوں کر رہی ہو۔ لیکن یہ ڈیش بورڈ کھولو اور جتنی رقم چاہئے لے لو۔‘‘

’’کیا ہیرا تم رکھو گے۔‘‘ اس نے سامنے دیکھتے ہوئے کہا

’’میں رکھ لوں گا۔ تم رقم لے لو۔‘‘ وہ حتمی لہجے میں بولا، آیت چند لمحے یونہی بیٹھی رہی، پھر اس نے ڈیش بورڈ کھولا، اس میں سے بغیر گنے کافی سارے بڑے نوٹ نکالے اور انہیں احتیاط سے اپنے پرس میں رکھ کر اُترنے لگی، تبھی طاہر نے تیزی سے آفر دی۔

’’میں چھوڑ دیتا ہوں، جہاں جانا ہے۔‘‘

’’نہیں، تم نہیں۔ اور ہاں، میرے پیچھے بھی نہیں آؤ گے۔ کل ملتے ہیں۔‘‘ اس نے کہا اور تیزی سے اُتر کر چل دی۔ طاہر اُسے جاتا ہوا دیکھتا رہا۔ اچانک اسے اپنی مٹھی میں چبھن کا احساس ہوا۔ وہ ہیرے والی انگوٹھی ابھی تک اس کے ہاتھ میں دبی ہوئی تھی۔ اس نے ایک نگاہ اسے دیکھا اور اسے ڈیش بورڈ میں وہیں پھینک دیا، جہاں نوٹ پڑے ہوئے تھے۔ آیت سڑک پار کر کے ایک رکشے میں بیٹھ رہی تھی۔ ایک لمحے کو تجسس نے سر ابھارا کہ اس کے پیچھے جائے۔ لیکن وہ سر جھٹکتے ہوئے رکشے کے مخالف سمت میں جانے کا فیصلہ کر لیا۔

❁ ...... ❁ ...... ❁

اس وقت دوپہر ہو چکی تھی جب آیت ہسپتال پہنچی۔ جیسے ہی وہ برآمدے میں آئی تو اس کی نگاہ امبرین پر پڑی، جس کے ساتھ اس کی دونوں روم میٹ بھی تھیں۔ اس نے قریب جا کر امبرین سے پوچھا

’’ملی ہو سرمد سے، دیکھا اُسے؟‘‘

’’نہیں، ہم ابھی پہنچی ہی ہیں۔ میں نے سوچا تمہارا انتظار کر لوں، رابعہ کون سا مجھے جانتی ہے۔‘‘

’’چلو آؤ، پہلے سرمد کو دیکھ لیں۔‘‘ آیت نے کہا اور بے تابانہ کاریڈور کی جانب چل دی۔ وہ کمرے میں گئیں تو سرمد جاگ رہا تھا۔ وہ یوں اس کی جانب بڑھا، جیسے ان دونوں میں کوئی بہت ہی گہرا تعلق ہے۔ رابعہ اس کے سرہانے بیٹھی ہوئی تھی۔ انہیں دیکھتے ہی اٹھ گئی۔ آیت نے سرمد کو پکڑ کر گود میں بٹھا لیا۔ پھر رابعہ کی طرف دیکھے بنا بولی

''کوئی آیا، مطلب ڈاکٹر یا......'' اس نے بات ادھوری چھوڑ دی تو رابعہ اس کی بات سمجھ کر بولی

''نہیں نرسیں آتی رہی ہیں۔ اور تو کوئی نہیں۔''

''اوکے میں پتہ کرتی ہوں۔'' آیت نے کہا اور سرمد کو واپس بیڈ پر بٹھاتے ہوئے کھڑی ہو گئی۔ ان تینوں کا تیزی سے تعارف کروا کر سب بیٹھنے کا کہا اور خود باہر نکل گئی۔

وہ سیدھی ڈاکٹر کے کمرے میں گئی۔ وہاں ایک ادھیڑ عمر ڈاکٹر کے گرد پانچ ڈاکٹر بیٹھے ہوئے تھے۔ ان میں سے دو خواتین تھیں۔ کل والے ڈاکٹر کی نگاہ اس پر پڑی تو اس نے آیت کو دیکھتے ہی کہا

''آجائیں مس، یہ ہیں ڈاکٹر عثمان، اور ہم سب آپ ہی کے مریض بارے بات کر رہے ہیں۔''

وہ ان کے پاس ایک کرسی پر بیٹھ گئی تو اسی ادھیڑ عمر ڈاکٹر عثمان نے خوشگوار لہجے میں کہا

''دیکھیں۔! یہاں کے ڈاکٹر نے مجھ سے مشورہ کیا تھا۔ لیکن میں چونکہ یہاں نہیں تھا، اس لئے کوئی حتمی رائے نہیں دے پایا۔ میں صبح آ گیا تھا، تب سے میں اور میرے یہ ساتھی اسے دوبارہ سے دیکھ رہے ہیں۔ ممکن ہے آپریشن کی نوبت نہ آئے۔ لیکن پہلے ہم پورا اطمینان کر لیں۔''

''آپ بہتر سمجھتے ہیں، ویسے میں نے ایک بڑی رقم کاؤنٹر پر جمع کروا دی ہے۔'' آیت نے کسی جذبے کے بغیر کل والے ڈاکٹر کی طرف دیکھتے ہوئے سکون سے کہا

''آپ فکر نہ کریں۔ میں ابھی اس کے ٹیسٹ دوبارہ لیتا ہوں، رپورٹس آنے پر ہی فیصلہ کرتے ہیں۔'' ڈاکٹر عثمان نے حوصلہ افزا انداز میں کہا تو وہ سمجھ گئی کہ ابھی کسی بھی قسم کا فیصلہ کرنے میں مزید ایک دن لگ جائے گا۔ سو وہ سر ہلاتے ہوئے اُٹھ گئی۔

وہ دوبارہ سرمد کے کمرے میں آ گئی۔ اس نے سب کو بتا دیا کہ اب ڈاکٹر کیا کہتا ہے۔

''تم سو جاؤ رابعہ، میں ہوں اب یہاں۔'' آیت نے تھکی تھکی رابعہ کی طرف دیکھ کر کہا، پھر امبرین کی جانب دیکھ کر بولی، ''ابھی فوری طور پر تو خون کی ضرورت نہیں ہوگی۔ اگر تم جانا چاہو تو......'' اس نے جان بوجھ کر بات ادھوری چھوڑ دی۔

''شام تک ہیں ہم یہاں، اتنی دیر میں ہم بلڈ ٹیسٹ بھی لے لیتی ہیں، پھر جب ضرورت پڑی تو فوری طور پر دے دیں گے۔'' امبرین نے کہا

دیکھیں کیا ہوتا ہے۔'' اس نے ایک طویل سانس لے کر کہا تو امبرین نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔

وہ سبھی شام تک وہیں رہیں۔ سرمد کے مختلف ٹیسٹ ہوتے رہے۔ وہ کبھی سرمد کو لے کر جاتی رہیں اور کبھی لاتی رہیں۔ ڈاکٹر نے فائنل رپورٹ کے بارے کل تک انتظار کرنے کو کہا۔ تب وہ سبھی پلٹ کر ہاسٹل چل پڑیں۔ ان کے ساتھ آیت بھی تیار ہو گئی۔ وہ جیسے ہیں

باہر نکلیں، آیت نے نوٹوں کی ایک گڈی رابعہ کو دیتے ہوئے کہا

''یہیں کہیں رکھ لو۔اس کی ضرورت پڑ سکتی ہے۔''

''جی ٹھیک ہے۔'' رابعہ نے وہ نوٹ پکڑے اور سنبھال لئے تو یہ بھی سرمد کو پیار کر کے باہر نکل گئی۔

اگلی صبح آیت اطمینان سے تیار ہوئی۔ امبرین اور اس کی روم میٹس بھی اس کے ساتھ جانے کو تیار ہونے لگیں تو آیت نے انہیں روک دیا۔

''میں جاتی ہوں وہاں، اگر تم لوگوں کی ضرورت ہوئی تو میں کال کر دوں گی۔ یا جو بھی صورت حال ہوئی بتا دوں گی۔''

''اوکے، ہم یہیں ہیں۔ فوراً پہنچ جائیں گے، تم ناشتہ تو کر لو، یہ دیکھو آ گیا ہے۔'' امبرین نے کہا تو وہ چند لمحے خاموش رہی جیسے کہیں کھو گئی ہو، پھر سر ہلا دیا۔

وہ جس وقت ہاسٹل سے نکلی تو دن کا پہلا پہر گذر چکا تھا۔ اس کا رُخ بس سٹاپ کی طرف تھا۔ وہ وہاں جا کر رُکی ہی تھی کہ فطری طور پر اس کی نگاہیں کینٹین کی جانب اٹھ گئیں۔ اسے یہ دیکھ کر بہت اچھا لگا کہ طاہر ایک میز کے گرد کرسی پر اکیلا بیٹھا ہوا ہے۔ اس کا دل گواہی دے رہا تھا کہ طاہر اسے کینٹین ملے گا اور وہ وہیں پر بیٹھا تھا۔ وہ یہ فیصلہ پہلے ہی کر چکی تھی کہ اگر وہ اسے وہاں بیٹھا ہوا ملا تو وہ ضرور اسے ملے گی۔ وہ بس پر سوار ہونے کی بجائے، اس کی طرف چل دی۔ وہ تھوڑی دیر بعد اس کے سامنے والی کرسی پر بیٹھتے ہوئے خوشگوار لہجے میں بولی۔

''آج تو مجھے یقین ہو گیا کہ آپ یہیں بیٹھنے کو آتے ہیں یونیورسٹی، کلاسز نہیں لیتے۔''

''اور مجھے پورا یقین تھا کہ آج آپ پھر مجھے یہیں ملیں گی۔'' اس نے پھیکی سے مسکراہٹ کے ساتھ کہا

''ایسا یقین کیوں تھا؟'' اس نے حیرت ملے لہجے میں پوچھا تو وہ طنزیہ انداز میں بولا

''یہ چھوڑیں، آپ مجھے یہ بتائیں کہ آج کیا بیچنا ہے؟''

یہ سن کر آیت کے چہرے پر موجود چمکتی ہوئی ساری خوشگواریت اچانک مدہم پڑ گئی۔ اس کی آنکھوں میں حیرانگی اتر آئی، جیسے اسے یقین نہ ہو کہ طاہر بھی ایسی بات کر سکتا ہے۔

''میں سمجھی نہیں؟'' آیت نے مدہم لہجے میں تذبذب میں پوچھا، جیسے طاہر کو وقت دے رہی ہو کہ وہ بات بدل لے۔

''اس میں نہ سمجھنے والی کوئی بات نہیں، ابھی ہم چائے پئیں گے، پھر آپ مجھے کسی جیولر کے پاس لے جائیں گی اور کوئی نہ کوئی شے بیچیں گی۔ آپ ایسا کریں، جو چیز آج بیچنی ہے، اسے اپنے پاس ہی رکھیں اور ڈیش بورڈ سے رقم لے لیں، لیکن صرف اتنا بتا دیں۔''

''کیا بتا دوں؟'' اس نے کچھ کچھ سمجھتے ہوئے پوچھا

''اتنی رقم کا کیا کرتی ہیں آپ؟'' طاہر نے یوں پوچھا، جیسے اس کے لہجے میں غصہ، حیرت اور ناراضگی کی ملی جلی کیفیت ہو۔ آیت

النساء چند لمحے اس کے چہرے پر دیکھتی رہی، پھر بڑے گھمبیر لہجے میں بولی

''یہ جو میرے کانوں میں بُندے دیکھ رہے ہو نا، یہ سچے موتیوں کے ہیں، یہ بیچنے ہیں، کیا تم خریدو گے؟ یا پھر جیولر کے پاس لے چلو گے؟''

''یہ میرے سوال کا جواب نہیں لیکن پھر بھی یہ تم مجھ پر طنز کر رہی ہو؟ یا میرا مذاق اڑانے کی کوشش کر رہی ہو؟'' وہ کرسی کی ٹیک چھوڑتے ہوئے اکھڑ لہجے میں بولا

''ایسا بالکل نہیں ہے، میں تمہاری بات کا جواب دے رہی ہوں۔'' آیت نے انتہائی نرم لہجے میں کہا

''دیکھو، تم نہیں جانتی ہو، تم نے مجھے کتنی بڑی بے عزتی سے بچالیا۔ وہ میرا احمق پن تھا، بے وقوفی تھی میری۔ اتنی رقم تو اس کے مقابلے میں......'' اس نے کہنا چاہا لیکن آیت نے اس کی بات کاٹتے ہوئے پوچھا

''اس کا مطلب ہے کہ تم یہ رقم دے کر اپنے احسان کا بدلہ اُتار رہے ہو؟''

''میں نہیں جانتا، میں تمہارے کام آ کر خوشی محسوس کرتا ہوں، لیکن پتہ نہیں یہ رقم تم کہاں خرچ کر رہی ہو، اتنا زیور بیچنے کے بعد تم ......'' اس نے کہنا چاہا تو آیت نے پھر اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا

''تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ یہ رقم دے کر تم نے مجھ پر کوئی احسان نہیں کیا، وہ میں نے بیچنے تھے، بیچ دیئے۔''

''میں ایک ایسے خاندان......'' اس نے کچھ کہنے کے لئے لب کھولے ہی تھے کہ آیت نے ہاتھ کے اشارے سے اسے روکتے ہوئے کہا

''تم ایک اچھے خاندان سے ہو گے تبھی میری مدد کی، اتنی رقم خرچ کر دی۔ مجھے تمہارے خاندان کے بارے میں نہیں جاننا، تم بتاؤ، بُندے اگر لینے ہیں تو لے لو، میں نے تو جیولر کے ہاں جا کر بیچ دینے ہیں۔''

''کتنے کے ہیں؟'' وہ ایک دم غصے میں بولا

''جتنے تم دے سکو۔'' اس نے دکھ بھری مسکراہٹ کے ساتھ کہا تو وہ چند منٹ سوچتا رہا، پھر بولا

''میرے ساتھ کار تک آؤ، جو ڈیش بورڈ میں پڑے ہیں وہ سب لے لو، منظور ہے؟''

''منظور ہے۔'' اس نے مسکراتے ہوئے کہا

''ممکن ہے یہ رسک ہو؟'' وہ سنجیدگی سے بولا

''کوئی بات نہیں۔'' اس نے مسکراتے ہوئے کہا تو طاہر اُٹھ گیا۔ آیت بھی اس کے ساتھ ہی اٹھ گئی۔ وہ دونوں چلتے ہوئے پارکنگ کی جانب بڑھ گئے۔ ان کے درمیان خاموش رہی۔ طاہر نے پسنجر سیٹ والا دروازہ کھولا اور اسے بیٹھنے کا اشارہ کر کے خود ڈرائیونگ

سیٹ کی جانب بڑھ گیا۔ آیت نے اپنے کانوں سے بندے اُتارے، ڈیش بورڈ کھولا اور انہیں اس میں رکھ دیئے۔ وہاں نوٹوں کی چند گڈیاں پڑی ہوئیں تھیں۔ آیت نے ایک نگاہ ان پر ڈالی اور ایک گڈی اٹھا کر پیچھے ہٹ کر کھڑی ہوگئی۔

''تم بیٹھ کیوں نہیں رہی؟'' طاہر نے حیرت سے پوچھا

''بس طاہر، ہمارا ساتھ شاید اتنا ہی تھا۔ مجھے جہاں جانا ہے، میں چلی جاؤں گی'' یہ کہہ کر اس نے آرام سے دروازہ بند کر دیا اور پلٹ گئی۔

اس نے ایک بار بھی پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا۔ وہ چلتے ہوئے بس سٹاپ تک جا پہنچی۔ وہاں دوسری بہت ساری لڑکیاں تھیں۔ جو بس ہی کے انتظار میں تھیں۔ آیت نے اس طرف نگاہ بھی نہ کی جس طرف طاہر تھا۔ چند منٹ بعد بس آگئی۔ وہ دوسری لڑکیوں کے ساتھ بس میں سوار ہوگئی۔

وہ جیسے ہی ہسپتال پہنچ کر سرمد کے کمرے میں گئی۔ رابعہ نے اسے دیکھتے ہی کہا

''ڈاکٹر صاحب کا دو دفعہ پیغام آچکا ہے، وہ بلا رہے ہیں، تمہیں پتہ ہے میں تو......'' یہ کہتے ہوئے وہ خاموش ہوگئی۔

''فکر نہیں کرو، میں مل لیتی ہوں۔'' آیت نے اسے تسلی دیتے ہوئے سرمد کے ماتھے پر ہاتھ پھیرتے ہوئے اس کے سیاہ بال ذرا سے پیچھے کر دیئے۔ سرمد اس کی طرف دیکھ کر دھیمے سے مسکرا دیا۔ وہ بیٹھے بنا باہر کی جانب چل دی۔

ڈاکٹر عثمان اپنے آفس میں اکیلے بیٹھے کوئی رپورٹ پڑھ رہے تھے۔ آیت پر نگاہ پڑتے ہی رپورٹ فائل چھوڑ کر مسکراتے ہوئے بولے۔

''آئیں، تشریف رکھیں۔ میں یہ سرمد ہی کی رپورٹ دیکھ رہا تھا۔''

''تو پھر کیا فیصلہ کیا آپ ڈاکٹرز نے؟'' آیت نے دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ پوچھا

''میرا خیال ہے۔ ابھی ہم اس کا آپریشن نہیں کرتے، ہم تھوڑا سا عرصہ میڈیسن دے کر دیکھتے ہیں۔ مجھے پوری امید ہے کہ یہ مسئلہ میڈیسن سے حل ہو جائے گا۔'' ڈاکٹر عثمان نے بہت اعتماد سے کہا

''مطلب، ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائے گا؟'' آیت نے پوچھا

''ہونا تو چاہئے ہمیشہ کے لئے۔ دیکھیں یہ آپریشن آخری حل ہے۔ جدید ٹیکنالوجی سے بہت ساری سہولت آگئی ہے۔ سرمد کی پوری طرح کیئر کریں۔ ٹھیک ہو جائے گا۔'' ڈاکٹر عثمان نے حتمی انداز میں کہا

''تو کیا یہ یہاں ایڈمٹ......؟'' اس نے پوچھا

''نہیں، نہیں آپ اسے گھر لے جا سکتے ہیں۔ ابھی سب کلیئر ہو جاتا ہے۔ آپ آج ہی سرمد کو گھر لے جا سکیں گے۔'' ڈاکٹر نے مسکراتے ہوئے کہا تو وہ اٹھتے ہوئے بولی

''تھینک یو ڈاکٹر۔''

وہ انتہائی تیزی سے سرمد کے کمرے میں جا پہنچی۔ اس نے جاتے ہی اس کا ماتھا چوما اور رابعہ کو سب بتانے لگی۔ وہ سب سنتے ہوئے یوں ہوگئی جیسے اسے نئی زندگی مل گئی ہو۔

''اللہ کا بہت احسان ہے۔ میں کیسے اس کا شکرادا کروں۔'' رابعہ نے ہاتھ جوڑتے ہوئے بھرائی ہوئی آواز میں کہا

''اب میری بات غور سے سنو۔ انہیں یہاں سے جتنی بھی رقم ملے، وہ اور......'' یہ کہتے ہوئے اس نے نوٹوں کی گڈی نکال کر اس کے سامنے رکھتے ہوئے کہا،'' اور یہ، ان سب پیسوں کو تم نے اپنے گھر والوں سے چھپا کر رکھنا ہے۔ کسی کو ہوا تک نہیں لگنے دینی۔ یہ صرف اور صرف سرمد کے لئے ہیں۔ میڈیسن اور اچھی خوراک تمہاری ذمہ داری ہے۔''

''میں تمہارا احسان کیسے دے پاؤں گی۔'' اس نے روہانسی ہوتے ہوئے کہا تو آیت چند لمحے رابعہ کے چہرے پر دیکھتی رہی پھر بڑے گھمبیر لہجے میں کہا

''صرف اور صرف سرمد کی خدمت کر کے۔'' یہ کہہ کر وہ لمحہ بھر کو خاموش ہوئی، پھر خود کو سنبھالتے ہوئے نرم لہجے میں بولی،'' اور سنو۔! ابھی یہ رقم کچھ بھی نہیں ہے، میں واپس جا کر تم سے رابطہ کروں گی، پھر سب ٹھیک ہو جائے گا۔''

''جیسے آپ کہو۔'' رابعہ اپنے آنسو صاف کرتے ہوئے بولی تو آیت نے اس کے گالوں سے آنسو صاف کرتے ہوئے کہا

''اب رونا نہیں، اس کا اثر سرمد پر پڑے گا۔''

''نہیں روتی۔'' رابعہ نے اپنے آنسو صاف کیے تو وہ بولی

''اب میں واپس لاہور جا رہی ہوں، شام تک پہنچ ہی جاؤں گی۔ تم فکر نہ کرنا۔'' یہ کہہ کر اس نے اپنا سیل فون نکالا، اور نمبر پش کر کے امبرین کو ساری صورت حال سے آگاہ کر دیا۔ اس دوران وہ سرمد کے پاس بیٹھی اسے پیار سے سہلاتی رہی۔ وہ کافی دیر یونہی بیٹھی رہی۔ پھر کمرے سے نکلتی چلی گئی۔ اسے لاہور جانا تھا۔

❁......❁......❁

اس وقت طاہر ''ڈیرے'' پر ہی تھا۔ باہر شام اُتری ہوئی تھی۔ وہ اپنے بیڈ روم میں یوں افسردہ پڑا تھا جیسے کوئی بہت قیمتی شے کھو گئی ہو۔ اس کے ذہن میں آیت النساء ہی تھی۔ وہ اسی کے بارے میں سوچتا رہا تھا۔ شاید اس کی طنزیہ باتوں ہی کے جواب میں اس نے اپنے بُندے اسے دے دیئے یا پھر واقعتاً اس نے بیچنے تھے؟ وہ کیا تھی؟ اس کی سمجھ اُسے بالکل نہیں آ رہی تھی، لیکن یہ طے تھا کہ وہ دیکھنے میں منفرد تھی۔ سب سے الگ اس کا رویہ بھی تھا۔ شاید اُس نے ایسی باتیں کر کے آیت کا دل دکھا دیا تھا۔ بلاشبہ آیت کے ردعمل نے کوئی خوشگوار تاثر نہیں دیا تھا۔ شاید وہ لاشعوری طور پر آیت کو ذہنی اذیت دینے کی وجہ سے اب خود پریشان تھا۔ اب آیت کا وہ پہلے والا رویہ تو نہیں رہے گا۔

جو اسے محسن مان رہا تھا۔ اب وہ احسان کہاں گیا تھا؟ کیا کسی کے احسان کا بدلہ یوں چکاتے ہیں؟ اپنے محسن کو دکھ دے کر، تکلیف دے کر؟ وہ جہاں چاہے رقم خرچ کرے، وہ کون ہوتا ہے پوچھنے والا؟ کیا آیت کے معاملے میں بھی اس کے دماغ میں جاگیردارانہ خمار تھا؟ سوالوں کا ایک سلسلہ تھا جو دراز ہوتا چلا جا رہا تھا، سوچیں تھیں کہ پھیلتی چلی جا رہی تھیں۔ وہ انہی سوچوں میں اُلجھا ہوا تھا کہ اس کے ملازم نے ہلکی سی دستک دے کر باہر ہی سے کہا

''وہ جی ساجد اور منیب آئے ہیں، لاؤنج میں بیٹھے ہیں۔''

''اچھا۔!''اس نے حیران ہوتے ہوئے کہا پھر لمحہ بھر سوچ کر بولا ''چلو، میں آرہا ہوں۔''

اگرچہ ان کا نام سنتے ہی اسے غصہ آ گیا تھا لیکن اس نے خود پر قابو رکھا۔ وہ انہیں جتانا چاہتا تھا کہ وہ غلط تھے۔ وہ اٹھا اور لاؤنج میں چلا گیا۔ وہ دونوں ایک ہی صوفے پر بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ سامنے کے صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولا

''کیوں آئے ہو؟''

''ہمیں پتہ ہے، تم ہم سے ناراض ہو۔ تمہارا ناراض ہونا بنتا بھی ہے۔ ہمیں چاہئے تھا، اصل بات اسی وقت بتا دیتے لیکن صورت حال ہی کچھ ایسی بن گئی کہ......'' منیب نے کہنا چاہا مگر طاہر نے اس کی بات کاٹتے ہوئے اکتاہٹ سے کہا

''کوئی نیا پلان بنا کر آئے ہو، مجھے ذلیل کرنے کے لئے، تم لوگ دوست نہیں دشمن ہو۔''

''ٹھیک ہے، چاہے آئندہ تم کوئی تعلق بھی نہ رکھو ہم سے، لیکن ایک بار ہماری بات سن لو، اس کے بعد جو کہو۔'' ساجد نے کافی حد تک پر جوش لہجے میں کہا

''اچھا، پھر ایک ہی سانس میں سب کچھ کہہ دو۔'' اس نے اکتائے ہوئے انداز میں کہا

''مجھے کسی لڑکی نے کہا تھا، تمہاری پسند پوچھنے کے لئے، مجھ سے غلطی یہ ہوئی، سیدھی بات نہیں بتائی، ایسا اس لئے پوچھ لیا کہ اگر تمہاری پسند وہ ہوئی تو پھر تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں۔'' ساجد نے شرمندہ سے لہجے میں بتایا

''سیدھی بات تم اب بھی نہیں کر رہے ہو، کون لڑکی ہے، تمہاری بہن ہے یا کوئی کزن؟'' طاہر نے انتہائی غصے میں پوچھا تو ایک بار ساجد کا چہرہ سرخ ہو گیا پھر سر جھٹکتے ہوئے غصے میں بولا

''وہی جس سے تمہاری آج کل بڑی انڈرسٹینڈنگ ہے، جسے تم لے کر ریستورانوں میں جاتے ہو، جویریہ انعام الحق......''

''اُس نے یہ کہا؟'' طاہر نے شدتِ حیرت سے پوچھا

''جی۔! تاکہ وہ پورے اعتماد سے اپنے والدین کے ساتھ بات کر سکے، وہ تمہارے ساتھ شادی کرنے میں سیریس ہے۔'' منیب نے غصے میں کہا

''فضول بکواس کر رہے ہو تم دونوں، جویریہ کے دماغ میں کوئی بات ہوتی نا تو وہ مجھ سے خود پوچھ لیتی، اتنی بولڈ ہے وہ۔'' طاہر نے یوں کہا جیسے ان کی بات محض ایک بہانہ ہے۔

''یہ بات تم خود اس سے......'' ساجد نے کہنا چاہا تو وہ بولا

''بچوں جیسی بات مت کرو، اُس دن بھی تم نے ایسا ہی کیا تھا، میں بے وقوف تمہاری بات مان گیا۔ شکر ہے کہ آیت نے میری عزت رکھ ورنہ سوچو، پورے علاقے میں میری......'' وہ پر جوش انداز میں کہہ رہا تھا کہ درمیان ہی میں منیب بولا

''خیر۔! ہم اس کے بارے میں بھی غلط سوچتے رہے، وہ تو بہت خدا ترس لڑکی تھی یار۔''

''کیا مطلب؟'' طاہر نے چونکتے ہوئے پوچھا

''دوسرے دن جب وہ تمہیں اپنے ساتھ لے کر گئی تھی تو ہم بھی تم لوگوں کے پیچھے گئے تھے۔ ہمیں شک تھا کہ وہ تمہیں لوٹ رہی ہے اور وہ کوئی نوسر باز لڑکی ہے۔ کیونکہ ہم نے پہلے کبھی اُسے یہاں نہیں دیکھا تھا۔ ہمارا یہ شک مزید پختہ ہو گیا، جب تم دونوں جیولر کے ہاں جا پہنچے۔ تب ہم نے فیصلہ کیا کہ اس لڑکی کے بارے میں جانیں گے، اور وہ ہم نے جان لیا۔'' منیب نے تفصیل بتائی

''کیا پتہ چلا؟'' وہ اضطراری لہجے میں بولا

''ہم اس کے پیچھے گئے تو وہ ایک ہسپتال میں جا پہنچی۔ وہ سیدھی ایک کمرے میں گئی۔ ہم نے وہاں موجود وارڈ بوائے کو لمبا نوٹ دے کر پوچھا۔ اس نے سب کچھ بتا دیا۔ وہاں ایک بچہ بیمار تھا۔ وہ اپنا یہ زیور اسی کے لئے بیچ رہی تھی۔ وہ جن لڑکیوں کے پاس یہاں رہ رہی تھی، پتہ کرنے پر معلوم ہوا وہ لڑکی لاہور سے یہاں آئی تھی۔ اب اس بچے اور لڑکی کا کیا تعلق ہے، یہ پتہ نہیں چل سکا۔''

''مطلب اس نے وہ سارا زیور اس بچے کے علاج پر خرچ کر دیا تھا۔ وہ بچہ اب کیسا ہے؟ اسی ہسپتال میں ہے؟ آیت کہاں ہے؟ ہمیں ان کی مدد کرنی چاہئے۔'' طاہر بے تابانہ خود کلامی کرتا ہوا اٹھ گیا۔ اسے یہ یاد ہی نہیں رہا کہ وہ ساجد اور منیب سے ناراض ہے، ان سے بات کرنے کا روادار نہیں ہے۔ وہ سب بھول گیا۔

''کہاں جائیں گے؟'' ساجد نے تیزی سے پوچھا

''اُسی ہسپتال، اسی ہاسٹل، جہاں بھی۔ آؤ۔'' طاہر نے کہا اور اپنے ملازم سے کار کی چابی لانے کا کہتے ہوئے باہر نکل گیا۔ اسے لگا جیسے اس کی بے چینی کا حل آیت النساء ہی کے پاس ہے۔

❀......❀......❀

لاہور کے پوش علاقے میں وہ سفید بنگلہ بڑے احترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ وہ بنگلہ اس علاقے کے مکینوں ہی کے لئے نہیں بلکہ شہر اور بیرون شہر کے ان لوگوں کے لئے عقیدت کا مرکز تھا جو اس کے مکین سے تعلق رکھتے تھے۔ وہاں سید ذیشان رسول شاہ اپنے مختصر

سے خاندان کے ساتھ رہتے تھے۔ان کا اپنا وسیع کاروبار تھا۔لیکن وہ ایک روحانی شخصیت کے طور پر بھی مشہور تھے۔وہ صبح کے وقت، ملاقات کے لئے آنے والے لوگوں کو ملتے،تھوڑا وقت دیتے پھر اپنے کاموں میں مصروف ہو جاتے۔ان سے ملنے کے لئے پہلے وقت لینا پڑتا تھا۔صرف چھٹی کے دن وہ عام عوام کے سامنے آتے،ان کے مسائل سنتے اور جو بھی بن پڑتا،ان کے لئے کرتے۔چند برس سے ان کا کاروبار بچوں نے سنبھال لیا تھا۔اب وہ دن کا بیشتر وقت لوگوں سے ملتے رہتے تھے۔ان کی محفلوں میں مختلف موضوعات پر باتیں چلتی رہتی تھیں۔لوگ اپنے مسائل بھی بیان کرتے تھے۔وہ صبح کے وقت اپنے لئے مخصوص کمرے میں آجاتے،لوگ باری باری ان کے پاس جاتے،کچھ دیر تک ان کے پاس ٹھہرتے اور پھر واپس پلٹ آتے۔اسی طرح رات کے وقت ایک لمبی نشست چلتی تھی۔

اس وقت بھی وہ اپنے کمرے میں بیٹھے ہوئے تھے۔انتظار گاہ میں کافی سارے لوگ موجود تھے۔ایک جوان سال لڑکا بڑے اضطراب میں اس دروازے کو دیکھ رہا تھا،جس کمرے کے اندر ذیشان شاہ بیٹھے ہوئے تھے۔ابھی کچھ دیر پہلے ایک ادھیڑ عمر خاتون اندر گئی تھی۔وہ اس کے نکلنے کے انتظار میں تھا۔وہ لڑکا جو اپنی صورت ہی سے کسی خوش حال گھرانے کا لگتا تھا،اس کے ہاتھ میں پکڑی ہوئی کار کی چابی تھی،جسے وہ کبھی ایک ہاتھ میں اور کبھی دوسرے ہاتھ میں پکڑتا تھا۔اس کے اسی اضطراب سے اس کے اندر کی بے چینی کا پتہ مل رہا تھا۔

کچھ ہی دیر بعد کمرے سے ادھیڑ عمر خاتون نکلی تو اس نوجوان لڑکے نے تیزی سے اٹھ کر اندر جانے کے لئے قدم بڑھا دیئے۔وہ اندر داخل ہوا تو اس کے سامنے سادہ سی شلوار قمیص میں ایک صاحب صوفے پر بیٹھے ہوئے تھے۔سفید چھوٹے چھوٹے بال،گول چہرہ،کلین شیو،بیش قیمت چشمہ لگائے،ذیشان شاہ اس لڑکے کو دیکھ رہے تھے۔انہوں نے لڑکے کو اپنے قریب پڑے صوفے پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔وہ بیٹھ گیا تو شفاف لہجے میں بڑی نرمی سے بولے

''جی فرمائیں کیا حکم ہے؟''

''شاہ صاحب۔!حکم نہیں،بس ایک عرض ہے،مجھے سمجھ نہیں آرہی کیسے کہوں۔''اس لڑکے نے دبے دبے لہجے میں بہت مشکل سے کہا

''آپ کچھ بولیں گے تو مجھے پتہ چلے گا نا،فرمائیں آپ،جو بھی کہنا چاہتے ہیں۔''انہوں نے انتہائی نرم لہجے میں کہا

''مجھے کہتے ہوئے عجیب سا لگ رہا ہے،لیکن میں آپ کے پاس بڑی آس لے کر آیا ہوں۔میں......''وہ نوجوان کہتے کہتے خاموش ہو گیا تو انہوں نے پھر نرمی ہی سے اسے حوصلہ دیتے ہوئے کہا

''جو بھی ہے کہہ دیں،معلوم تو ہو کہ آپ کہنا کیا چاہتے ہیں۔تبھی میں کچھ عرض کر پاؤں گا نا۔''

''شاہ صاحب۔!دراصل مجھے......میں......ایک لڑکی سے بہت محبت کرتا ہوں۔شادی......شادی کرنا چاہتا ہوں میں اس سے ......وہ بھی مجھے چاہتی ہے۔''نوجوان نے منتشر سے لہجے میں کہا تو شاہ صاحب نے اس کی طرف دیکھ کر ایک طویل سانس لی اور سنجیدگی

سے بولے

''تو پھر مسئلہ کیا ہے؟''

''مسئلہ اس کے والدین ہیں، جو نہیں مان رہے ہیں۔ دراصل...... ہمارے درمیان میں وہی دولت کی دیوار ہے، اب یہ بات نہیں ہمارے پاس کچھ نہیں، بس ان کے ہم پلہ نہیں، لیکن میں اسے تو چاہتا ہوں، بہت محبت کرتا ہوں، اس کے بنا نہیں رہ سکتا۔'' نوجوان نے بہت مشکل سے اپنی بات سمجھاتے ہوئے کہا

''کیا وہ لڑکی بھی تمہیں اتنا ہی چاہتی ہے؟ کیا وہ تمہاری خاطر اپنے والدین کو چھوڑ کر تمہارے پاس آ سکتی ہے؟'' انہوں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے عام سے لہجے میں پوچھا

''یہی تو اصل مسئلہ ہے شاہ صاحب، میں تو کہتا ہوں کہ وہ آ جائے، اپنے والدین کو مجبور کرے، لیکن وہ بھی یہی چاہتی ہے کہ میرے والدین کو منا لو۔'' اس نوجوان نے احتجاجی لہجے میں کہا تو شاہ صاحب نے پوچھا

''آپ کیا چاہتے ہو؟''

''میں اسے چاہتا ہوں، اس سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔ جیسے میں چاہتا ہوں وہ لڑکی وہی کرے۔ میں اگر اسے کہوں کہ سب چھوڑ کر آ جائے تو بس آ جائے۔ کیونکہ اس کے والدین کے ہوتے ہوئے ہماری شادی نہیں ہو سکتی۔'' نوجوان دبے دبے جوش سے بولا

''میں آپ کا مسئلہ سمجھ گیا ہوں۔ لیکن ایک بات ذرا کنفرم کرو، آپ اسے کس حد تک چاہتے ہو؟ پیار، محبت، عشق......''

''بہت...... بہت چاہتا ہوں اُسے، عشق کی حد تک محبت ہے اس سے، میں اس کے بنا رہ نہیں سکتا، مجھے لگتا ہے کہ اگر وہ مجھے نہ ملی تو میں مر جاؤں گا۔'' وہ روہانسا ہوتے ہوئے بولا

''ٹھیک۔! میں سمجھ گیا۔ آپ کا کام ناممکن نہیں، ہو سکتا ہے، جیسا آپ چاہو گے، وہ آپ کے پاس آ جائے گی، اس کا ایک حل ہے میرے پاس۔'' شاہ صاحب نے اطمینان سے کہا

''پلیز بتائیں، میں آپ کا بہت مشکور ہوں گا۔'' اس لڑکے نے تیزی سے کہا

''میرے پاس ایک گولی ہے، وہ کھاؤ گے تو وہی ہوگا، جو تم چاہو گے، لیکن وہ گولی مہنگی بہت ہے۔'' وہ سکون سے بولے، یہ سن کر اس نوجوان نے حیرت سے پوچھا

''آپ کے بارے میں تو سنا تھا کہ آپ پیسے وغیرہ نہیں لیتے، مطلب کوئی ہدیہ وغیرہ'' یہ کہتے ہوئے وہ فوراً ہی بولا، ''میرا کام ہو جائے میں وہ دے دوں گا، کتنے کی ہے وہ گولی؟''

''وہ گولی ایک لاکھ کی ہے؟''

''ایک لاکھ......'' وہ انتہائی حیرت سے یوں بولا جیسے اسے ایسی کسی بات کی توقع نہ رہی ہو۔ چند لمحے یونہی تذبذب کی کیفیت میں رہنے کے بعد بولا،'' شاہ صاحب اتنی رقم، میرا مطلب، اتنی زیادہ قیمت اس گولی کی؟''

''ہاں یہ تو ہے، خیر آپ کتنے دے سکتے ہو؟'' شاہ صاحب نے اسی سکون سے کہا جیسے وہ جانتے ہو کہ نوجوان کیا کرے گا۔ وہ کچھ دیر خاموش رہا پھر بولا

''میں تو یہی چار پانچ ہزار دے سکتا ہوں؟''

''یہ تو بہت کم ہیں۔ کچھ زیادہ کرو۔'' شاہ صاحب نے مسکراتے ہوئے کہا

''چلیں میں چھ دے دوں گا۔'' وہ مری ہوئی آواز میں بولا

''چلو۔ آپ اتنے ہی دے دینا۔'' یہ کہہ کر وہ لمحہ بھر کے لئے خاموش ہوئے پھر پوچھا،'' کیا آپ کو گولی ابھی چاہئے یا بعد میں آئیں گے آپ؟''

''آپ چاہیں تو ابھی دے دیں، لیکن میرے پاس اتنی رقم ہے نہیں۔'' وہ کھسیانے سے لہجے میں بولا

''چلو کوئی بات نہیں، پھر دے دینا۔ میں گولی ابھی دے دیتا ہوں۔'' انہوں نے کہا اور اپنی جیب میں ہاتھ ڈال کر ایک ڈبیہ نکالی، اس میں مختلف رنگ کی گولیاں پڑی ہوئی تھیں۔ شاہ صاحب نے اس میں سے ایک سیاہ گولی نکالی اور اسے دیتے ہوئے کہا

''سونے سے دو گھنٹے پہلے یہ کھا لینا۔''

''جی ٹھیک ہے لیکن......'' اس نے گولی پکڑتے ہوئے متذبذب لہجے میں کہا

''لیکن کیا؟'' شاہ صاحب نے پوچھا

''اس گولی سے اس کا کیا تعلق، گولی میں کھاؤں گا، وہ کیسے کھنچی چلی آئے گی۔''

''بس یہی تو سمجھنے والی بات ہے۔'' انہوں نے نرم سے لہجے میں کہا تو وہ نوجوان حیران و پریشان سا وہاں سے اٹھتا چلا گیا۔ اسے جاتا ہوا دیکھ کر شاہ صاحب مسکرا دیئے۔

اگلے دن کی صبح شاہ صاحب کے کمرے کی انتظار گاہ میں ابھی تک کوئی نہیں آیا تھا، جب وہ نوجوان وہاں آ گیا۔ اس کے چہرے کا رنگ اُڑا ہوا تھا۔ کپڑے مسلے ہوئے اور انتہائی پریشان دکھائی دے رہا تھا۔ وہ آ کر ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ پھر چند لمحوں بعد ہی اٹھ کر ٹہلنے لگا۔ کچھ دیر بعد بیٹھ گیا، پھر اٹھ گیا۔ اسی کشمکش میں وقت گزرتا رہا۔ لوگ وہاں آتے گئے، یہاں تک کہ شاہ صاحب اپنے کمرے میں آ گئے۔ وہ سب سے پہلے اندر چلا گیا۔ شاہ صاحب اسے دیکھتے ہی سنجیدہ ہو گئے۔

''جی فرمایئے۔'' اس کے بیٹھتے ہی شاہ صاحب نے اپنے مخصوص نرم لہجے میں کہا

''شاہ صاحب۔! آپ نے شاید وہ گولی مجھے غلط دے دی ہے، میرے ساتھ تو بہت غلط ہو گیا۔'' وہ انتہائی پریشانی اور شرمندگی بھرے لہجے میں بولا

''کیا ہوا؟'' انہوں نے سکون سے پوچھا تو دبے دبے غصے میں بولا

''بہت غلط ہو گیا میرے ساتھ، شاید میں نے آپ کو اتنی بڑی رقم نہیں دی، اس لئے آپ نے میرے ساتھ ایسا کیا، میں آپ کو بڑی سے بڑی رقم دے دیتا ہوں لیکن مجھے...... مجھے پلیز ٹھیک کر دیں۔''

''میں پوچھنا چاہوں گا کہ ہوا کیا؟'' وہ بولے

''ہونا کیا تھا، میں نے وہ گولی کھائی، جیسے آپ نے بتایا تھا، دو گھنٹے کے بعد میرا بدن ٹھنڈا ہونا شروع ہو گیا، جیسے میں برف میں لگ گیا ہوں۔ میرے اندر کسی بھی قسم کی کوئی اُمنگ نہیں رہی۔ یوں جیسے کسی نے میرے اندر کی ساری جوانی نکال باہر کر دی ہو۔ میں جیسے کسی عورت کے قابل ہی نہیں رہا۔'' اس بار اس کے لہجے میں غصہ بھی اُمڈ آیا تھا۔

''تو کیا وہ لڑکی آئی نہیں آپ کے پاس؟'' شاہ صاحب نے پوچھا

''اس نے کیا خاک آنا تھا۔ اس حالت میں اگر وہ آ بھی جاتی تو میں نے کیا کر لینا تھا۔ میں تو جیسے مرد رہا ہی نہیں۔ یہ کیا کر دیا آپ نے میرے ساتھ؟'' اس نے اکتاہٹ بھرے غصے میں کہا تو شاہ صاحب نے اسی اطمینان سے کہا

''تو بیٹا۔! پھر کیا ہوا، اگر تم مرد نہ رہے، تمہاری محبت تو یونہی قائم ہے نا، وہ......'' انہوں نے کہنا چاہا تو نوجوان نے احتجاجی لہجے میں بات کاٹتے ہوئے کہا

''کیا کرنا ہے ایسی محبت کا شاہ صاحب، میں اس کے قابل نہیں رہا، بلکہ کسی عورت کے بھی تو......''

''تو اس کا مطلب ہے تمہیں اس لڑکی کے جسم سے محبت ہے، اس کی ذات سے نہیں، یہ ہے آپ کی محبت؟ وہ تمہارے پاس آ جائے، یہ ہے آپ کا عشق؟ آپ کے اندر جو جسم کو چاہنے والا مرد ہے، وہ ختم ہو گیا تو محبت بھی ختم ہو گئی، یہ کیسی محبت ہے اور کیسا عشق ہے، جو جنس زدہ قوت کے ساتھ ہی ختم ہو گیا؟ بتائیں، یہ کیسی محبت ہے، جس کے لئے آپ کو دوسروں کی مدد چاہئے؟ دولت بھی خرچ نہ ہوا اور سب ہاتھ لگ جائے؟ یہ محبت ہے، عشق ہے؟ اسی لئے وہ اپنے والدین کو چھوڑ کر آپ کے پاس آ جائے؟'' شاہ صاحب نے نرم لہجے میں سخت باتیں کہہ دیں

''کچھ بھی ہے، مجھے اس حالت سے نکالیں، ایک لاکھ کیا دو لاکھ لے لیں پلیز۔'' وہ نوجوان منت بھرے لہجے میں بولا

''پہلے یہ بتائیں، یہ محبت پانے کے لئے یا صرف کھوئی ہوئی قوت پانے کے لئے اتنی رقم خرچ کر رہے ہو۔'' انہوں نے پوچھا تو نوجوان نے اکتاتے ہوئے کہا

''شاہ صاحب کیا پوچھ رہے ہیں آپ۔ جب میرے پاس یہ قوت ہی نہیں ہے تو میں کیا اچار ڈالوں گا کسی محبت کا۔ پلیز آپ کریں کوئی توڑ......'' اس نے پھر منت سے کہا اور جیب میں ہاتھ ڈال کر نوٹوں کی ایک گڈی ان کے سامنے رکھ دی تو شاہ صاحب نے جیب میں ہاتھ ڈالا وہی ڈبیہ نکالی، جس میں رنگین گولیاں تھیں۔ انہوں نے ایک سلور رنگ کی گولی نکالی اور اسے دیتے ہوئے کہا

''یہ ابھی کھالو، دو گھنٹے بعد ٹھیک ہو جاؤ گے۔''

''بہت شکریہ۔'' اس نے گولی پکڑتے ہوئے کہا

''اپنی یہ رقم بھی اٹھالو۔'' شاہ صاحب نے کہا تو نوجوان نے حیرت سے ان کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا

''کیوں شاہ صاحب؟''

''میں نے جان بوجھ کر آپ کو وہ سیاہ گولی دی تھی۔ یہ احساس دلایا کہ آپ حیوانی قوت کا حصول چاہتے ہیں۔ آپ کو محبت کی طلب نہیں، آپ جیسے نجانے کتنے ایسی حیوانی خواہش کو محبت کا نام دیتے ہیں۔ یہ مان لیں کہ آپ اپنی محبت یا عشق میں جھوٹے ہو۔ اور جھوٹوں کا میرے پاس کوئی کام نہیں ہے۔ جان لو، عشق حیوانیت سے نہیں، انسانیت سے تعلق جوڑنے پر ملتا ہے۔ آپ کا یہ رویہ، دوسرا کچھ بھی ہو سکتا ہے لیکن یہ محبت نہیں ہے، اور اب چلیں جائیں یہاں سے۔'' شاہ صاحب نے آخری لفظ بھی بہت نرمی سے کہے تھے۔ وہ نوجوان ان کی طرف دیکھتا رہا، پھر انتہائی شرمندگی میں اٹھ گیا۔ شاہ صاحب نے ایک طویل سانس لیتے ہوئے اپنی آنکھیں بند لیں۔ جب تک وہ باہر نہیں چلا گیا، انہوں نے آنکھیں نہیں کھولیں۔

❁.......❁.......❁

ملک فضل داد پوتے پوتیوں والے ہو گئے تھے۔ کبھی ان کی صحت قابل رشک ہوا کرتی تھی، وہ اپنی عمر سے بھی کم دکھائی دیا کرتے تھے۔ اگر چہ اُنہیں زندگی میں کافی دھچکے لگے تھے، اور وہ ہر بار سنبھل بھی جاتے لیکن جو دھچکہ اُنہیں تین برس پہلے لگا تھا، اس نے انہیں بوڑھا کر کے رکھ دیا تھا۔ اُن کے دو ہی بیٹے تھے۔ فہیم فضل اور سلیم فضل۔ دونوں بیٹے شادی شدہ بچوں والے تھے۔ فہیم فضل کے دو بچے تھے، اویس اور مہوش۔ جبکہ سلیم فضل کی ایک ہی بیٹی تھی آیت النساء، جسے انہوں نے بہت لاڈ دیا تھا۔ وہ ہمیشہ دادا کی آنکھوں کا تارا رہی تھی۔ بڑھاپے کے اس دور میں، جب وہ خود اس دنیا سے جانے کے بارے میں سوچنے لگے تھے، کار حادثے میں اُن کی شریک حیات، اُن کا بیٹا سلیم فضل اور بہو انہیں چھوڑ کر ہمیشہ کے لئے چلے گئے۔ فضل داد یہ صدمہ برداشت نہیں کر پا رہے تھے۔ ایسے میں آیت النساء کا وجود تھا، جس نے انہیں جینے پر مجبور کر دیا۔ وہ سوچتے، انہوں نے بیوی اور بیٹا کھو دیئے، آیت کا باپ اور ماں نہیں رہے، اب کون ہے اُس کا، وہ اپنے بیٹے فہیم کو اچھی طرح جانتے تھے۔ فضل داد کسی طرح بھی اپنی پوتی کو ان کے رحم و کرم پر نہیں چھوڑ سکتے تھے۔ اتنے بڑے بنگلے میں ایک بڑا پورشن دادا اور پوتی کے تصرف میں تھا۔ دوسرے پورشن میں فہیم فضل، اس کی بیوی سلمیٰ، اویس اور اس کی بیوی ملیحہ رہتے تھے۔

آیت النساء کے بارے میں دادا جی پوری طرح جانتے تھے۔ پے در پے صدمات نے آیت کو وقت سے بہت پہلے ذمہ دار بنا دیا تھا۔ دادا جی جب بھی اس کے بارے میں سوچتے، دکھ کی ایک لہران کے بدن میں سرایت کر جاتی۔ اُن کی شدید خواہش تھی کہ وہ اپنے گھر کی ہو جائے تو وہ سکون سے اس دنیا سے جا سکتے ہیں لیکن آیت تو یوں ہو گئی تھی، جیسے وہ شادی کرنے کیلئے بنی ہی نہیں ہے۔ پچھلے چھ ماہ سے اس نے کاروبار کیا سنبھالا، اسی کاروبار کی ہو کر رہ گئی تھی۔ دادا جی یہ بھی اچھی طرح جانتے تھے کہ اگر اپنے خون کے رشتے ہی اس کا بھلا سوچ لیتے، تو شاید وہ ایسی نہ ہوتی۔ دادا جی جب بھی آیت کے بارے میں سوچتے تو بس پھر سوچتے چلے جاتے۔

اس وقت بھی ایسے ہی تھا۔ وہ پورچ کے ساتھ والے کاریڈور میں بیٹھے اخبار پڑھ رہے تھے۔ ان کی ذہنی رُو آیت کی طرف ہوئی تو بس اسی کے بارے میں سوچتے چلے جا رہے تھے۔ انہیں پتہ ہی نہیں چلا کب آیت گیٹ پار کر کے اندر آ گئی ہے۔ اس نے ٹریک سوٹ پہنا ہوا تھا۔ سر کے بال ہیئر بینڈ سے باندھے ہوئے تھے۔ اس کا چہرہ گلابی ہو رہا تھا۔ وہ قریبی پارک میں جاگنگ کر کے آئی تھی۔ اس نے اپنے دادا جی کو دیکھا، جنہوں نے اخبار تو سامنے رکھا ہوا تھا لیکن خود خیالوں میں گم تھے۔ وہ آہستہ سے دادا جی کے پاس پہنچی اور ان کے سامنے سے اخبار ہٹا دی۔ دادا جی نے گھبرا کر دیکھا تو سامنے آیت کھڑی تھی۔

"اوہ اچھا تم......" وہ مسکراتے ہوئے بولے

"دادو۔! اگر آپ یہ سمجھتے ہیں کہ مجھ سے جھوٹ بول سکیں گے تو یہ آپ کی بہت بڑی غلط فہمی ہے۔ کیونکہ جھوٹ بولنا آپ کو آتا ہی نہیں ہے، خاص طور پر میرے سامنے، بس جلدی سے بتا دیں، اس وقت آپ کیا سوچ رہے ہیں؟؟"

"ہاں یہ بات تو ہے، سوچ تو رہا ہوں لیکن میں اس بارے ناشتہ کر لینے کے بعد بتاؤں گا۔" فضل داد نے سنجیدگی سے کہا تو وہ اپنے دادا کے چہرے پر دیکھتے ہوئے مان سے بولی

"آپ ابھی بتائیں گے۔"

"چلو بتا دیتا ہوں لیکن وعدہ کرو کہ جو میں کہوں گا وہ کرو گی۔" دادا نے مسکراتے ہوئے کہا

"آپ بتائیں تو سہی، ماننے یا نہ ماننے کا فیصلہ میرا ہے۔" وہ بھی مسکراتے ہوئے بولی

"اچھا تو پھر سنو۔" انہوں نے خوشگوار لہجے میں کہا، جس پر وہ خاموش رہی تو وہ کہتے چلے گئے، "آج جو بزنس کمیونٹی کی چیف منسٹر کے ساتھ میٹنگ ہے، اسے تم دیکھ لینا، یہ ضروری ہے۔ میں آج آفس نہیں جا رہا، کیونکہ مجھے کہیں دوسری جگہ جانا ہے، وہ ڈرائیور مجھے لے جائے گا۔"

"دادو۔! وہ کوئی بہت اہم جگہ ہے، جہاں آج ہی آپ کو جانا ہے، جس کے لئے چیف منسٹر سے میٹنگ چھوڑ رہے ہیں۔" اس نے تجسس سے پوچھا

''ہاں بیٹا۔! میں تم سے چھپاؤں گا نہیں، میں نے اپنے ایک دوست کے ذریعے تمہارے رشتے کی بات چلائی تھی، مجھے انہی لوگوں سے ملنے جانا ہے۔''فضل داد نے کہا تو آیت چند لمحے سر جھکائے کھڑی رہی، پھر کچھ کہے بنا جانے لگی تو دادا نے اس کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا،''جانتا ہوں، تم کیا کہنا چاہو گی، لیکن یہ میرا فرض ہے، میں نے اسے نبھانا تو ہے نا بیٹی۔''

''نہیں دادو۔! آپ جانتے ہیں، میں شادی نہ کرنے کا فیصلہ کر چکی ہوں۔ اب نہیں کرنی شادی، آپ ایسا مت کریں، پلیز۔'' اس نے گلوگیر لہجے میں کہا اور نرمی سے اپنا ہاتھ چھڑا کر تیزی سے اندر چل دی۔ دادا چند لمحے تک افسردہ رہے، پھر دھیرے سے مسکرا دیئے۔ جیسے کسی بچے کی ضد پر کسی بڑے کا رویہ ہوتا ہے۔

اُسی دن جب وہ پورچ میں آئی تو اس نے سیاہ بزنس سوٹ پہنا ہوا تھا۔ کس کر باندھے ہوئے بالوں سے اس کا ماتھا چوڑا لگ رہا تھا۔ اس کے چہرے پر گہری سنجیدگی تھی۔ ہلکا ہلکا میک اپ، ہلکے رنگ کی لپ اسٹک، کانوں میں سفید بندے، گلے میں سفید سچے موتیوں کا ہار تھا۔ دائیں ہاتھ کی دوسری انگلی میں ہیرے کی انگوٹھی چمک رہی تھی۔ وہ ایک بارعب کاروباری شخصیت لگ رہی تھی۔ ڈرائیور نے دروازہ کھولا تو اس نے بیٹھتے ہی اسے آفس جانے کی بجائے سیدھا اس سرکاری عمارت تک جانے کا کہا، جہاں شہر کی بزنس کمیونٹی کے چند لوگ پہنچ چکے تھے۔

یہ وفد شہر کے چنیدہ کاروباری لوگوں کا تھا۔ جس وقت وہ وہاں پر پہنچی سب لوگ ایک ہال میں جمع تھے۔ اس کے پہنچنے کے ساتھ ہی دو لوگ مزید آ گئے تھے۔ وہ سبھی ہال میں کھڑے ایک دوسرے سے مل رہے تھے کہ انہی لمحوں میں چیف منسٹر کے ساتھ چند لوگ ایک وفد کی صورت وہاں آ گئے۔ میل ملاقات کے بعد وہ سب ایک کانفرنس ہال میں چلے گئے۔ وہ بھی بزنس کمیونٹی کے ساتھ میز کے ایک طرف بیٹھ گئی۔ دوسری طرف سرکاری وفد بیٹھ گیا۔ ابھی بات چیت شروع نہیں ہوئی تھی کہ اس کی نگاہ ایک ایسے چہرے پہ پڑی، جسے دیکھ کر وہ ایک لمحے کے لئے ٹھٹک گئی۔ وہ طاہر باجوہ تھا۔ جو بالکل اس کے سامنے آ کر بیٹھا تھا۔ اس کے چہرے پر بھی بلا کی حیرت تھی۔ آیت اسے پہچان گئی تھی لیکن اس کی نگاہوں میں اب بھی شک پھیلا ہوا تھا۔

میٹنگ ختم ہونے تک کے سارے وقت میں آیت نے وہاں ہونے والی گفتگو پر پوری توجہ دی، جہاں اس کا بولنا بنتا تھا، وہ بولی۔ اس دوران اس نے طاہر پر دھیان نہیں دیا۔ جیسے ہی میٹنگ ختم ہوئی اور وہ ہال سے باہر نکلے۔ طاہر باجوہ تیزی سے اس کی جانب بڑھا اور اس کے قریب آ کر بولا

''آپ.....آیت النساء؟''

''طاہر، میں تمہیں پہچان گئی ہوں۔ اتنا تجسس دکھانے کی ضرورت نہیں، میں وہی آیت النساء ہوں جو تمہیں، تمہاری یونیورسٹی میں ملی تھی۔'' اس نے ہلکی ہلکی مسکان کے ساتھ کہا

''تم، اور یہاں، میرا مطلب یہاں تو ٹاپ بزنس.....'' اس نے کہنا چاہا تو آیت نے دھیمے سے لہجے میں کہا

''تمہارے پاس وقت ہے تو میرے ساتھ چلو، ورنہ جب چاہو، میرے آفس آجانا۔'' اس نے کہا

''نہیں، میں ابھی تمہارے ساتھ چلوں گا۔'' وہ تیزی سے بولا

''تم چیف منسٹر کے ساتھ ہو اور کوئی......'' آیت نے سمجھایا

''تم فکر نہ کرو، چلو میں تمہارے ساتھ جارہا ہوں۔'' اس نے باہر کی جانب چلنے کا اشارہ کرتے ہوئے لاپرواہی سے کہا

''اوکے آؤ، آفس میں بیٹھ کے بات کرتے ہیں۔'' اس نے کہا اور سامنے پورچ میں کھڑی شاندار گاڑی کی جانب بڑھ گئی۔ ڈرائیور نے دروازہ کھولا تو وہ بیٹھ گئی۔ اس کے ساتھ ہی طاہر بیٹھ گیا۔

راستے میں ایک لفظ کا بھی تبادلہ نہیں ہوا۔ یہاں تک کہ آیت کا آفس آگیا۔ دوسری منزل پر موجود آفس میں پڑے صوفے پر بیٹھتے ہی طاہر نے سگریٹ کا پیکٹ نکالتے ہوئے کہا

''بہت شاندار آفس ہے تمہارا۔''

''چائے پیو گے یا کافی۔ پھر ہم لنچ کرنے کے لئے باہر نکلتے ہیں۔'' آیت نے اس کی سنی ان سنی کرتے ہوئے اس کے ساتھ پڑے صوفے پر بیٹھتے ہوئے پوچھا

''مجھے کہیں نہیں جانا، یہیں سب کچھ ہوگا، مجھے صرف تم سے باتیں کرنی ہیں، بہت ساری باتیں۔'' طاہر نے لرزتے ہوئے ہاتھوں سے لائیٹر کے ساتھ سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا۔ آیت کو احساس ہوگیا کہ طاہر کے اندر اب تک کتنی ہلچل ہے اس لئے سر ہلاتے ہوئے کہا

''اوکے۔'' یہ کہتے ہوئے اس نے انٹرکام پر چائے کا کہہ دیا۔

کچھ دیر تک خاموشی سے چند کش لینے کے بعد طاہر نے شکوہ بھرے لہجے میں پوچھا

''تم اچانک چلی آئی وہاں سے، بتایا بھی نہیں؟''

اس کے یوں کہنے پر آیت کے لبوں پر دھیمی سی مسکراہٹ آگئی، چند لمحے خاموش رہنے کے بعد وہ خوشگوار لہجے میں بولی

''کہنے کو تو میں کہہ سکتی ہوں کہ میرے پاس مزید زیور نہیں تھا بیچنے کو، مگر ایسا نہیں کہوں گی، میرا وہاں کام ختم ہوگیا تھا۔ اس لئے وہاں رہنے کا کوئی جواز نہیں تھا۔''

''ایسا کہہ کر کیا تم مجھے شرمندہ کر رہی ہو؟'' طاہر نے شاکی لہجے میں پوچھا تو سنجیدہ لہجے میں بولی

''میں جانتی ہوں، تمہارے پاس بہت سارے سوال ہیں۔ تمہارے سارے سوالوں کے جواب دیتے ہوئے مجھے اپنے بارے میں بہت کچھ بتانا پڑے گا۔ اس لئے ان سارے سوالوں کو وہیں چھوڑ دو۔ بس اتنا یاد رکھو، ہم بہاول پور میں ملے تھے اور بس۔''

”میں نے تمہیں بہت تلاش کیا، بہت پتہ کرنے کی کوشش کی، مگر تمہارے بارے میں کچھ پتہ ہی نہیں چلا۔“ اس نے آیت کے چہرے پر دیکھتے ہوئے کہا، جہاں پہلے سے کہیں زیادہ زندگی سے بھرپور چمک تھی۔ تبھی آیت نے اس کا سوال نظرانداز کرتے ہوئے کہا

”پہلی بار ایم پی اے بنے ہو نا؟“

”ہاں، یہ سیٹ نکالنا ہمارے لئے کوئی مشکل نہیں ہے۔ لیکن تم میری بات نظرانداز......“

”طاہر۔! فائدہ کوئی نہیں ہے، ایسی باتوں کا۔“ آیت نے لاپرواہی سے کہا

”میں یہ مان لیتا ہوں کہ تم بہت اچھا بزنس چلا رہی ہوگی، تمہیں فائدے اور نقصان کی زیادہ سمجھ ہے۔ تم فائدہ ہی چاہتی ہو لیکن میں نے سب کہنا ہے، مجھے کہنے دو، نہیں کہوں گا تو شاید اندر سے کہیں......“ اس نے کہنا چاہا مگر آیت نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا

”میں نے روکا تو نہیں، کہو، میں سن رہی ہوں۔“

اس کے یوں کہنے پر طاہر نے ایک بار آیت کے چہرے پر دیکھا، چند لمحے خاموش رہا پھر بولا

”تمہارے جانے کے بعد میرے دوستوں نے بتادیا تھا کہ تم ہسپتال میں اس بچے کے لئے......“

”مطلب وہ میری جاسوسی کرتے رہے ہیں؟“ اس نے پوچھا تو طاہر کندھے اُچکاتے ہوئے بولا

”کہہ سکتی ہو، اُنہیں بڑا تجسس تھا۔“

”ہونا بھی چاہئے۔ فطری بات ہے، میں یقین سے کہہ سکتی ہوں وہ مجھے فراڈ سمجھتے ہوں گے اور شاید تم بھی۔“ وہ مسکراتے ہوئے بولی

”میں انکار نہیں کروں گا، اور میں اس پر معذرت بھی نہیں کروں گا کہ میں نے تمہارے بارے کوئی اچھا نہیں سوچا تھا، کیونکہ ہمارا معاشرتی رویہ ہی ایسا ہے۔“

”ٹھیک ہے مگر میں نے......“ آیت نے کہنا چاہا لیکن طاہر اس کی بات کو نظرانداز کرتے ہوئے بولا

”میں وہ زیور صرف اس وجہ سے خریدتا رہا کہ تم نے میرا مان رکھا اور دوسرا اگر وہ زیور غلط ثابت ہو جاتا، تب بھی میرا نام ہی آنا تھا کیونکہ میں تمہارے ساتھ تھا، جیولر نے فوراً مجھ تک پہنچ جانا تھا، اس سے جو بدنامی ہوتی......خیر، میں نے انہی دو کے بہت اصرار پر وہ زیور دوبارہ دکھایا، اس کی قیمت لگوائی تو اس کی قیمت کہیں زیادہ تھی جو تم نے مجھ سے لی تھی۔“ اس نے اعتراف کرتے ہوئے کہا تو وہ دکھی لہجے میں بولی

”طاہر یہ جو دنیا ہے نا، یہ مجبوری کا فائدہ اٹھاتی ہے۔ پتہ لگ جائے سہی کہ کوئی بندہ مجبور ہے۔ چھوٹی سی مثال دیتی ہوں۔ کوئی بندہ اگر یہ کہے کہ میں مجبوری میں اپنی فلاں شے بیچ رہا ہوں تو لوگ انتہائی کم قیمت لگاتے ہیں، اس انتظار میں رہتے ہیں کہ کوئی مجبور بندہ اپنی شے بیچے تو اُسے کم قیمت پر ہی ملے گی۔“

”ہاں ایسا ہی ہے۔“ طاہر نے دھیمے سے کہا، پھر بولا۔ ”میں نے اس بچے کے بارے میں بھی پتہ کروایا، وہ......“

''تم نے پتہ کیا اس کا؟'' آیت تیزی سے بولی

''ہاں۔!وہ لوگ تو واقعی بڑے غریب سے تھے۔ مجھے ایک بات کی سمجھ نہیں آئی کہ تم یہاں لاہور سے بہاول پور جا پہنچی۔ کیا تعلق تھا تمہارا ان کے ساتھ، کیسے یہ...... وہ بچہ......'' اس نے الجھتے ہوئے کہا تو آیت نے زندگی سے بھرپور لہجے میں انتہائی اعتماد سے کہا

''وہ بچہ میری زندگی ہے طاہر، میری ہر سانس اس کے ساتھ ہے۔ میری زندگی کا محور، میری جان۔ وہ تم نے کہانیوں میں کہیں پڑھا ہوگا کہ کسی کی جان کسی طوطے یا کبوتر میں ہوتی ہے، تو بس سمجھ لو، میری جان اس بچے، سرمد میں ہے۔ میں زندہ ہی اسی کی وجہ سے ہوں، ورنہ اب تک مرگئی ہوتی۔''

آیت نے کچھ اس طرح جوش سے کہا تھا کہ طاہر اس کے ہر لفظ پر حیرت زدہ ہوتا چلا گیا۔ جیسے اسے توقع ہی نہ رہی ہو کہ وہ ایسے بھی بول سکتی ہے۔ ہر لفظ سے محبت ٹپک رہی تھی۔ وہ حیرت سے اسے دیکھنے لگا۔ اسے اپنے سوالوں کا تو کیا جواب ملنا تھا، کئی نئے سوال اس کے ذہن میں پر پھیلانے لگے۔

''تمہاری شادی ہو چکی ہے، وہ بچہ کیا تمہارا بیٹا ہے؟'' اس نے یہ سوال انتہائی تجسس سے کیا تھا۔

''نہیں، میں نے اسے جنم نہیں دیا۔ لیکن شاید میں اپنے اولاد کو اتنی اہمیت نہ دیتی، جتنا وہ میرے لئے اہم ہے۔'' اس نے انتہائی سکون سے جواب دیا

''مطلب، تمہاری شادی نہیں ہوئی ابھی تک؟'' اس سوال میں تصدیق کرنے کا عنصر زیادہ تھا۔

''نہیں، اور مجھے شادی کرنا بھی نہیں۔'' اس نے مسکراتے ہوئے کہا تب طاہر سگریٹ ایش ٹرے میں مسلتے ہوئے بولا

''شادی کیوں نہیں کرنی؟''

''دیکھا، ہر جواب سے ایک نیا سوال جنم لے رہا ہے۔ یہ ایک سلسلہ ہے جو دراز ہوتا چلا جائے گا۔ سو، اپنے تجسس کو ختم کرو، بس اتنا کہ ہم بہاول پور میں ملے تھے، بس۔'' آیت نے سمجھاتے ہوئے کہا تو وہ چند لمحے سوچتا رہا، پھر بولا

''دیکھو آیت، اگر تو یہ سوال صرف میں کر رہا ہوں، کسی دوسرے نے کبھی نہیں کیے، یا آئندہ کبھی نہیں ہوں گے تو میں نہیں پوچھتا۔''

''نہیں، یہ سبھی پوچھتے ہیں، بے شمار سوالوں سے گندھی یہ ایک ایسی کہانی ہے، جس کا تعلق صرف میری ذات سے ہے۔ کسی دوسرے کو اس کا فائدہ ہے اور نہ نقصان۔ سو، اس پر کسی کو تجسس نہیں کرنا چاہئے۔'' اس بار آیت نے اسے دوسری طرح سمجھایا تو وہ خاموش ہوگیا۔ اسی خاموشی میں چائے آ گئی۔ چائے پیتے ہوئے طاہر نے کہا

''ٹھیک ہے اگر مجھے بتاتے ہوئے تمہارا نقصان ہوتا ہے تو پھر نہ بتاؤ۔ لیکن......'' یہ کہتے ہوئے وہ لمحہ بھر کو خاموش ہوا، پھر سپ

شام کے سائے پھیل گئے ہوئے تھے۔ موسم بھی خاصا خوشگوار ہو گیا تھا۔ آیت النساء آفس سے لوٹی تو اس نے کار میں بیٹھے ہی دیکھ لیا کہ دادو لان میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کے چہرے پر کسی گہری سوچ کی پرچھائیاں تھیں۔ کار پورچ میں رُکی تو اس نے اتر کر دیکھا، اس وقت دادو کے چہرے پر مسکراہٹ تھی۔ آیت جان گئی کہ دادو کی یہ مسکراہٹ مصنوعی ہے۔ دکھاوا ہے، اُسے دکھانے کے لئے۔ وہ ان کے طرف چل دی۔ وہ سلام کر کے ان کے سامنے والی کرسی پر بیٹھ گئی تو دادو چیف منسٹر سے ہونے والی میٹنگ کے حوالے سے بات کرتے رہے۔ آیت نے تفصیل سے بتا دیا۔

''اچھا ٹھیک ہے، جاؤ آرام کرو۔'' دادا نے کہا تو اس نے شرارت سے پوچھا

''آپ بھی تو رپورٹ دیں نا، میرے متوقع سسرالیوں سے مل کر آئے ہیں آپ؟''

''میں جانتا ہوں تم مجھ سے یوں کیوں پوچھ رہی ہو۔ صرف میری خوشی کی خاطر۔'' وہ بولے تو ان کے لہجے میں کافی حد تک دکھ گھلا ہوا تھا۔

''دادو آپ بھی نا، ہر بات کو سیریس لے جاتے ہیں۔'' اس نے پیار سے ان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے کہا

''میں ان سے ملا، بندے تو معقول ہیں، وہ لڑکا بھی ملا مجھ سے لیکن مجھے بھائے نہیں وہ لوگ۔'' وہ بولے

''کیوں؟'' اس نے خوشگوار حیرت سے پوچھا

''انہوں نے تمہارے بارے میں بہت کم باتیں کیں اور تمہارے بزنس کے بارے میں تو انہوں نے اتنا پوچھا کہ تفتیش ہی کر ڈالی۔'' دادا افسوس بھرے لہجے میں بولے

''مطلب لالچی لوگ ہیں۔'' اس نے ہلکی سی مسکان کے ساتھ کہا

''مجھے بھی یونہی لگا۔'' یہ کہہ کر وہ بولے، ''خیر ملتے ہیں ڈنر پہ، جاؤ آرام کرو۔'' انہوں نے کہا تو آیت اٹھ کر چل دی۔

رات گہری ہوتی چلی جا رہی تھی۔ آیت کا معمول تھا کہ وہ سونے سے پہلے کچھ نہ کچھ ضرور پڑھتی تھی۔ کوئی میگزین، کتاب یا نیٹ سے لیا ہوا کوئی آرٹیکل۔ اس رات آیت نے ایسی کسی بھی شے کو ہاتھ نہیں لگایا تھا۔ دوپہر ہی سے ایک بات اس کے دماغ میں گھوم رہی تھی۔ بیڈ پر آتے ہی اس کا ذہن ادھر چلا گیا۔ طاہر باجوہ کو اس کے بارے میں اتنا تجسس کیوں ہو گیا؟ کیا یہ تجسس طاہر باجوہ کی اپنی فطری طبیعت کی وجہ سے ہے یا آیت کا اپنا عمل ایسا پراسرار تھا کہ جس کی وجہ سے دوسروں میں ایسا تجسس ابھرا؟ طاہر باجوہ بالکل بھی نہیں بدلا تھا۔ ویسے کا ویسا لاابالی، ایک دم سے فیصلہ کر لینے والا، صاف گو۔ مگر اس کی اپنی حیثیت کافی حد تک بدل گئی تھی۔ آیت نے یہ تبدیلی اپنی ذات کے لئے نہیں بلکہ اپنے مقصد کے لئے اپنائی تھی۔ سرمد کی صورت میں اس کا مقصد اس کے سامنے تھا۔ طاہر کے سوال پر وہ فوری فیصلہ نہیں کر پائی تھی کہ اسے کوئی جواب دے یا نہیں کیونکہ ان سوالوں کے پیچھے اس کی اپنی کہانی تھی۔ جس کا ایک ایک لمحہ اس کے اندر اُتر چکا تھا اور جس نے

اس کی زندگی بدل کر رکھ دی تھی۔ طاہر باجوہ کو سب کچھ بتانے یا نہ بتانے کا وہ فیصلہ نہیں کر پائی تھی۔ یہ اچھا ہوا کہ وہ لنچ سے پہلے ہی چلا گیا۔ ورنہ اسے سوچنے کا موقع ہی نہ ملتا۔ اسے بتانے کا کیا فائدہ، ہاں اگر اس نے بہت زیادہ ضد کی تو پھر دیکھا جائے گا۔ یہ سوچتے ہی اس کے اندر اطمینان پھیل گیا۔ اس پر نیند حاوی ہوتی چلی گئی۔

❀......❀......❀

اس دن موسم بہت خوبصورت ہو گیا تھا۔ سید ذیشان رسول صاحب اپنے کمرے میں تشریف فرما تھے۔ صبح سے بہت تیز بارش ہو رہی تھی۔ اس دن ان سے ملنے کے لئے جو چند لوگ آئے تھے، وہ شاہ صاحب سے ملنے کے بعد بارش رُکتے ہی واپس جا چکے تھے۔ آخر میں ایک نوجوان تھا جو کمرے میں داخل ہوا۔ شاہ صاحب نے اسے سامنے صوفے پر بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا

''جی حکم۔''

''حضور میں کسی دعا وغیرہ کے لئے نہیں آیا، الحمدللہ، مجھے کوئی پریشانی نہیں، میں تو آپ کی زیارت کے لئے حاضر ہوا تھا۔''

''پھر بھی کوئی حکم ہو؟'' شاہ صاحب نے مسکراتے ہوئے پوچھا

''بس جتنی دیر میں آپ کے پاس بیٹھوں گا، مجھے اتنا ہی اچھا لگے گا۔'' اس نے دھیمے سے لہجے میں کہا

''تو چلیں جب تک بیٹھے ہیں کوئی بات ہی کر لیتے ہیں۔'' شاہ صاحب نے مسکراتے ہوئے کہا تو اس نوجوان نے دائیں جانب کھڑکی پر نگاہ ڈالی، جہاں سے آسمان صاف دکھائی دے رہا تھا۔ بارش کے بعد ابھی بادل موجود تھے اور دھنک اپنی بہار دکھا رہی تھی۔ نوجوان کے لبوں پر مسکراہٹ آگئی۔ اس نے بڑے مودب لہجے میں پوچھا

''سرکار، یہ جو سامنے دھنک ہے۔ اس میں بے شمار رنگ ہیں۔ اسی حوالے سے ایک سوال میرے ذہن میں ہے، اگر آپ کی اجازت ہو تو عرض کروں۔''

''جی جی بولیں۔''

''کلام الٰہی میں لفظ آتے ہیں، صبغت اللہ۔ اللہ کا رنگ، یہ اللہ کا رنگ کیا ہے؟ کیسا ہوتا ہے یہ رنگ؟'' اس نوجوان نے پوچھا تو شاہ صاحب کے لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ وہ چند لمحے نوجوان کے چہرے پر دیکھتے رہے، پھر بڑے نرم سے لہجے میں بولے

''ان الفاظ پر علماء کرام نے، مفسرین نے بہت کچھ فرمایا، انہوں نے جو بھی فرمایا، ان سب کے تناظر میں بڑی آسانی سے بات کی جا سکتی ہے۔ لیکن۔! آپ صبغت اللہ کی بات کر رہے ہیں، تو پہلے یہ سمجھ لینا چاہئے کہ اصل میں رنگ ہوتا کیا ہے؟ اس کی ماہیت کیا ہے؟ کیسے بنتے ہیں یہ رنگ؟''

''ظاہر ہے پہلے صبغت یعنی رنگ کو سمجھنا ہے۔'' اس نوجوان نے دھیمے سے کہا تو شاہ صاحب بولے

''رنگ کی اصل ماہیت روشنی ہے۔ سارے رنگ روشنی ہی میں موجود ہیں۔ ہمیں یہ رنگ ہماری آنکھ دکھاتی ہے۔ آنکھ رنگ کو اس وقت محسوس کرتی ہے جب روشنی کسی شے سے ٹکرا کر آنکھ تک پہنچتی ہے۔ ماہرین بتاتے ہیں کہ روشنی کی رفتار، ''جسے طول موج'' کہتے، اس کی وجہ سے دکھائی دیتے ہیں۔ وہ ہی رنگ الگ الگ کرتی ہے، جسے طیف کہتے ہیں۔ رنگ توانائی کی مختلف طول موج رکھنے والی شعاعیں ہیں۔ سورج کی روشنی کے رنگ، ہوائی ذرات، ماحولیاتی مالیکیولز کا حجم اور وہ زاویہ نگاہ جس سے ہم رنگوں کی پہچان کرتے ہیں۔''

''تکنیکی اصلاحات میں نہیں بس سادہ سے سمجھائیں۔'' اس نوجوان نے عاجزی سے کہا

''دیکھو، روشنی آتی ہے اور وہ کسی شے سے ٹکراتی ہے۔ سمجھیں سرخ گلاب پر روشنی پڑی۔ اب وہاں سے صرف وہیں شعاعیں آنکھ دیکھے گی، جہاں سرخی ہوگی، باقی جذب ہو جائے گا۔ پتہ سبز دکھائی دے گا کہ باقی روشنی کی شعاعیں وہاں جذب ہو جائیں گی۔'' شاہ صاحب نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا

''مطلب روشنی ہی میں سارے رنگ ہیں۔'' نوجوان سر ہلاتے ہوئے بولا

''جی ایسا ہی ہے۔ اس سے رنگ پھوٹتے ہیں۔ ایک بلوریں منشور سے ہم سفید روشنی میں موجود سارے رنگ دیکھ سکتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ بنیادی طور پر تین رنگ ہیں۔ نیلا، سرخ اور پیلا، یہ کسی سے نہیں بنتے بلکہ ان کے ملنے سے مزید رنگ بنتے چلے جاتے ہیں، یوں یہ بنیادی رنگ ہیں، باقی سارے رنگ ثانوی ہیں۔'' شاہ صاحب نے کہا تو وہ نوجوان چند لمحے خاموش رہا، پھر ان کی طرف دیکھ کر پوچھا

''کیا ایسا نہیں ہے کہ ہر رنگ کی اپنی اہمیت ہے۔ جیسے سفید اور کالا۔''

''چاہے کوئی رنگ بھی ہے، وہ رنگ ہی ہے، اب آپ نے سفید اور کالے رنگ کا ذکر کیا تو یہ متضاد رنگ بھی اپنے اندر رنگ رکھتے ہیں۔ جس طرح کالا رنگ سارے رنگوں کا مجموعہ ہے، اسی طرح سفید رنگ بھی مجموعہ ہے۔ اگر ان رنگوں کے مجموعہ میں سے چاہے سفید ہے یا کالا، کوئی ایک رنگ بھی نکال دیا جائے تو ان رنگوں کی ہیت بدل جائے گی، کوئی دوسرا رنگ بن جائے گا۔ کیونکہ یہ حقیقی رنگ نہیں ثانوی رنگ ہیں۔''

''مختلف لوگ کالے یا سفید رنگ کو بڑی اہمیت دیتے ہیں۔ جیسے کوئی ملنگ یا درویش کالے کو پسند کرتا ہے یا کوئی سفید جبہ پہنتا ہے۔''

''خیال یہی ہے کہ وہ یہ رنگ علامتوں کے طور پر لیتے ہیں اور ان رنگوں کے ساتھ کوئی نہ کوئی نسبت جوڑ لیتے ہیں۔ جیسے کالا رنگ ہے، اس رنگ کو سب سے اہم سمجھ بھی لیا جائے تو یہ پھر بھی ایک ثانوی رنگ ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس پر کوئی رنگ نہیں چڑھتا، یہ سب پر چڑھ جاتا ہے۔ اگر بات ایسے ہی ہو، تو اس میں سے ایک رنگ نکلنے سے اس کی اپنی ہیت نہیں بدلنی چاہئے۔ وہ تو بذات خود بنیادی رنگ نہیں ہے۔'' یہ کہہ کر وہ لمحہ بھر کو رُکے پھر کہتے چلے گئے، ''پھر دوسری بات، یہ کیا بات ہوئی کہ ایک ہی وقت میں آ کالے رنگ کو سوگ کا رنگ قرار دے کر، اس میں تقدس کی مثال لے لی جائے اور اسے حسن بھی کہا جائے، اگر کوہ طور سیاہ ہے تو کیا وہ رنگ کی وجہ سے اعلیٰ و ارفع ہے؟ ایسا

نہیں، اس کی وجہ دوسری ہے۔ بذات خود رنگ کو کیا پتہ کہ اسے کس علامت کے طور پر لیا جا رہا ہے، یہ تو ہم انسان اسے کسی بھی علامت کا نام دیئے چلے جا رہے ہیں۔ اپنی سوچ اور فکر کے مطابق۔ ایک پرندہ کوا ہے، کیا اسے صرف کالا ہونے کی وجہ سے گنہ گار قرار دے دیں، جبکہ جو بھی کوے کی صفات ہیں وہ رَبّ تعالیٰ نے دی ہیں۔ یہ ہم علامتیں بنا رہے ہیں، جیسے اُلّو مشرق میں منحوس اور مغرب میں دانشور ہے۔''

''لیکن شاہ صاحب اگر کالے رنگ کو تقدس کا رنگ دے ہی دیا جائے تو؟''

''دیکھیں۔ اکالے رنگ کو اس وقت استعمال کیا جاتا ہے، جب سفید رنگ کو ابھارنا ہو۔ سفیدی کو ظاہر کرنے کے لئے اس رنگ کا سہارا لیا جاتا ہے۔ کعبہ کے غلاف کا رنگ کالا ہے، کعبے کا تو نہیں، غلاف کے کالے ہونے کا مطلب یہ بھی تو ہے کہ یہ تمام انسانیت کو اپنی طرف بلانے کی علامت ہے۔ صوفیا نے کالے رنگ کو اگر لیا ہے تو ظاہری طور پر، ورنہ کالا رنگ اتنا ہی اہم ہوتا، تقدس کا رنگ ہوتا تو پھر دل کو صاف اور اجلا رکھنے پر زور کیوں دے دیا گیا۔ دل کالا کیوں نہیں کر لیتے، پھر کوئی رنگ چڑھتا ہی نہ۔ منہ کالا کیوں نہیں؟ جب کہ چہرہ روشن ہونا ایک نوید ہے۔ پہلے رنگ کی حقیقت کو مانا جاتا ہے پھر اس کی حیثیت کا تعین کیا جاتا ہے۔''

''جی رنگ کی سمجھ تو آ گئی، میں نے عرض کیا تھا صبغت اللہ، مطلب اللہ کا رنگ، وہ کیا ہے؟''

''اللہ سائیں اپنے بارے میں خود فرماتا ہے کہ میں نور ہوں،'' وہ اللہ ہی ہے جو زمینوں اور آسمانوں کا نور ہے۔ نور وہ بے رنگی ہے جس سے سارے رنگ پھوٹتے ہیں۔ یہ دنیا میں ہم جو بھی رنگ دیکھتے ہیں، آسمانوں میں جو بھی رنگ دکھائی دیتے ہیں، وہ اسی کی تخلیق ہیں۔ سارے رنگ اسی بے رنگ پیا کے ہیں۔''

''تو پھر انسان جو ایک مادی دنیا سے تعلق رکھتا ہے، وہ نور یا جو آپ بے رنگی فرما رہے ہیں یہ کیسے اور کیونکر؟'' وہ نوجوان بہت زیادہ اُلجھے ہوئے لہجے میں بولا تو شاہ صاحب نے فرمایا

''انسان کا رنگ کیا ہے؟ اسے سمجھنے کے لئے ہمیں انسان کو سمجھنا ہوگا۔ یہاں بغیر کسی بحث کے میں بتا دوں کہ انسان کی اصل بے رنگی ہی ہے۔ سفید یا کالا رنگ کوئی معیاری رنگ نہیں ہے، بلکہ انسان کا بے رنگ ہونا ہی اصل معیار ہے۔ انسان خود بے رنگ ہوگا تو اس سے رنگ پھوٹیں گے۔ ایک انسان بے رنگ ہُوا، دوسرا ہُوا جیسے جیسے انسان بے رنگ ہوتا جاتا ہے، وہ سب بے رنگی میں آ کر وحدت بناتے ہیں۔ اسی طرح پوری انسانیت کے ساتھ واحد ہو جائے گی۔ اب یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ انسانیت کا معیار کیا ہے؟ کیونکہ اسی معیار انسانیت کے ساتھ وحدت میں آنا ہوگا۔ پوری تاریخ میں یہ مانا گیا ہے کہ نبی ﷺ کی ذات مبارک معیارِ انسانیت ہے۔ اگر بے رنگی کا وہ معیار ہمارے پاس ہے تو ہم انسانیت کے ساتھ وحدت میں آ جائیں گے۔ اگر معیار کے ساتھ ہمیں بے رنگی کی کمی بیشی نظر آئے گی تو اسے پورا کیا جائے گا۔ یہ کمی بیشی پوری کرنا عشق کا کام ہے۔''

''کیا یہی بے رنگی ہی بندے اور ربّ میں قربت کا باعث بنے گی؟''

''جی بالکل۔!اب دیکھیں، ہوا یکتائی رکھتی ہے۔سبھی اس میں سانس لے رہے ہیں۔یعنی سب کے سب ہوا کے ساتھ یکتائی میں ہیں۔احد بے رنگ ہے، کیونکہ سارے رنگ وہیں سے پھوٹتے ہیں، وہ ان رنگوں کا خالق ہے۔اس کی بے رنگی اپنی ہے۔''

''انسان خود کو بے رنگ کر سکتا ہے؟''

''کیوں نہیں، انسان کی بے رنگی کا اعلیٰ ترین معیار نبی ﷺ کی ذات ہے۔اس معیار پر جس طرح آتے جائیں گے بے رنگی ہوتی جائے گی۔انسان دنیا کے رنگوں میں جتنا مرضی لتھڑا ہوا ہو۔سارے رنگ ملا کر وہ سیاہی میں ڈوبا ہوا، لیکن اس کے اندر بے رنگی کی صلاحیت پھر بھی ہے۔وہ خود دنیا کے رنگ اپنے آپ سے جدا کر سکتا ہے۔وہ جسے جیسے رنگ الگ کرتا جائے گا بے رنگی کی جانب بڑھتا جائے گا یہاں تک کہ وہ بے رنگ ہو جائے گا۔''

''شاہ صاحب۔!کیا آپ مجھے بے رنگی کے بارے میں بتائیں گے یہ کیا ہے، کیسے ہے؟'' اس نے حد درجہ تجسس سے پوچھا تو شاہ صاحب نے مسکراتے ہوئے فرمایا

''ابھی آپ اس پر غور و فکر کریں جو ہم نے آج بات کی ہے۔ان شاء اللہ ہم اس پر بات کر لیں گے۔''

''جی بہت شکریہ شاہ صاحب، جہاں بہت ساری باتیں سمجھنے کو ملیں، وہاں کچھ مزید تشنگی بھی بڑھ گئی، خیر میں حاضر ہوتا رہوں گا۔''

''جی بہتر۔'' شاہ صاحب نے کہا تو نوجوان نے اٹھ کر مصافحہ کیا اور کمرے سے باہر نکلتا چلا گیا۔شاہ صاحب کے چہرے پر گہری سوچ کے تاثرات تھے۔

❁ ❁ ❁

رات گہری ہو جانے کے باوجود طاہر سو نہیں پایا تھا۔جب کروٹیں بدل بدل کر تھک گیا تو بیڈ سے اٹھ کر ٹہلنے لگا۔وہاں بھی سکون نہیں ملا تو بیڈ روم سے باہر نکل کر کاریڈور میں پڑی کرسی پر آن بیٹھا۔وہاں دھیمی روشنی تھی۔آگے لان کافی روشن تھا، وہاں سے ذرا فاصلے پر اس کے سیکورٹی گارڈ کھڑے تھے۔ماحول میں کافی سناٹا تھا۔وہ اپنی بے چینی کو اچھی طرح سمجھ رہا تھا۔اس کے ذہن میں آیت النساء تھی۔وہ اس کے بارے میں جتنا بھی سوچتا، اتنا ہی الجھ رہا تھا۔وہ اس کے ساتھ لنچ نہیں لے پایا تھا۔وہ مصروف ہو گئی تھی۔شاید وہ اس کا انتظار کر لیتا، مگر اسے وزیر اعلیٰ آفس سے فون کالز آنے لگیں۔اس نے اپنی گاڑی منگوائی، آفس میں موجود ایک لڑکی کو بتایا اور وہاں سے چلا گیا۔ اگرچہ وہ بنیادی طور پر زمیندار گھرانے سے تعلق رکھتا تھا لیکن کئی برسوں سے وہ بھی کاروبار میں تھے۔وہ اچھی طرح سمجھ گیا تھا کہ آیت اس وقت کس طرح کا بزنس چلا رہی ہے۔وہ اس سے کسی طور بھی کم نہیں تھی۔یہ ابھی سامنے کی بات تھی۔ممکن ہے کچھ دنوں بعد اسے مزید معلوم ہو جائے۔لیکن دولت مندی کی یہ ساری باتیں اس کے لیے اہمیت نہیں رکھتی تھی۔اس کے لئے تو آیت کی ذات ہی میں اس قدر دلچسپی ہو گئی تھی کہ وہ خود اس پر حیران تھا۔ایسا ہو کیسے گیا؟

پہلی ملاقات میں وہ اسے نہ تو اسے خوبصورت لگی تھی اور نہ ہی اتنی پرکشش، جتنی اسے آج دیکھنے میں لگی۔ کیا دولت انسان کا حسن بڑھا دیتی ہے؟ یہ سوال اپنی جگہ لیکن یونیورسٹی دنوں میں جب تلاش کرنے کے باوجود اسے نہ ملی تو اس کے دل میں عجیب سا دکھ محسوس ہونے لگا تھا۔ اس نے منیب اور ساجد کے ساتھ اسے تلاش کیا، اور ان لڑکیوں تک جا پہنچے، جن کے پاس وہ ٹھہری تھی۔ انہوں نے بھی آیت کے بارے میں کچھ نہیں بتایا۔ وہاں سے مایوس ہونے کے بعد، اس نے ہاسپٹل سے بچے سرمد کا پتہ تلاش کیا اور پھر معلومات کروانے کے بعد جب ان کے ہاں پہنچا تو وہاں سے اسے جو معلومات ملی، وہ کچھ ایسی تھیں، جن سے آیت کے بارے میں اچھا تاثر نہیں جا رہا تھا۔ وہ سرمد کے تایا ابرار حسین سے ملا تھا۔ جو ان کی ہی فیکٹری میں کام کرتا تھا۔ اس نے ایک نئی کہانی سنائی تھی۔ اس نے کچھ یوں بتایا تھا

''اُو سر جی، میرا ایک بھائی تھا، وقار حسین، لاہور میں پڑھتا تھا۔ بڑا سوہنا نوجوان تھا۔ یہ لڑکی اس پر عاشق تھی۔ جس وقت ہم نے وقار حسین کی شادی کی تھی، ان دنوں وہ یونیورسٹی ہی میں پڑھ رہا تھا۔ اس وقت ہمیں بھی نہیں معلوم تھا کہ یہ لڑکی ہمارے بھائی کے پیچھے لگی ہوئی ہے۔ تقریباً ایک برس بعد وقار کے ہاں اللہ نے بیٹا دیا۔ ہم سب بہت خوش تھے۔ بس انہی دنوں ہمارا بھائی قتل ہو گیا۔ وہیں لاہور میں۔ ہم نے تو بس اس کی نعش ہی وصول کی تھی۔ پھر پتہ نہیں اس لڑکی کا انتقام پورا نہیں ہوا تھا۔ وہ ہماری بھابی کے پیچھے آنے لگی۔ سرمد بیمار ہو گیا۔ سنا ہے وہ اس کے علاج کے چکر میں یہاں آئی تھی۔ اب چند دن ہوئے ہماری بھابی کو بھی نجانے کہاں لے گئی ہے۔ پتہ نہیں ہماری بھابھی پر اس نے کیا جادو کیا ہے۔''

''کیا تم اسے جانتے ہو، کون ہے، کہاں رہتی ہے؟'' طاہر نے اپنے تجسس کو دباتے ہوئے پوچھا

''مجھے صرف اتنا پتہ ہے کہ وہ لاہور کی ہے، کسی امیر کبیر خاندان سے تعلق رکھتی ہے۔'' وہ اتنا ہی بتا پایا تھا۔

''تم نے پتہ نہیں کیا، وہ تمہاری بھابھی کو اپنے ساتھ لے گئی، سرمد تمہارا بھتیجا ہے؟'' طاہر حیرت سے پوچھا

''ہماری بھابھی اپنی مرضی کی مالک ہے، ہم کیا کہہ سکتے، ہمارا کوئی زور تو نہیں اس پر، جس سے شادی کی اب وہ ہی نہیں رہا تو کیا کریں۔'' ابرار حسین نے جواب دیا

''ٹھیک ہے، لیکن اس کا پتہ کرو۔'' طاہر نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا، حالانکہ یوں کہنے میں اس کی اپنی خواہش زیادہ تھی۔ اس نے وعدہ کر لیا کہ وہ تلاش کرے گا لیکن پھر بعد میں اس نے رابطہ ہی نہیں کیا۔

شاید وہ اپنی پوری توجہ لگا کر رابعہ کو تلاش کرنے کی کوشش کرتا۔ اور اس کے ذریعے سے وہ آیت کو ڈھونڈھ لیتا۔ لیکن انہی دنوں الیکشن کا اعلان ہو گیا۔ اس کے بابا سکندر حیات نے فیصلہ کر لیا کہ اس بار طاہر الیکشن لڑے گا۔ اسے اپنی ساری توانائیاں الیکشن پر لگانا پڑیں۔ الیکشن شروع ہوتے ہی جویریہ اور اس کا باپ انعام الحق ان کے ہاں آ گئے۔ سب سے پہلے انہوں نے ہی حمایت کا اعلان کیا۔ جویریہ پورے الیکشن میں اس کے ساتھ رہی۔ یہاں تک کہ الیکشن ہو گیا۔ وہ اسمبلی کا رکن بن گیا۔ بابا نے لاہور میں موجود ''ڈیرہ'' اس

کے تصرف میں دے دیا۔ جو نجانے کب کا انہوں نے لاہور میں بنایا ہوا تھا۔ الیکشن کے بعد جویریہ سے اس کا رابطہ رہا، لیکن پھر لاہور کی مصروفیات کی وجہ سے کم ہوتا چلا گیا۔

طاہر کے گمان میں بھی نہیں تھا کہ آیت النساء اسے دوبارہ یوں ملے گی۔ پہلی نگاہ میں تو وہ اسے پہچان ہی نہیں پایا تھا۔ وہ پہلے والی آیت لگ ہی نہیں رہی تھی۔ اگرچہ اس وفد میں اس کا ہونا ہی بہت بڑی بات تھی۔ لیکن اس کی شخصیت ہی نکھری ہوئی تھی۔ وہ خود سے بیگانہ آیت، جس سے وہ ملا تھا، وہ ویسی نہیں تھی۔ ترو تازہ چہرہ، بھرے بھرے گلابی گال، ہلکا ہلکا کاجل لگی آنکھیں، جن میں اعتماد کے ساتھ سکون کا بے کراں سمندر تھا۔ سمارٹ سی، با اعتماد آیت میں اتنا تضاد دیکھا تو ایک بار ڈگمگا ہی گیا تھا۔ کہاں وہ ایک عام سی لڑکی، جس پر اس نے بھی شک کیا تھا، اور کہاں اس کے سامنے بیٹھی ہوئی ایک بزنس ویمن۔ وہ میٹنگ بھول گیا، بس اسی تصدیق میں لگا رہا کہ وہ واقعی ہی آیت النساء ہے؟ لاشعوری طور پر اس کی نگاہ اس کی کلائی پر پڑی تھی، ویسا ہی کنگن اس کے ہاتھ میں تھا۔ اسی جیسے سچے موتیوں کے بندے اس کے کانوں میں تھے، ویسی ہی انگوٹھی اس کے دائیں ہاتھ کی انگلی میں چمک رہی تھی۔ اس کے گلے میں سفید موتیوں کا ہار دیکھ کر طاہر کو لگا کہ یہ زیور تو کوئی اہمیت نہیں رکھتے ہوں گے اس کے لئے؟ وہ پھر سے ویسا ہی زیور پہنے بیٹھی تھی، جیسا اس نے خریدا تھا۔ وہ میٹنگ میں بولی تو اسے لگا کہ وہ بزنس بارے جانتی ہے۔ جس طرح اس کی شخصیت اس پر واضح ہوتی چلی جا رہی تھی۔ وہ الجھتا چلا جا رہا تھا۔ اس کا دماغ سوالوں کی بھرمار سے جیسے بھر گیا۔ وہ بہت کچھ پوچھنا چاہتا تھا۔ لیکن اسے یہ بھی خدشہ تھا کہ پتہ نہیں وہ اسے پہچانتی بھی ہے کہ نہیں؟ وہ اس سے بات بھی کرے گی؟ اور اگر پہچان بھی گئی تو اس کا رویہ کیسا ہوگا؟ وہ طاہر جو خود بڑا با اعتماد تھا، اس کی شخصیت کے سامنے کنفیوژ ہو گیا تھا۔

میٹنگ کا اُسے کچھ پتہ نہیں چلا تھا، کیا ہوا کیا نہیں لیکن آیت کے رویے نے اُسے خوشگوار حیرت میں ڈال دیا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ اس کے ساتھ باتیں ہی کرتا چلا جائے، لیکن ایسا نہ ہو پایا۔ وہ تشنگی جو اسے یونیورسٹی میں ملی تھی، وہی اب شدت اختیار کر گئی تھی۔ آیت اُسے ایک معمہ لگی تھی، جسے حل کرنے کی اس کے اندر شدید خواہش جنم لے چکی تھی۔ دن بھر مختلف کاموں نے اُسے الجھائے رکھا، واپس لوٹا، تنہائی ملی تو آیت کو سوچنے بیٹھ گیا۔ پھر یہ سوچ اس قدر پھیلی کہ وہ خود بے چین ہو گیا۔ اس نے نگاہ بھر کر سامنے دیکھا، سیکورٹی والے الرٹ کھڑے تھے۔ وہ کچھ دیر انہیں دیکھتا رہا، خود کو آیت کی سوچ سے آزاد کرنے کی کوشش کرتا ہوا اٹھ کر اندر چلا گیا۔

اگلے دن صبح بیدار ہوا تو رات کی سوچیں ہنوز تازہ تھیں۔ یہاں تک کہ دوپہر ہو گئی۔ وہ بے چین ہو گیا۔ اس نے اپنی کار اسی بلڈنگ کے سامنے جا روکی، جہاں آیت کا آفس تھا۔ جس وقت وہ گھر سے نکلا تھا، اسی وقت سے اس کے ذہن میں تھا کہ اسے فون کر لے۔ ممکن ہے وہ کہیں مصروف ہو۔ شاید وہ فون کر لیتا لیکن اس کے پاس نمبر ہی نہیں تھا۔ تلاش کے بعد اس کی کمپنی کا نمبر تو مل ہی جاتا مگر اس نے تلاش میں وقت ضائع نہیں کیا بلکہ اس کے آفس ہی جا پہنچا۔ اس نے کار پارکنگ میں لگائی اور استقبالیہ پر آ گیا۔

''مجھے محترمہ آیت النساء سے ملنا ہے۔'' اس نے کاؤنٹر کے دوسری جانب کھڑی کومل سی لڑکی سے کہا

"کیا آپ نے پہلے سے وقت لیا ہے؟" اس نے طاہر کو غور سے دیکھتے ہوئے پوچھا

"نہیں، آپ بس انہیں میرا نام بتا دیں۔" اس نے دھیمے سے انداز میں کہا

"آپ کا نام کیا ہے جناب؟" اس لڑکی نے سنجیدگی سے پوچھتے ہوئے انٹر کام کا رسیور اٹھا لیا۔ طاہر نے اپنا نام بتایا تو لڑکی نے پھر غور سے اسے دیکھا اور انٹر کام پر بات کرنے لگی۔ اس نے دھیمی آواز میں بات کی تھی جو طاہر کو سنائی نہیں دی۔ چند لمحوں بعد ہی اس لڑکی نے رسیور رکھتے ہوئے سامنے صوفے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا، "آپ پلیز، یہاں تشریف رکھیں، چند منٹ بعد آپ کو بتاتے ہیں۔"

اگرچہ یہ رویہ بڑا اہتک آمیز لگتا تھا، کوئی دوسرا وقت ہوتا تو شاید اسے برداشت نہ کرتا۔ لیکن اس وقت وہ خود ایک عام سے بندے کی حیثیت سے وہاں کھڑا تھا۔ اور ظاہر ہے اس کے ساتھ بھی رویہ عام سے بندے کا ہی ہو سکتا تھا۔ اسی لئے بڑے سکون سے کہا

"ٹھیک ہے۔"

یہ کہتے ہوئے وہ سامنے دھرے صوفے پر جا بیٹھا۔ اس کے من میں ذرا سی بھی یہ بات نہیں آئی کہ وہ خود کیا حیثیت رکھتا ہے۔ نجانے وہ کون سی طاقت تھی، جس نے اسے ایسا کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔ چند منٹ سے کئی منٹ گذر گئے، استقبالیہ والی لڑکی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ تبھی بتاتی اگر اسے کوئی جواب ملتا۔ تقریباً پندرہ منٹ بعد اس نے تیزی سے آتی ہوئی آیت النساء کو دیکھا۔ آیت کے ساتھ دو گارڈ تھے۔ اس نے سامنے بیٹھے طاہر کی جانب دیکھتے ہی انہیں واپس جانے کا اشارہ کیا تو وہ وہیں رُک گئے۔ وہ طاہر کی جانب بڑھی اور قریب آتے ہی بولی

"آؤ چلیں۔" طاہر نے کوئی جواب نہیں دیا۔ بلکہ اٹھ کر اس کے ساتھ چل دیا۔ وہ باہر آئے تو آیت نے پوچھا، "کہاں ہے تمہاری گاڑی؟"

"پارکنگ میں۔"

"اسے وہیں رہنے دو۔" وہ دھیمے سے لہجے میں بولی۔ تبھی اُس کی قیمتی کار اُن کے قریب آ گئی۔ کچھ دیر بعد وہ ڈرائیونگ سیٹ پر تھی اور طاہر اس کے ساتھ پسنجر سیٹ پر بیٹھا ہوا جا رہا تھا۔

"کہاں جا رہی ہو؟" طاہر نے عام سے لہجے میں پوچھا

"کل تم لنچ لئے بغیر چلے گئے تھے، سوچا آج کر لیتے ہیں۔" آیت نے خوشگوار لہجے میں کہا پھر چند لمحوں بعد اسے خیال آیا تو بولی، "اگر تم نے آنا تھا تو کال کر لیتے، یوں تمہیں انتظار نہیں کرنا پڑتا۔"

"تم نے اپنا نمبر ہی نہیں دیا تھا، کال کہاں کرتا۔" طاہر نے مسکراتے ہوئے کہا تو وہ خوشگوار حیرت سے ہنستے ہوئے بولی

"اوہ، اچھا۔ تم نے بھی تو اپنا نمبر نہیں دیا تھا اور نہ مجھ سے نمبر مانگا۔"

''ہاں یہ بات تو ہے لیکن میں اس پر ہی خوش ہو گیا تھا کہ تم نے دوبارہ ملنے کی اجازت تو دی۔'' طاہر نے کہا

''ویسے مجھے گمان نہیں تھا کہ ہم اتنی جلدی مل جائیں گے۔'' آیت نے یونہی سرسری سے انداز میں کہا

''مجھے تمہاری ایک بات یاد ہے آیت، ممکن ہے تمہیں یاد نہ ہو۔ وہ تم نے پہلی ملاقات میں کہی تھی، تب میں نہیں سمجھ سکا تھا، لیکن اب شاید اس بات کی سمجھ آ جائے۔'' طاہر نے سنجیدگی سے کہا

''وہ کون سی بات تھی؟'' اس نے یاد کرتے ہوئے تجسس سے پوچھا

''تم نے کہا تھا کہ ہماری ملاقات اتفاق سے نہیں ہوئی۔ بلکہ کسی کی مرضی تھی کہ ہم ملیں، یاد ہے؟'' اس نے آیت کے چہرے پر دیکھتے ہوئے پوچھا

''آں...... ہاں...... یاد ہے، بالکل یاد ہے۔'' وہ دھیرے سے ٹھہر ٹھہر کر یوں بولی جیسے کوئی اہم بات یاد آ گئی ہو۔ ایسی بات جسے وہ بھول رہی تھی۔

''ممکن ہے ہماری یہ ملاقات بھی اسی کی مرضی سے ہو، کیا خیال ہے؟'' اس نے کہا تو وہ ایک دم سے چونک گئی، وہ کچھ دیر تک خاموشی سے اس پر سوچتی رہی، پھر بولی

''اچھا کیا...... مجھے یہ بات یاد دلا دی۔''

''کیوں کیا ہوا؟'' طاہر نے پوچھا

''مجھے ایک فیصلہ کرنے میں آسانی ہو گئی۔'' وہ سکون سے بولی

''کیسا فیصلہ؟'' اس نے پوچھا

''تمہیں میرے بارے میں تجسس تھا نا؟''

''ہاں، وہ تو اب بھی ہے۔'' وہ بولا تو اس نے سوچتے ہوئے لہجے میں کہا

''میں یہ فیصلہ نہیں کر پا رہی تھی کہ اپنے بارے میں تمہیں بتاؤں یا نہیں۔''

''تو پھر کیا فیصلہ ہوا؟'' اس نے تیزی سے پوچھا

''میں تمہیں سب بتاؤں گی، تمہارے ایک ایک سوال کا جواب دوں گی، یہاں تک کہ تم مطمئن ہو جاؤ۔'' اس نے حتمی لہجے میں کہا

''تو چلیں کسی پرسکون جگہ پر، میرا مطلب ہے جہاں ہمیں کوئی ڈسٹرب نہ کر سکے؟'' اس نے صلاح دیتے ہوئے پوچھا

''ہم وہیں جا رہے ہیں۔'' اس نے یوں کہا جیسے اس کا دھیان کسی دوسری طرف ہو۔

ان کے سفر کا اختتام ایک فارم ہاؤس پر ہوا۔ جس کا رہائشی پورشن بہت شاندار اور سرسبز وشاداب تھا۔ طاہر دیکھ چکا تھا کہ یہاں پر سیکورٹی کا کافی بندوبست تھا۔ آیت نے کار پورچ میں روکی۔ تبھی چند گارڈ آگے بڑھے۔ انہوں نے سلام کیا تو وہ جواب دیتے ہوئے آگے بڑھ گئی۔ طاہر اس کے ساتھ تھا، وہ دونوں لاؤنج میں گئے تو سامنے صوفے پر رابعہ بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کے ساتھ سرمد بیٹھا ہوا تھا۔ بہت اچھی صحت، گول مٹول، سلکی بال، گہری آنکھیں، گلابی مائل گول چہرہ، نیکر ٹی شرٹ میں ملبوس کرسی پر بیٹھا تھا۔ اس نے کار رکتے ہی مڑ کر دیکھا تھا۔ انہیں دیکھتے ہی رابعہ کھڑی ہوگئی لیکن سرمد یوں تیزی سے اس کی جانب بڑھا جیسے اس کی اصل ماں آگئی ہو۔ وہ بھاگتا ہوا آیت کے گلے لگ گیا۔ وہ اس کے ساتھ یوں جڑا ہوا تھا جیسے بچھڑنے کے بعد ملا ہو۔ سرمد کے والہانہ انداز میں سے آیت کی کشش صاف دکھائی دے رہی تھی۔ دونوں میں کس قدر ربط تھا، طاہر بخوبی سمجھ سکتا تھا۔ وہ کچھ دیر سرمد کو پیار کرتی رہی پھر اسے خود سے الگ کیا تو سرمد کی نگاہ طاہر پر پڑی۔ اس کی نگاہوں میں اجنبیت تھی، پھر بھی وہ طاہر کی جانب بڑھا اور اس نے اپنا ننھا سا ہاتھ مصافحہ کے لئے اس کی جانب بڑھایا۔ نجانے طاہر اس وقت کس کیفیت میں تھا کہ اس نے دونوں ہاتھوں سے سرمد کا ہاتھ تھام لیا۔ پھر اس کے پھولے ہوئے گالوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے اسے پیار کیا۔ سرمد نے ہاتھ چھڑایا اور آیت کے پاس چلا گیا جو صوفے پر بیٹھی رابعہ سے حال احوال پوچھ رہی تھی۔ سرمد اس کے ساتھ بیٹھ گیا تھا۔ اس کے ساتھ ہی پڑے صوفے پر طاہر بیٹھا تو رابعہ اندر چلی گئی۔ طاہر دیکھتا رہا، وہ سرمد میں گم تھی۔ اس کی باتیں یوں سن رہی تھی جیسے وہ کوئی بہت اہم باتیں کر رہا ہو۔ کچھ دیر تک وہ طاہر کو بھی بھولی رہی یا پھر طاہر کو یہی گمان ہوتا رہا کہ سرمد کو ملنے کے بعد سارے جہان ہی کو بھول گئی ہے۔ کچھ دیر بعد وہاں کی ملازمہ مشروب لے کر لاؤنج میں آگئی۔ اس نے ٹرے میز پر رکھی تو رابعہ بھی آکر وہیں بیٹھ گئی۔ تب آیت نے طاہر کی طرف دیکھ کر رابعہ سے کہا

"یہ طاہر باجوہ ہیں، تمہارے ہی علاقے کے ایک زمیندار کے بیٹے، آج کل یہاں رہ رہے ہیں، کیونکہ یہ اپنے علاقے کی نمائندگی کر رہے ہیں، رکن اسمبلی ہیں۔"

"جی۔" رابعہ اتنا ہی کہہ سکی۔ تب آیت نے کہا

"ہم آج شام تک یہیں ہیں۔ میں اور سرمد آج ان کے ساتھ لنچ لیں گے۔"

"جی ٹھیک ہے۔" رابعہ نے کہا۔ تب تک ملازمہ واپس جا چکی تھی۔

لنچ کے بعد جب سرمد سو گیا تو رابعہ اسے اپنے کمرے میں لے گئی۔ اور وہ دونوں بھی ایک کمرے میں چلے گئے جہاں مکمل سکون تھا۔ ان کے سامنے چائے کے مگ رکھ دیئے گئے۔ تبھی مگ سے چائے کا سپ لیتے ہوئے آیت بولی

"میرے دادا جی، فضل داد کے دو بیٹے تھے۔ سلیم فضل اور فہیم فضل۔ میرے چاچا فہیم کے بیٹے اویس کے ساتھ میری منگنی ہو چکی تھی۔ یہ منگنی کب ہوئی تھی، اس کا مجھے بھی نہیں یاد تھا۔ یہیں لڑکپن کے ابتدائی دنوں میں سب گھر والوں کی مرضی سے ہوئی تھی۔ میں بھی ذہنی

طور پر اویس کو قبول کر چکی تھی۔ ایک عام مشرقی لڑکی کی طرح میں بھی اسے چاہتی تھی۔ وہ میرا ہونے والا شوہر تھا۔ مجھے اس کی اچھی بات یہ لگتی تھی کہ اس نے کبھی میرے معاملے میں مجھے روکا ٹوکا نہیں تھا۔ میری خواہش تھی کہ جتنا پڑھ سکتی ہوں اتنا پڑھوں۔ دراصل میرے بابا فہیم نے میرے اندر ایک جذبہ بیدار کر دیا تھا۔ وہ میری تربیت اپنے حساب سے کر رہے تھے۔ ان کی منشاء یہ تھی میں نہ صرف کاروبار کو سمجھوں بلکہ اسے جدید انداز میں چلانے کے لئے تعلیم حاصل کروں۔ زندگی کے کسی بھی حصے میں اگر مجھے ضرورت پڑے تو میں کسی کی محتاج نہ رہوں۔ بابا کی اس خواہش کو دادا نے مہمیز دی اور یوں میں بزنس کی تعلیم کے لئے کوشاں رہی۔ اویس مجھ سے ایک برس آگے تھا، تب تک ہر معاملہ ٹھیک چل رہا تھا۔"

"مطلب اس کے بعد کوئی خرابی آگئی؟" طاہر نے جلدی سے پوچھا

"نہیں خرابی نہیں۔" یہ کہہ کر وہ لمحہ بھر سوچنے کو رکی پھر بولی۔ "بعض اوقات انسان سوچتا ہے کہ اس کے ساتھ برا ہوا، لیکن ہر بار ایسا نہیں ہوتا۔ یہ بہت بعد میں کہیں جا کر پتہ چلتا ہے کہ نہیں، یہ اچھائی کی شروعات تھیں۔ قدرت کہہ لو یا قسمت کا نام دے لو، وہ کچھ الگ سے چاہ رہی ہوتی ہے۔ رب کے نظام کے برعکس جب جاتے ہیں تو ہماری خواہشیں اور ارادے ٹوٹ جاتے ہیں۔"

"ہاں یہ تو تم نے ٹھیک کہا۔ آگے کیا ہوا؟" طاہر نے تجسس سے پوچھا

"ہاں۔! انہی دنوں یونیورسٹی کے پہلے سال میں آئی تو ہمارا ایک کلاس فیلو تھا، وقار حسین، وہ جس کے بھائیوں سے تم ملے تھے، وہ مجھ میں کچھ زیادہ ہی دلچسپی لینے لگا۔ میرا چونکہ دھیان ہی اس طرف نہیں تھا اس لئے پہلے دو چار مہینے تو میں نے اس کی توجہ کو محسوس نہیں کیا۔" وہ اپنی رُو میں کہتی جا رہی تھی کہ طاہر نے اسے ٹوکتے ہوئے پوچھا

"نہیں یہاں تھوڑا رُکو، ایک بات بتاؤ، جسے تم 'توجہ' کا نام دے رہی ہو، وہ کیا تھی، کیسی تھی؟"

اس پر آیت نے ایک لمحہ بھی نہیں سوچا بلکہ اگلے ہی لمحے کہیں گم ہوتے ہوئے کہتی چلی گئی۔

"وہ میری طرف دیکھتا تھا، اس کے دیکھنے میں ایک جاذبیت تھی، ایک کشش تھی، جیسے وہ میرے اندر سے توانائی کشید کر رہا ہے۔ مجھے یوں لگتا جیسے میں اس کے حصار میں ہوں۔ میرے اردگرد بہت سارے لوگ تھے۔ میں کوئی چھوئی موئی ٹائپ لڑکی نہیں تھی۔ مجھ میں بڑا اعتماد تھا لیکن میں اس کا سامنا کرتے ہوئے گھبرا جایا کرتی تھی۔ بعض اوقات مجھے اس کے قریب ہونے سے بڑا سکون ملتا تھا، نجانے کیا تھا، میں کوئی حتمی فیصلہ نہیں کر پائی تھی اس کے بارے میں۔"

"کیوں نہیں، مطلب کوئی فیصلہ کیوں نہیں ہوا اس کی شخصیت کے بارے میں۔"

"نہیں وہ شخصیت کے حوالے سے بہت اچھا تھا، مطلب کہو تو بیسٹ۔ وہ وجیہ تھا، دراز قد، سرخ و سپید چہرہ۔ گھنے بال، ہلکی ہلکی داڑھی، کپڑے پہننے کا سلیقہ بھی تھا اسے۔ مطلب وہ سب جو ایک لڑکے میں بیسٹ ہو سکتا ہے۔ ہمارے درمیان ایک اچھا تعلق بن گیا تھا۔

وہ ہمارے گروپ میں تھا۔ اچھی دوستی تھی۔ اس کا رویہ بہت اچھا تھا۔ گفتگو بہت بہت سنبھل کر کرتا تھا، مہذبانہ رویہ ہوتا تھا، ایک لڑکے میں جو خوبیاں ہونی چاہئیں تھیں، وہ اس میں موجود تھیں۔ فیصلہ شاید اس لئے نہیں ہو پا رہا تھا کہ میں خود منگنی یافتہ لڑکی تھی۔ کوئی ایسی لڑکی جس کی زندگی میں کوئی مرد نہ آیا ہوا ہو، ممکن ہے وہ خود کو وقار حسین سے کمتر ہی خیال کرتی۔ اس کا میرے ساتھ رویہ کوئی برا نہیں تھا، یا مجھے یہ محسوس ہوتا کہ وہ کوئی بری نیت رکھتا ہے۔ بس وہ دھیرے دھیرے میرے حواس پر چھا گیا تھا۔'' آیت نے یاسیت سے کہا

''مطلب تم بھی اس سے محبت کرنے لگی؟'' طاہر نے پوچھا

''ارے نہیں، ایسا تو میں نے ایک فیصد بھی محسوس نہیں کیا تھا۔ ضروری نہیں کہ ہر پسند آنے والے بندے کے ساتھ محبت ہو جائے۔ کوئی پسند آجانا، یا کسی کے اچھے ہونے کا مطلب یہ نہیں کہ اس سے محبت ہو جائے۔''

''اچھا یار اب وقار حسین کی تعریفوں سے باہر نکلو، آگے بتاؤ'' طاہر نے ہنستے ہوئے کہا

''شاید مجھے احساس نہ ہوتا، یا محسوس کر کے بھی میں نظر انداز کر دیتی لیکن میرے ساتھ گروپ میں جو لڑکیاں تھیں، انہوں نے بات کا بتنگڑ بنانا شروع کر دیا۔ ظاہر ہے وہ بھی تو یہ سب دیکھ رہی تھیں۔ تب میں نے بھی سنجیدگی سے سوچا کہ ایسا نہیں ہونا چاہئے۔ اولیس کو، ہمارے خاندان والوں کو پتہ چلے یا پھر یونیورسٹی میں کوئی اسکینڈل بن جائے تو یہ میری ذات، میرے کردار پر دھبہ لگنے والی بات تھی، جسے میں قطعاً برداشت نہیں کر سکتی تھی۔ میں نے اس پر سوچ کر ایک فیصلہ کیا کہ وقار حسین کو سمجھا دوں۔'' آیت نے پرانے لمحوں میں گم ہوتے ہوئے کہا تو طاہر تیزی سے بولا

''اچھا، پھر تم نے اس سے بات کی؟''

''ہاں، میں نے ایک دن اسے بلا کر ایک ریستوران میں ملنے کو کہا۔ ہم وہاں ملے۔ میں نے بہت مناسب لفظوں میں تمہید باندھ کر اس کے رویے کے بارے میں پوچھا، تو اس نے میری ساری بات سن کر کہہ دیا کہ وہ مجھ سے محبت کرتا ہے، ایسی محبت کہ شاید کوئی دوسرا نہ کر سکے۔''

''صاف کہہ دیا اس نے۔ مطلب اسے تم سے محبت تھی؟'' اس نے خوشگوار حیرت سے پوچھا

''شاید محبت سے بھی آگے کچھ۔ میں نے پوچھا اور اس نے اقرار کرنے میں لمحہ بھی نہیں لگایا'' اس نے کھوئے ہوئے انداز میں کہا تو وہ تیزی سے بولا

''تم نے یہ نہیں کہا کہ تمہاری منگنی ہو چکی ہے۔ یونیورسٹی میں تمہاری ذات، اسکینڈل اور......''

''ساری باتیں کیں اور پوری تفصیل سے کیں۔ سب کچھ سن کر اس نے کہا میرے منہ سے کبھی کسی دوسرے کے سامنے یہ لفظ نہ نکلا ہے اور نہ نکلے گا۔ میرے کسی عمل سے کسی کو محسوس ہوا تو میں معذرت خواہ ہوں۔ اب کوئی پوچھے تو آپ تردید کر دیں۔ آپ کو تو مجھ سے

وہ ہمارے گروپ میں تھا۔ اچھی دوستی تھی۔ اس کا رویہ بہت اچھا تھا۔ گفتگو بہت بہت سنبھل کر کرتا تھا، مہذبانہ رویہ ہوتا تھا، ایک لڑکے میں جو خوبیاں ہونی چاہئیں تھیں، وہ اس میں موجود تھیں۔ فیصلہ شاید اس لئے نہیں ہو پا رہا تھا کہ میں خود منگنی یافتہ لڑکی تھی۔ کوئی ایسی لڑکی جس کی زندگی میں کوئی مرد نہ آیا ہوا ہو، ممکن ہے وہ خود کو وقار حسین سے کمتر ہی خیال کرتی۔ اس کا میرے ساتھ رویہ کوئی برا نہیں تھا، یا مجھے یہ محسوس ہوتا کہ وہ کوئی بری نیت رکھتا ہے۔ بس وہ دھیرے دھیرے میرے حواس پر چھا گیا تھا۔'' آیت نے یاسیت سے کہا

''مطلب تم بھی اس سے محبت کرنے لگی؟'' طاہر نے پوچھا

''ارے نہیں، ایسا تو میں نے ایک فیصد بھی محسوس نہیں کیا تھا۔ ضروری نہیں کہ ہر پسند آنے والے بندے کے ساتھ محبت ہو جائے۔ کوئی پسند آ جانا، یا کسی کے اچھے ہونے کا مطلب یہ نہیں کہ اس سے محبت ہو جائے۔''

''اچھا یار اب وقار حسین کی تعریفوں سے باہر نکلو، آگے بتاؤ۔'' طاہر نے ہنستے ہوئے کہا

''شاید مجھے احساس نہ ہوتا، یا محسوس کر کے بھی میں نظر انداز کر دیتی لیکن میرے ساتھ گروپ میں جو لڑکیاں تھیں، انہوں نے بات کا بتنگڑ بنانا شروع کر دیا۔ ظاہر ہے وہ بھی تو یہ سب دیکھ رہی تھیں۔ تب میں نے بھی سنجیدگی سے سوچا کہ ایسا نہیں ہونا چاہئے۔ اویس کو، ہمارے خاندان والوں کو پتہ چلے یا پھر یونیورسٹی میں کوئی اسکینڈل بن جائے تو یہ میری ذات، میرے کردار پر دھبہ لگنے والی بات تھی، جسے میں قطعاً برداشت نہیں کر سکتی تھی۔ میں نے اس پر سوچ کر ایک فیصلہ کیا کہ وقار حسین کو سمجھا دوں۔'' آیت نے پرانے لمحوں میں گم ہوتے ہوئے کہا تو طاہر تیزی سے بولا

''اچھا، پھر تم نے اس سے بات کی؟''

''ہاں، میں نے ایک دن اسے بلا کر ایک ریستوران میں ملنے کو کہا۔ ہم وہاں ملے۔ میں نے بہت مناسب لفظوں میں تمہید باندھ کر اس کے رویے کے بارے میں پوچھا، تو اس نے میری ساری بات سن کر کہہ دیا کہ وہ مجھ سے محبت کرتا ہے، ایسی محبت کہ شاید کوئی دوسرا نہ کر سکے۔''

''صاف کہہ دیا اس نے۔ مطلب اسے تم سے محبت تھی؟'' اس نے خوشگوار حیرت سے پوچھا

''شاید محبت سے بھی آگے کچھ۔ میں نے پوچھا اور اس نے اقرار کرنے میں لمحہ بھی نہیں لگایا۔'' اس نے کھوئے ہوئے انداز میں کہا تو وہ تیزی سے بولا

''تم نے یہ نہیں کہا کہ تمہاری منگنی ہو چکی ہے۔ یونیورسٹی میں تمہاری ذات، اسکینڈل اور......''

''ساری باتیں کیں اور پوری تفصیل سے کیں۔ سب کچھ سن کر اس نے کہا میرے منہ سے کبھی کسی دوسرے کے سامنے یہ لفظ نہ نکلا ہے اور نہ نکلے گا۔ میرے کسی عمل سے کسی کو محسوس ہوا تو میں معذرت خواہ ہوں۔ اب کوئی پوچھے تو آپ تردید کر دیں۔ آپ کو تو مجھ سے

محبت نہیں ہے نا۔آپ سچ بولیں گی۔‘‘

’’واہ۔!اس نے یہ نہیں کہا کہ تم بھی مجھ سے محبت کرو یا کوئی ایسی بات؟ مثلاً جیسے کہ میں تمہارے بنا نہیں رہ سکتا۔میری زندگی تم ہو،تم نہ ملی تو میں مرجاؤں گا وغیرہ۔‘‘ طاہر نے حیرت سے پوچھا

’’نہیں، بلکہ اس نے کہا کہ محبت مجھے ہے اور میں کرتا رہوں گا،تمہیں کبھی نہیں کہوں گا کہ تم مجھے محبت کرو، کیونکہ یہ نہ دان کی جا سکتی ہے اور نہ چھینی جاسکتی ہے۔یہ تو من مرضی کا سودا ہے۔‘‘ اس نے یوں کہا جیسے وہ اس لمحے میں کہیں کھو گئی ہو

’’اچھا تو پھر؟‘‘ اس نے تیزی سے پوچھا

’’وہ میری اس سے تنہائی میں پہلی ملاقات تھی۔مجھے اس کی اندر کی سچائی، اعتماد اور حوصلے نے متاثر تو کیا۔لیکن یہ بات صاف ہو گئی کہ وہ میرے لئے کسی طرح بھی تکلیف دہ نہیں ہو سکتا تھا۔‘‘ وہ یوں بولی جیسے وہ اس دور سے باہر آگئی اور خود کو سمیٹ رہی ہو۔طاہر نے آیت کے چہرے پر دیکھا اور بولا

’’اعتراض کرنے کو تو میں کر سکتا ہوں یہ کیا سچائی ہوئی کہ اس نے اپنی خواہش کا اظہار کر دیا، اور تم اس سے متاثر ہو گئی۔تم یہ سچ کیوں نہیں بولتی ہو کہ اس نے اپنی وجاہت سے تمہاری توجہ کھینچ لی تھی۔اور بہت ساری وجوہات ہو سکتی ہیں۔لیکن خیر، میں مان لیتا ہوں کہ اس نے سچ بولا۔‘‘

’’تم اب بھی غلط سمجھ رہے ہو۔وہ وجیہ تھا، اس میں کوئی شک نہیں، لیکن ایک بات سمجھا دوں، بات چاہے ایک ہی ہو مگر لہجہ اور لفظوں سے پتہ چل جاتا ہے کہ تاثر خوشبودار ہے یا بدبودار۔‘‘ وہ سنجیدگی سے بولی

’’اچھا بات آگے بڑھاؤ۔تم اس سے متاثر ہو گئی، آگے؟‘‘ طاہر نے دبے ہوئے لہجے میں پوچھا

’’اس ملاقات کے بعد ہم روزانہ ملتے لیکن پھر کبھی کوئی ایسی بات نہیں ہوئی۔اچھے کلاس فیلوز کا جو ماحول ہوتا ہے، وہ ہم میں دن بدن بہتر ہو رہا تھا۔مگر اس کا انداز بدل گیا تھا۔اب میری سہیلیوں کو یہ فکر لگ گئی کہ وہ اب ایسا کیوں ہو گیا ہے کہ توجہ ہی نہیں دیتا۔بہانے بہانے کوئی نہ کوئی بات چلتی ضرور تھی۔یوں ہر آنے والے دن کے ساتھ میرے دل میں اس کے لئے احترام بڑھتا چلا گیا۔‘‘ اس نے بتایا

’’ہاں، اس نے اپنے طریقے سے تمہاری توجہ حاصل کر ہی لی؟‘‘ وہ شاید اپنی بات منوانے پر مصر تھا

’’تم منفی سوچ نہ رکھو، اور نہ ہی مثبت، بلکہ میں جو کہہ رہی ہوں اُسے سنو۔‘‘ آیت نے اسے سمجھایا

’’اوکے، کہو۔‘‘ وہ ہار مانتے ہوئے بولا تو آیت کہتی چلی گئی۔

’’یہ تعلق ایسا نہیں تھا کہ میرے دل میں اس کے لئے کوئی محبت تھی۔کئی سارے ایسے معاملات سامنے آئے، جس سے مجھے یقین ہوتا چلا گیا کہ وہ مجھ سے کتنی محبت کرتا ہے۔جبکہ میرے دل میں اس کے لئے احترام تو بڑھا، محبت نہیں۔کیونکہ میں خود ویسے محبت کرتی

تھی ۔ جلد یا بدیر مجھے اس کا ہونا تھا۔اس بات کا وقار حسین کو پوری طرح ادراک تھا، اور اویس کے بارے میں میری محبت کی شدت کو بھی سمجھتا تھا۔"

"کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ ایسا کیا عمل تھا جس سے تمہیں اس کی محبت پر یقین ہو گیا۔"

"کوئی ایک کام نہیں تھا، اس کے بہت سارے ایسے کام تھے، کلاس فیلوز کے درمیان ہونے والے معمولی کاموں یا رویے کی بات نہیں کر رہی ہوں۔ دراصل اس نے میری محبت کا احترام کیا تھا۔"

"تمہاری محبت کا احترام، وہ کیسے؟"

"میرے سامنے کبھی اس نے اویس کے بارے میں کوئی غلط بات نہیں کی۔ نہ کبھی اس حوالے سے حق جتایا کہ وہ مجھ سے محبت کرتا ہے۔ ایک دو بار میں نے اویس سے ملنا چاہا تو وہ مجھے خود اس کے پاس چھوڑ کر آیا۔ کوئی غلط فہمی، کوئی غلط رویہ نہیں اپنایا۔ خیر۔! کبھی کبھی مجھے وقار حسین پر ترس بھی آتا، یہ کس راہ کا راہی ہو گیا ہے۔ جس کی کوئی منزل ہی نہیں۔ میں تو اسے مل نہیں سکتی تھی لیکن وہ کیوں مجھ سے محبت کرتا ہے، کیوں وقت ضائع کر رہا ہے؟ کئی لڑکیاں اس کے اشارہ ابرو کی منتظر تھیں۔ لیکن وہ کسی کی طرف توجہ ہی نہیں دیتا تھا۔"

"اس کا کوئی جواب ملا پھر تمہیں؟"

"ہاں ملا۔" اس نے کہا اور لحہ بھر خاموشی کے بعد بولی، "ان دنوں ہمارا ٹور ناران گیا ہوا تھا۔ ہم سب کلاس فیلو خوب انجوائے کر رہے تھے۔ جس ہاسٹل میں ہم ٹھہرے ہوئے تھے، وہاں ایک شام وقار ہاسٹل سے باہر سرسبز پہاڑی پر سورج ڈوبنے کے منظر میں کھویا ہوا تھا۔ میں اسے کھڑکی سے دیکھ رہی تھی۔ تبھی مجھے خیال آیا کیوں نا اس سے بات کروں۔ میں کچھ دیر تو سوچتی رہی، پھر کمرے سے نکل کر اس تک جا پہنچی۔ میری آہٹ پا کر مجھے دیکھا اور مسکرا دیا۔ میں اس کے پاس جا بیٹھی۔ میں نے بلاتمہید جو ذہن میں تھا، سب اسے کہہ دیا۔ اس نے خاموشی سے مجھے سنا، سنتا رہا، پھر بڑے ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولا۔" یہ کہہ کر آیت رُک گئی۔ جیسے وہ لفظ دہرانے کے لئے حوصلہ جمع کر رہی ہو۔ تبھی طاہر نے فوراً ہی پوچھا

"کیا کہا اس نے؟"

آیت نے ایک طویل سانس لی اور پھر کہنے لگی

"آیت مجھے اس سے کوئی غرض نہیں کہ تم مجھے چاہو یا نہ چاہو، مجھ سے محبت کرو یا نہ کرو، میں اس کا کوئی ریٹرن نہیں مانگتا، تمہاری ہمدردی، رفاقت، وجود، کچھ بھی نہیں۔ بس مجھے تم سے محبت ہے، جس سے تم مجھے روک نہیں سکتی ہو۔ میں یہ حق تمہیں کبھی نہیں دوں گا کہ تم مجھے اس محبت سے روک سکو۔ کیونکہ مجھے خود اس پر اختیار نہیں ہے۔"

یہ کہہ کر آیت خاموش ہو گئی۔ طاہر بھی عجیب سی کیفیت میں چپ رہا۔ چند لمحوں بعد اس نے الجھے ہوئے انداز میں پوچھا

''یہ کیا بات ہوئی، وہ ایسی محبت کیوں کر رہا تھا؟ اسے اگر تم سے محبت تھی اور تمہاری رفاقت کی اُسے پرواہ نہیں تھی، تمہارا حصول نہیں چاہتا تھا تو یہ کیا...... کیا ثبوت تھا اس بات کا؟''

''یہی بات میں نے اس سے پوچھی، کیا ثبوت ہے؟ تو اس نے بڑے اعتماد سے کہا کہ اس کی شادی ہونے والی ہے۔ اس کے گھر والے اس کی شادی کرنا چاہتے ہیں اور پہلے سال کے امتحان کے بعد وہ شادی کر لے گا۔''

''اور پھر اس نے شادی کر لی؟ وہ اپنی زندگی میں کھو گیا۔ بیٹا بھی پیدا ہو گیا؟ تو اس میں محبت...... مجھے اب تک تمہاری سمجھ نہیں آ رہی، یہ کیا کہنا چاہ رہی ہو تم؟'' طاہر نے پھر سے الجھتے ہوئے کہا لیکن آیت کسی دوسری دنیا سے بات کر رہی تھی۔ اس نے طاہر کے لفظوں اور لہجے پر توجہ دیئے بغیر کہا

''بات یہاں تک رہ جاتی تو بہت اچھا تھا۔ ہمارا یونیورسٹی کا دوسرا برس پورا ہو جانے والا تھا۔ سب کچھ معمول پر تھا۔ اویس یونیورسٹی سے فارغ ہو چکا تھا، اس لئے دادا جی کے ساتھ بزنس میں شامل ہو گیا تھا۔ ہمارے گھر والے میری اور اویس کی شادی کرنے کی تیاریاں کر رہے تھے۔ میں اور اویس دونوں آنے والے دنوں کی پلاننگ کر رہے تھے۔ میں چاہ رہی تھی کہ ہنی مون سوئٹزر لینڈ میں منایا جائے، جبکہ اویس دوبئی جانا چاہتا تھا، وہ ہنی مون کے ساتھ وہاں بزنس کا بھی جائزہ لینا چاہ رہا تھا۔ میں چاہتی تھی کہ ساری شاپنگ امتحانوں کے بعد میں خود اپنی مرضی سے کروں۔ جس کے لئے بابا نے مجھے کافی ساری رقم دے دی ہوئی تھی۔ بس امتحانوں کے ہو جانے کا انتظار تھا۔ انہی دنوں اویس غائب ہو گیا۔''

''غائب ہو گیا مطلب؟ اسے کیا ہوا تھا؟''

''اسے کچھ نہیں ہوا تھا، ہمیں یہ لگا کہ وہ غائب ہو گیا ہے لیکن وہ خوف کی وجہ سے چھپ گیا تھا۔ شام تک جب اس کے بارے میں پتہ نہیں چلا تو سبھی اس کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے۔ میں نے بھی اپنے دوستوں کو فون کیا۔ جس پر دوسروں کے ساتھ وقار حسین بھی اویس کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا۔ وہ ساری رات گزر گئی۔ لیکن اویس کا پتہ نہیں چلا۔ میرے جتنے بھی کلاس فیلو تھے، وہ ناکام واپس آ چکے تھے مگر وقار حسین پوری رات واپس نہیں آیا۔ اگلے دن جب میں خود یونیورسٹی گئی تو وہ مجھے انتہائی بے چین لگا۔ اس کی آنکھیں سرخ تھیں اور چہرے پر خوف پھیلا ہوا تھا۔ میں اسے دیکھ کر پریشان ہو گئی۔ اس نے مجھے تنہائی میں بلا کر جو بتایا وہ سن کر میرے پیروں تلے سے زمین نکل گئی۔'' یہ کہہ کر وہ رک گئی، جیسے ان لمحات کو یاد کر کے وہ بہت دکھی ہو رہی ہو۔

''اسے پتہ چل گیا ہو گا اویس کے بارے میں۔'' طاہر نے کہا

''ہاں، دراصل اویس ایک لڑکی کے چکر میں تھا جو اس کی کلاس فیلو تھی۔ اس کے ساتھ شادی کے وعدے کئے، اس کے ساتھ بہت اچھا وقت گزارا، اور جب وہ ماں بننے والی ہو گئی تو اویس نے صاف انکار کر دیا۔ جس پر اس لڑکی کے بھائیوں نے اویس کو اس لڑکی

سے شادی کر لینے کا کہا، انکار کی صورت میں انہوں نے قتل کر دینے کی دھمکی دے دی۔ معاملہ چند دنوں ہی میں بگڑ گیا تھا۔''

''ٹھہرو ذرا، یہ وقار صاحب کو ایک ہی رات میں کہاں سے اتنی تفصیل مل گئی؟'' اس نے تجسس سے پوچھا

''کیا تم نے یونیورسٹی میں سٹوڈنٹ گینگ نہیں دیکھے؟ کیا تم نے......'' آیت نے کہنا چاہا تو طاہر نے اس کی بات قطع کرتے ہوئے تیزی سے کہا

''مطلب، یہ بات یونیورسٹی میں بھی پہنچ چکی تھی۔''

''بالکل، لڑکی کے بھائیوں کی پشت پناہی یہی گینگ کر رہی تھی۔ وقار حسین کے بھی اپنے ذرائع تھے۔ کیونکہ وقار حسین کو پہلے ہی معلوم تھا کہ اویس کسی لڑکی کے چکر میں ہے مگر اس نے مجھے صرف اس لئے نہیں بتایا تھا کہ مجھے دکھ ہوگا۔ خیر مجھے پتہ چل گیا کہ اویس چھپا ہوا ہے، وہ اس وقت تک باہر نہیں آئے گا، جب تک یہ معاملہ حل نہیں ہو جاتا۔ لیکن معاملہ اس وقت تک حل نہیں ہو سکتا تھا، جب تک اویس سامنے نہ آتا۔ یہ ایک افتاد آن پڑی تھی جس کی گھمبیرتا اپنی جگہ لیکن میرا دل ٹوٹ گیا تھا۔ کیا مجھ سے محبت تھی اویس کو؟ وہ چاہت، وہ وعدے، وہ اپنائیت، سب کدھر گیا؟ میں نے وقار حسین ہی سے کہا کہ وہ اسے تلاش کرے، اگر مل جائے۔ ورنہ گھر والوں کو تو بتانا ہی پڑے گا۔'' اس نے تفصیل سے بتایا

''تو کیا، وقار نے اسے تلاش کر لیا؟'' طاہر نے شک بھرے لہجے میں پوچھا

''نہیں، اس نے خود ہی گھر پر ٹیلی فون کر دیا کہ وہ کہیں پر ہے، شام تک گھر آ جائے گا۔ یہ بات مجھے اس وقت پتہ چلی، جب میں گھر واپس گئی۔ میں چاہتے ہوئے بھی اویس کے بارے میں کچھ نہ بتا سکی۔'' آیت نے یوں بے بسی سے کہا، جیسے وہ لمحے ہاتھ نہ آ رہے ہوں۔

''تو گھر والوں کو کیسے پتہ چلا، وہ تو اویس کو......'' طاہر نے پوچھا تو آیت نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا

''وہ شام کو گھر آیا تو اس نے خود ہی بتا دیا۔ کیونکہ اسے یہ پتہ چل چکا تھا کہ اس لڑکی کے بھائی اب اسے بخشنے والے نہیں۔ کبھی تو بات کھلنا تھی، سو اس نے اعتراف کر لیا۔ گھر میں جو ہنگامہ ہوا سو ہوا، وہ ایک الگ کہانی ہے۔ کوئی قانونی چارہ جوئی کرنے سے پہلے یہ سوچا گیا کہ ان سے براہ راست بات کر کے کوئی حل نکال لیا جائے۔ اویس کے پاپا نے ہی یہ ذمہ داری لی اور ان سے رابطہ کیا۔'' اس نے بتایا

''تو کوئی حل نکلا پھر؟'' طاہر نے پوچھا

''ان کی دو ہی باتیں تھیں۔ شادی کر لو یا پھر مرنے کے لئے تیار ہو جاؤ۔ تیسرا آپشن ہی نہیں تھا ان کے پاس۔'' اس نے خیالوں میں کھوئے لہجے میں کہا

''اس میں تو سراسر تمہارا نقصان تھا۔'' وہ تشویش سے بولا تو وہ سرخ ہوتے چہرے کے ساتھ بولی

''ہاں۔! میرا ہی نقصان تھا۔ میں جو اویس سے محبت کرتی تھی کسی طور یہ برداشت نہیں کر سکتی تھی۔ چاہے اویس کی بے وفائی

سامنے آ گئی تھی لیکن میرا دل پھر بھی اسی کے لئے تڑپ رہا تھا۔ میرے پاپا نے مجھے کہا بھی کہ میں اب اویس کا خیال دل سے نکال دوں۔ اویس کے دشمن کسی صورت نہیں ماننے والے۔ بات بھی سچ تھی، اگر یہ بات چھپی رہتی تو شاید کوئی تیسرا حل نکل آتا۔ کب تک کوئی اویس کی حفاظت کر سکتا تھا۔ مجھے یقین تھا کہ پاپا کو اویس کی یہ حرکت بہت بری لگی تھی، جس کی وجہ سے انہوں نے مجھے اتنا بڑا فیصلہ کرنے کو کہا۔ مگر میں نہیں مانی، میں نے اویس سے بھی کہہ دیا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ ہم ان کا مقابلہ کریں گے۔''

''تو پھر یہ معاملہ ختم کیسے ہوا؟'' اس نے حتمی لہجے میں پوچھا

''میرے امتحان شروع ہونے میں دو یا تین دن باقی تھے۔ ہماری یونیورسٹی ہی میں کچھ لوگوں سے بات ہوگئی تھی کہ اس معاملے پر قابو پائیں اور انہیں سمجھائیں۔ لڑکی کے بھائیوں سے بھی بات ہو چکی تھی۔ معاملہ کافی حد تک نرم ہو گیا تھا۔ اسی سلسلے میں اویس میرے ساتھ ہی یونیورسٹی آ گیا۔ لڑکی کے بھائی بھی آئے ہوئے تھے۔ مجھے یقین تھا کہ معاملہ سلجھ جائے گا۔ ابھی ہم بات کی شروعات کر ہی رہے تھے کہ لڑکی کا ایک بھائی اٹھا اور اس نے اویس کو پکڑ لینا چاہا۔ ہمیں بالکل اندازہ نہیں تھا کہ وہ کیا کرنا چاہتے ہیں۔ وہاں پر موجود ہمارے دوستوں نے ہمیں ادھر اُدھر ہو جانے کا کہا۔ میں اویس کو لے کر فوراً ہی ڈیپارٹمنٹ کی طرف چل پڑی۔ ٹھیک انہی لمحات میں میری نگاہ وقار حسین پر پڑی۔ وہ ڈیپارٹمنٹ کی سیڑھیاں اترتا ہوا آ رہا تھا۔ اس کی مجھ پر ابھی نگاہ نہیں پڑی تھی۔ میں نے بدحواسی میں اسے آواز دے دی۔ وہ فوراً میری طرف لپکا۔'' یہ کہتے ہوئے اس کی آواز یوں بھرا گئی جیسے وہ اپنے آنسو روک لینا چاہتی ہو۔

''یہ تمہیں یقین ہے یہ آمنا سامنا محض اتفاق تھا؟'' طاہر نے پھر شک بھرا سوال کر دیا

''ہاں، وقار حسین کو اس بارے میں کچھ پتہ نہیں تھا؟'' اس نے کہا اور لمبی سانس لی

''یہ تم کیسے کہہ سکتی ہو؟' اس نے یوں پوچھا جیسے شک ابھی تک اس کے دماغ میں اٹکا ہوا ہے۔

''چند دن پہلے، جب یہ معاملہ حل کرنے کے لئے یونیورسٹی کے لوگوں شامل کیا گیا تھا، تب میں نے چاہا تھا کہ وقار حسین کو بھی شامل کر لوں، مگر وہ اپنے آبائی شہر گیا ہوا تھا'' اس نے صاف کہہ دیا

''اچھا، ٹھیک تو پھر۔'' وہ مطمئن ہو گیا۔

''میں نے اسے بتایا کہ معاملہ کیا ہے، تب اس نے مجھے یہی کہا کہ تم لوگ فوراً یہاں سے چلے جاؤ۔ بعد میں دیکھتے ہیں۔ میں وہیں کھڑی بتا ہی رہی تھی کہ بات کیا ہے جبکہ اویس گاڑی لینے پارکنگ کی طرف چلا گیا تھا۔ وہ گاڑی لے کر ہماری طرف آ رہا تھا تبھی ہم نے دیکھا کہ لڑکی کے بھائی اور یونیورسٹی میں ان کے حمایتی تیزی سے اویس کی جانب بڑھ رہے ہیں۔ اویس ابھی راستے ہی میں تھا، گاڑی چند قدم چلی تھی، وقار حسین تیزی سے اویس کی طرف چلا گیا اور اس کی ڈھال بن گیا۔'' آیت نے ان لمحوں میں کھو کر کہا

''ڈھال بن گیا مطلب؟'' اس نے سمجھنے کو پوچھا

’’لڑکی کے ایک بھائی نے اویس کو قتل کرنے کے لئے ریوالور نکال لیا تھا اور اسے مسلسل باہر آنے کا کہہ رہے تھے۔انہوں نے وقار حسین کو سامنے سے ہٹ جانے کا کہا۔وقار نے اویس کو بھاگنے کا کہا، جس پر وہ لوگ مشتعل ہوگئے۔میں ابھی اسے دیکھ ہی رہی تھی کہ لڑکی کے بھائی نے وقار حسین پر گولیاں چلا دیں۔پہلی گولی اس کے سینے پر لگی، دوسری گولی اس کے پیٹ میں۔فائرنگ کی آواز کے ساتھ ہی اویس گاڑی لے کر نکل گیا۔شاید کسی کو گمان نہیں تھا کہ ایسا ہو جائے گا۔میں نے گرتے ہوئے وقار حسین کو دیکھا تو اس کی طرف لپکی۔یہ کیا کیا تم نے؟ میرا یہی سوال تھا اس سے تو پتہ ہے وہ کیا بولا؟‘‘ وہ دکھی لہجے میں بولی

’’کیا کہا اس نے؟‘‘ اس نے انتہائی تجسس سے پوچھا

’’بولا......میں نے......اپنی محبت کی......محبت کو......بچایا ہے،......کیونکہ......میں تم سے......محبت کرتا ہوں......بہت اٹک کر اس نے یہ لفظ کہے تھے۔‘‘ یہ کہتے ہوئے آیت کی آواز بھرا گئی۔اگلے ہی لمحے اس کی آنکھیں بھیگ گئیں۔وہ اٹھی اور تیزی سے باہر چلی گئی۔

❁......❁......❁

روشن دن کی صبح میں ہر شے کا رنگ نکھرا ہوا تھا۔ذیشان رسول شاہ صاحب اپنے کمرے میں بیٹھے ہوئے تھے۔وہی دراز قد نوجوان سب لوگوں کے آخر میں شاہ صاحب کے سامنے جا کھڑا ہوا تھا۔شاہ صاحب اسے دیکھ کر پہچان گئے۔ان کے لبوں پر مسکراہٹ تھی۔انہوں نے نوجوان کی طرف دیکھا پھر سامنے پڑے صوفے پر بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا

’’جی حکم۔‘‘

’’جی ایسی کوئی بات نہیں، میں تو بے رنگی کو سمجھنے کے لئے حاضر ہوا تھا۔‘‘ اُس نوجوان نے بیٹھ کر عاجزی سے کہا تب شاہ صاحب نے پہلو بدلا اور نرم سے لہجے میں بولے

’’تو اس کا مطلب ہے کہ آپ اس بارے جاننے کے لئے کافی سنجیدہ ہیں۔‘‘

’’جی میں سمجھنا چاہتا ہوں، مجھے علم تو ہونا چاہئے۔‘‘ اس نے مودب لہجے میں کہا

’’تو میاں بات یہ ہے کہ کسی بھی چیز کی صفت کے بارے میں سمجھنے کے لئے پہلے اس شے کو سمجھا جانا ضروری ہے۔پھر بات پوری طرح سمجھ میں آ جاتی ہے۔‘‘ انہوں نے مسکراتی آنکھوں سے کہا

’’جی بالکل، ایسا ہی ہے۔‘‘ نوجوان نے سر ہلاتے ہوئے کہا

’’ہم انسان کی بے رنگی کے بارے میں جاننا چاہ رہے ہیں کہ یہ کیسے ہوگی؟ یا جو بھی انسان کی بے رنگی سے متعلق سوال ہوگا۔تاہم پہلے ہم یہ جان لیتے ہیں کہ انسان کیا ہے۔‘‘ شاہ صاحب نے کروٹ لے کر کہا

’’جی یہ لازمی ہے۔‘‘ وہ بولا

''انسان کے بارے میں ہی رب تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ میں نے اسے احسن تقویم پر پیدا کیا۔ مطلب اس میں وہ سب کچھ رکھ دیا جو اس کی سوچ کے ساتھ ارتقاء کر سکتی ہے۔ انسان کی بے رنگی اس کا خلقی ارتقاء ہے۔'' شاہ صاحب نے پرسکون لہجے میں کہا تو نوجوان الجھتے ہوئے بولا

''جناب شاہ صاحب یہ خلقی ارتقاء، میں سمجھا نہیں؟''

''امر اور خلق یعنی جسم اور روح کے ملنے کا نام انسان ہے۔ اکیلی روح انسان نہیں، اکیلا جسم انسان نہیں۔ جب تک یہ دونوں واصل نہیں ہوں گے، ایک نہیں ہوں گے، ہم کہتے ہیں وہ نامکمل ہے۔ یہاں تک کہ انسان کاملیت تک پہنچ جاتا ہے، کامل وہ ہے جنہوں نے ظاہر اور باطن دونوں ایک کئے ہوئے ہیں۔'' شاہ صاحب نے سمجھایا

''اب یہ امری اور خلقی بے رنگ کیسے ہوئے؟'' اس نے پھر الجھ کر پوچھا

''دراصل جب خلق کا امر سے اتصال ہو جاتا ہے تو دونوں بے رنگ ہو گئے۔ دونوں بے رنگ ہوں گے تو ہی بات بنے گی۔ دو قوسیں آپس میں ملیں گی تو دائرہ بنے گا۔ اکیلی قوس تو دائرہ نہیں بنا سکتی۔ اب اس میں اصل بات یہ ہے کہ جسم نے اپنا رنگ چھوڑا اور روح کی حقیقی بے رنگی پر چلا گیا۔'' شاہ صاحب نے کہا

''امری پیدائش کا پراسس کیا ہوگا، ایک بچہ پیدا ہوتا ہے وہ خلقی اعتبار سے تو پرورش پا رہا ہے، کیا وہ امری طور پر بھی پرورش پا رہا ہے؟ کیسے وضاحت کریں گے؟'' نوجوان نے سمجھنا چاہا

''اب بچے اور ماں کا تعلق ہے، ماں کی مامتا ایک ایسی محبت ہے جسے ہم ایک عالمگیر سچائی کہیں گے۔ کہیں بھی چلے جائیں ماں کی محبت پر کوئی مسئلہ نہیں ہے، لیکن بچوں کے معاملے میں ہم دیکھتے ہیں کہ جو ماں کے خلاف ہو گئے، باغی ہو گئے، نافرمان ہو گئے۔ اب اس کی وجہ یہ ہے کہ ماں کی محبت مستحکم ہے اور بچے کی محبت غیر مستحکم ہے؟ بچہ اس وقت امری طور پر پیدا ہوگا، جب وہ ماں کی محبت کو قبول کر کے اپنی محبت سے نوازے گا۔ اپنی محبت سے اس وقت نوازے گا جب وہ روح کی مسرت سے آگاہ ہوگا۔ تو پھر ہم یہ کہتے ہیں کہ وہ امری طور پر پیدا ہو گیا۔ اب بچے کا محبت کرنا اس کی امری پیدائش ہے۔ ماں کی محبت تو پہلے ہی عین بے رنگی میں آ رہی ہے اور یہ پہلے ہی محبت گود سے ہوتی ہے۔ جب بچہ بڑا ہوتا ہے۔ وہ ایک عمل (پراسس) میں آ جاتا ہے۔ محبت انسان کے اندر پڑی ہے۔ جسے ہم روحانی مسرت بھی کہہ سکتے ہیں۔ اسے اجاگر کرنے کی ضرورت نہیں، یہ خود بخود اجاگر ہوتی ہے۔ اس کا سمجھنا ایک دوسرا پراسس ہے۔ واضح رہے میں جس روح کی بات کر رہا ہوں وہ روحِ حقیقی یا امری روح کہلاتی ہے۔'' شاہ صاحب نے تفصیل سے سمجھایا

''یہ روحِ حقیقی یا امری روح...... میں سمجھا نہیں؟'' نوجوان نے کہا

''ایک روح انسانی ہے اور ایک روح حیوانی ہے۔ روح تو جانوروں میں بھی ہے۔ لیکن اس روح کا اور انسانی روح کا بہت فرق

ہے۔اب اس میں دلچسپ بات یہ ہے کہ انسان کے اندر انسانی اور حیوانی دونوں روحیں ہی ہوتی ہیں۔جب انسان حیوانیت کی طرف جاتا ہے تو دراصل حیوانی روح کے زیر اثر ہوتا ہے اور جب احسن تقویم کی طرف جاتا ہے تو حقیقی امری روح کے ساتھ ہوتا ہے۔اب یہاں میں یہ کہنا چاہ رہا ہوں کہ یہاں زیر بحث روح حقیقی ہے۔'' شاہ صاحب نے بات واضح کرتے ہوئے کہا

''شاہ صاحب وہ امری پیدائش کا پراسس کیا ہوگا، یہ بات تو رہ گئی؟'' اس نے یاد دلایا

''جیسے میں نے پہلے کہا کہ انسان امر اور خلق کے ساتھ وجود میں ہے۔اب اپنے امر کا احساس کرنے کے بعد اپنے امر کے ساتھ ایک ہو جانا دراصل وہ پراسس ہے، جس کی تکمیل پر یہ اپنے عشق کے تعاقب میں روانہ ہو جاتا ہے۔ایک خیال آتا ہے کہ میں نے لکھنا ہے، اب لکھا کیسے جائے؟ خیال سے عمل تک میں ایک پورا دورانیہ ہے۔اب ہم دیکھتے ہیں فطری عمل......ایک بچہ جوں جوں اپنی عمر میں بڑھتا ہے اس کے خیالات اور ترجیحات بدلتی چلی جاتی ہیں۔اس کے اندر جینے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔اس میں سوچ پیدا ہوتی ہے۔کیونکہ وہ فطرت کے ساتھ چل رہا ہوتا ہے وہ اپنے اردگرد دیکھتا ہے، اسی دیکھنے میں کوئی شے بھی اس کی دلچسپی کا مرکز بن جاتی ہے۔اس کی توجہ کسی ایک شے پر مرکوز ہو جاتی ہے، یہ''ہدف'' کوئی بھی ہو، اس کے اپنے معاشرے میں جس شے کو اہم سمجھا جاتا ہے، وہ اس پر غور و فکر کرے گا، اس پر توجہ دے گا۔یہ ارتقائی باطن کا عمل ہے۔جسم تو بڑھ رہا ہے خود بخود لیکن باطن کا ارتقاء خود کرنا پڑتا ہے۔جب طلب ہوئی تو ذہن کا ارتقاء شروع ہو گیا۔بالکل اس طرح جیسے جسم کا ہوتا ہے۔خیال آتا ہے تو عمل ظاہر ہوتا ہے۔ضرورت ایجاد کی ماں ہے۔'' شاہ صاحب نے نکتہ سمجھاتے ہوئے کہا

''کیا ضرورت میں امری پیدائش ہوتی ہے؟ کیا یہ ایک فطری تقاضہ ہے؟'' اس نے پوچھا

''نہیں، ضرورت نہیں، کیونکہ عشق کا تعلق تو محبوب سے ہے ضرورت سے تو نہیں۔'' شاہ صاحب بولے

''کیا یہاں پر انسان مطمئن ہو جاتا ہے؟'' اس نے پوچھا

''ایک انسان، زندگی کی تعیشات کو لے کر مطمئن ہوتا ہے اور ایک انسان ان تعیشات کو لے کر مطمئن نہیں ہوتا۔اسی طرح ایک بندہ اپنے باطنی سکون کا ادراک کرتا ہے، دوسرا نہیں۔انسان کے احساسات اس کے اندر ہی پڑے ہوئے ہیں۔اب تقاضا ہے سکون کا، تو سکون کہاں سے ملے گا۔یہی سکون کی تلاش اس کے اندر اپنے امر کی پہچان سے ملے گا۔اب یہ سکون کہاں پاتا ہے ایک شراب کی طرف لپکتا ہے اور دوسرا ذکر اذکار کی طرف۔'' شاہ صاحب نے مسکراتے ہوئے کہا

''لیکن یہ تو متضاد عمل ہوئے دونوں میں سے کسی ایک شے میں سکون ہوگا۔'' وہ پھر سے الجھ گیا

''اب سکون کے حقیقی اقدار پر غور کرنا ہوگا۔وہ اقدار کیا ہیں؟ جب جب جہاں جہاں دکھائی دیں گے دراصل وہ عشق ہی ہوگا۔ دنیا کے تمام معاشرے دیکھیں تو انسانی سکون کے لئے بنیاد ایک ہی ہو گی، ان کا نظریہ چاہئے کیسا بھی ہو یعنی انسان کا مثبت عمل انسانی سکون

کے لئے بنیاد ہے۔ یوں ہم کہہ سکتے ہیں سکون کی انتہا عشق ہے۔ ہم اپنی کم علمی میں مغرب کی فلاسفی کو ریجیکٹ نہیں کر سکتے۔ وہ ایک حقیقت ہے، اس حقیقت کے موجود ہونے کے باعث نظر انداز نہیں کر سکتے۔ اسی طرح صوفی ازم کو یکسر ختم یا نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ اب پوری دنیا کی فلاسفی میں دیکھیں کون سا حقیقی سکون دینے والا ہے اور کون سا غیر حقیقی ہے؟'' شاہ صاحب نے نکتہ سلجھادیا

''انسان روحانی سکون کہاں سے ملے گا؟ کیا جب وہ حقیقت کو پالے گا؟'' اس نے تیزی سے پوچھا

''سیدھی سی بات ہے کہ اگر پھول ہے تو اس کے ساتھ خوشبو ہے۔ اگر پھول میں خوشبو نہیں تو اس کی قدر کم ہو گی اسی طرح سکون ہے، ربّ تعالیٰ نے جسم کو روح کے ساتھ رکھا ہے۔ تو اس کا سکون بھی ساتھ میں دیا ہے، جن چیزوں میں اس کا سکون ہے۔'' شاہ صاحب نے حتمی لہجے میں کہا

''جس طرح خلقی طور پر انسان پرورش پاتا ہے کیا اسی طرح امری ارتقاء ہوتا ہے؟'' نوجوان نے پھر یوں پوچھا جیسے ابھی تک اس کی تسلی نہ ہوئی ہو۔

''انسان نے خود کرنا ہوتا ہے۔ انسان معاشرے کو راستہ دے رہا ہوتا ہے کہ اس کے باطن کی تخلیق کرے یا وہ خود کر رہا ہے اپنی مرضی سے۔ معاشرہ اس کی جو تربیت، تہذیب کر رہا ہے یہ خود انسان پر منحصر ہے کہ وہ اسے یکسر نظر انداز کر دے یا قبول کر لے۔ اب نکتہ یہ آ گیا کہ جب تک ظاہری باطنی یا خلقی امری میں برابر نہیں ہو گا، ارتقاء نہیں۔ ہم ارتقاء اسے کہہ سکتے ہیں جب دونوں برابر ہوں، وہی کامل ہونے کی سند حاصل کر سکتا ہے۔'' انہوں نے سمجھایا

''وہ کون سی شے ہے جوان میں ارتقاء پیدا کرے گی اور اس کو برابر کر دے گی۔'' اس نے پوچھا

''ظاہر ہے اس کے لئے قوت چاہئے، اور وہ قوت ہے، قوت عشق۔ اب عشق کو بے رنگ ہونا پڑے گا یہ تب ہو گا جب عاشق اپنا اور معشوق اپنا رنگ چھوڑے گا اور عشق کے رنگ پر آئے گا۔ ایک معیار اور میزان تو ہو گا، اور میزان و معیار ہو گا عشق۔ جس طرح کتاب پڑھنے والے تو بہت ہیں لیکن کتاب سے عشق کرنے والا کوئی کوئی ہو گا۔ اسی طرح عاشق اور معشوق تو ملیں گے۔ مقام عشق پر فائز کوئی کوئی ملے گا۔'' شاہ صاحب بولے

''کیا ایسا ممکن ہے یا محض فلسفہ؟'' نوجوان نے تیزی سے پوچھا

''روح اور جسم برابر پیدا ہوتے ہیں تو انسان زندہ ہوتا ہے۔ دل ہے تو دھڑکن ساتھ پیدا ہوتی ہے۔ جس طرح جسم اور روح برابر آ سکتے ہیں اسی طرح امر اور خلق کو برابر لایا جا سکتا ہے۔ جہاں غیر متوازن ہو گا وہاں بزرگ اسے برابر کر دیتے ہیں۔ مرد اور عورت آپس میں مل کر یعنی پانی میں پانی مل کر اپنی تخلیق کو برقرار رکھتے ہیں۔ اسی طرح امری تخلیق کی برقراری بے رنگی میں ہے۔'' یہ کہہ کر شاہ صاحب سوچ میں ڈوب گئے جیسے وہ اس بات کی گہرائی میں کہیں کھو گئے ہوں۔ نوجوان نے محسوس کیا کہ اب اٹھ جانا چاہئے۔ وہ خاموشی سے اٹھا

اور کمرے سے باہر چلا گیا۔ شاہ صاحب نے اسے جاتے ہوئے بھی نہیں دیکھا۔ وہ پورے استغراق میں ڈوب چکے تھے۔

آیت اپنے گھر کے لاؤنج میں صوفے پر بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کے سامنے میز پر لیپ ٹاپ پڑا ہوا تھا۔ اس کے ساتھ ہی چائے کا مگ دھرا ہوا تھا۔ ذرا سے فاصلے پر کچھ فائلیں رکھی ہوئی تھیں۔ جن کے پاس سیل فون پڑا تھا۔ وہ پوری توجہ سے لیپ ٹاپ کی اسکرین دیکھ رہی تھی۔ اس نے نیلی جین کے اوپر ہلکے کاسنی رنگ کا کرتا پہنا ہوا تھا، جس پہ پرپل رنگ کا سوتی کام تھا۔ اس کا آنچل دائیں کندھے پر اٹکا ہوا تھا۔ وہ اپنے کام میں اس قدر مگن تھی کہ اسے داخلی دروازے سے آتے ہوئے داداجی کے بارے میں بھی پتہ نہیں چلا۔ وہ آیت کو یوں کام میں محو دیکھ کر ایک لمحہ کو ٹھٹکے، پھر اس کے قریب صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولے

''آیت بیٹا۔! تم پھر آفس کا کام گھر میں لے آئی ہو؟''

داداجی کی آواز پر وہ ایک دم سے چونک گئی۔ پھر ان کی طرف دیکھ کر بولی

''دادو، میں سوچ رہی ہوں کہ دو چار لوگ مزید رکھ لوں، کام بڑھ گیا ہے اور میں......''

''کیوں اتنی محنت کرتی ہو، جب تمہیں کام کرتے ہوئے دیکھتا ہوں تو میرا من ......'' داداجی نے انتہائی دکھ بھرے لہجے میں کہنا چاہا تو آیت نے ان کی بات کاٹتے ہوئے کہا

''دادو، میں جانتی ہوں، اب آپ کیا بات کریں گے۔ یہی نا میرا من بہت دکھی ہوتا ہے۔ تیرے ماں باپ زندہ ہوتے تو ایسا نہ ہوتا، ......اور تان میری شادی پر آ کر ٹوٹے گی۔''

''بالکل نہیں، میں تو یہ کہہ رہا تھا کہ لاؤنج سے باہر کا موسم کیسا ہے تم نے دیکھا ہی نہیں۔ آج چھٹی ہے، اور چھٹی والے دن کام نہیں آرام کرتے ہیں۔''

''دادو آپ بھی نا۔ بات بدل دی نا۔'' یہ کہتے ہوئے وہ ہنسی تو داداجی بھی ہنس دیئے۔

''اچھا اب اٹھو، اور میرے لئے چائے کا کپ بناؤ، خود تم نے اکیلے پی لی ہے۔'' داداجی نے اس کے کپ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا تو آیت کو یاد آیا

''اوہ، یہ تو پڑے پڑے ٹھنڈی ہوگئی۔ لیکن آپ فریش ہو کر آئیں، آپ کو چائے مل جائے گی، میں خود بناتی ہوں آپ کے لئے چائے۔'' آیت نے مسکرا کر ٹیبل پر انگلیاں بجاتے ہوئے کہا

''گڈ گرل، اور یہ کام......؟'' دادا نے اس کی طرف دیکھ کر سنجیدگی سے کہا

''دادو پلیز۔! وعدہ، آئندہ گھر میں کام نہیں لاؤں گی، پرامس۔'' وہ مسکراتے ہوئے لاڈ سے بولی

''چلو اِسے سمیٹو، موسم بہت اچھا ہو رہا ہو، باہر نکل کر انجوائے کرو۔'' دادا جی نے اٹھتے ہوئے کہا

''تھینک یو دادو، لو یو۔ میں بس ابھی اٹھتی ہوں۔'' آیت نے خوشی سے کہا اور پھر سے لیپ ٹاپ اسکرین پر دیکھنے لگی۔ دادا جی لاؤنج سے چلے گئے۔ وہ لیپ ٹاپ پر تیزی سے اپنا کام سمیٹنے لگی۔ انہی لمحات میں اس کا سیل فون بج اٹھا۔ اس نے سیل فون اٹھائے بغیر اسکرین پر دیکھا تو وہ طاہر کا فون تھا۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر فون اٹھایا اور کال رسیو کر لی۔

''کہاں ہو؟'' اس نے پوچھا

''میں گھر پہ ہوں۔'' آیت نے جواب دیا

''مطلب فری ہو، آؤ، کہیں بیٹھ کر باتیں کرتے ہیں۔ شاید تم نے باہر کا موسم نہیں دیکھا، بہت زبردست ہو رہا ہے۔'' طاہر نے کہا

''دوپہر سے پہلے تک میرے پاس وقت نہیں، ہاں دوپہر کے بعد میں فری ہوں گی۔'' اس نے صاف کہہ دیا

''اوہ، بزی ہو۔ چلو ٹھیک ہے، جب فری ہو جاؤ تو کال کرنا۔'' طاہر نے فوراً ہی کہہ دیا۔ اپنی منوانے کی ذرا سی بھی کوشش نہیں کی۔ آیت اس پر ذرا سا مسکرا دی پھر بولی

''گڈ بوائے، میں کرتی ہوں کال تمہیں۔''

''او کے۔'' اس نے کہا اور فون بند کر دیا۔

وہ جانتی تھی کہ طاہر کیا چاہتا ہے۔ وہ اس دن کی ادھوری بات کی تکمیل چاہتا تھا، آیت بات نہیں کر سکی تھی۔ واپسی پر بھی وہ خاموش ہی رہی تھی۔ یہ اچھا ہوا کہ طاہر نے بھی کوئی سوال نہیں کیا تھا۔ وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ اس کے ذہن میں ابھی بہت سارے سوال ہیں۔ وہ اسے یہاں اپنے گھر میں بلا سکتی تھی، یا وہ باہر بھی جا سکتی تھی لیکن اُسے اپنے دادا کو وقت دینا تھا۔ وہ چھٹی کے دن کا پہلا حصہ اپنے دادا کے ساتھ گذارا کرتی تھی اور پھر لنچ کے بعد وہ سرمد کے پاس چلی جاتی تھی۔

وہ اپنے دادا کے ساتھ لنچ لے چکی تھی۔ وہ آرام کرنے اپنے بیڈ روم چلے گئے۔ آیت نے ملازمین کو کچھ کام بتائے اور پورچ میں آ گئی۔

''کدھر ہو؟'' گاڑی میں بیٹھ کر اس نے طاہر کو فون کیا

''تمہارے فون کا انتظار کر رہا ہوں۔'' اس نے اُلجھے ہوئے لہجے میں کہا تو آیت نے پوچھا

''اچھا، میں جا رہی ہوں فارم ہاؤس، سرمد کے پاس، کیا تم وہیں آ سکتے ہو یا تمہیں پک کر لوں؟''

''میں پہنچ جاؤں گا۔'' اس نے تیزی سے کہا

''ٹھیک ہے، پھر آ جاؤ۔'' آیت نے کہا اور گاڑی بڑھا دی۔

اس وقت وہ فارم ہاؤس کے لاؤنج میں سرمد کے پاس ہی بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ اپنے کسی نئے کھلونے کے بارے میں بتا رہا تھا۔

آیت اس کی بات یوں دلچسپی سے سن رہی تھی، جسے کوئی نئی ایجاد ہوگئی ہو۔تبھی رابعہ نے کہا

”آیت۔!ویسے مجھ سے زیادہ تمہیں سرمد کے بارے میں پتہ ہے لیکن ایک بات کہوں۔“

”ہاں رابعہ کہو۔“ وہ اس کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے بولی

”سرمد ماشاللہ اب پانچویں برس میں ہے۔دو مہینے بعد اس کی پانچویں سالگرہ ہے۔اسے سکول نہیں بھیجنا؟“ رابعہ نے جھجکتے ہوئے پوچھا

”کیا ٹیوٹر پڑھانے نہیں آرہا ہے؟“ آیت نے جلدی سے پوچھا

”نہیں وہ تو آرہا ہے لیکن سکول کی تعلیم تو بہر حال......“ یہ کہتے ہوئے وہ خاموش ہوگئی

”اسے ابھی سکول جانے کی ضرورت نہیں۔میں نے اس کے لئے سکول کا پلان کیا ہے اور آج بھی اسی پر کام کر رہی تھی۔میں اس کے لئے اپنا سکول کھولوں گی۔جہاں میں اسے اپنے مطابق تعلیم دوں گی۔“ آیت نے مسکراتے ہوئے کہا تو رابعہ نے خوشگوار حیرت سے پوچھا

”یہ پھر بھی سکول میں ہی پڑھے گا نا، اپنا ہو یا کسی کا؟ اور اس کے لئے کوئی خاص تعلیم ہوگی؟“

”ہاں، سرمد کے ساتھ بہت سارے بچے بھی وہی تعلیم حاصل کریں گے، جو خاص ہوگی۔تم فکر نہ کرو، وہ سارا پلان ہو گیا ہے۔ایک لڑکی امبرین ہے، اس کے ساتھ میں نے سب طے کرلیا ہے۔بس تم اسے ذہنی طور پر تیار کرو وہاں جانے کے لئے۔“ آیت نے سرمد کے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے کہا

”ٹھیک ہے۔“ رابعہ نے کہا تو انہی لمحات میں باہر سے ایک ملازمہ نے آکر بتایا کہ طاہر صاحب آئے ہیں۔آیت نے اسے اندر ہی بلا لینے کو کہا۔کچھ دیر وہ بھی لاؤنج ہی میں آگیا۔رابعہ چائے بنانے اٹھ گئی۔سرمد نے طاہر سے ہاتھ ملایا اور پھر اپنی ماں ہی کے پیچھے چلا گیا۔

”پورا ایک ہفتہ ہوگیا، کوئی رابطہ ہی نہیں۔“ آیت نے پوچھا تو طاہر یوں بولا جیسے کسی گہری سوچ میں الجھا ہو

”میں نے کسی سے رابطہ نہیں کیا۔سچ پوچھو، میں تمہاری کہانی ہی سے نہیں نکلا۔بس یہی سوچتا......“

”او مسٹر، وہ کہانی نہیں، میرے سچے حالات تھے۔“ آیت نے ہنستے ہوئے کہا مگر وہ سنجیدگی سے بولا

”جو بھی ہیں، وقار حسین نے متاثر کیا۔وہ اس قدر محبت کرتا تھا۔یقین نہیں آتا۔“

”یہ حقیقت تھی۔کچھ عرصہ تک تو مجھے بھی سمجھ نہیں آسکا کہ یہ سب کیا تھا، لیکن تھوڑے ہی عرصے بعد پتہ چل گیا کہ وہ محبت نہیں عشق تھا، جسے میں پہچان ہی نہیں پائی۔“ وہ کھوئے ہوئے لہجے میں بولی

”کیا عشق کی بھی کوئی پہچان ہوتی ہے؟“ طاہر نے انتہائی معصومیت سے پوچھا

''ہاں ہوتی ہے، لیکن عشق کی سمجھ عشق ہی عطا کرتا ہے۔ انہیں تو عشق کی خوشبو تک میسر نہیں ہوتی جنہیں عشق نہ ہو۔ خیر تم اپنی سیاست کی سناؤ، یہ تمہارے اوپر کی باتیں ہیں انہیں چھوڑو۔'' آیت آخری لفظ کہتے ہوئے یوں مسکرا دی جیسے یہ مسکراہٹ زبردستی کی ہو۔ طاہر نے اس کے طنز کو بالکل نظر انداز کرتے ہوئے کہا

''مجھے ایک بات کی سمجھ نہیں آئی؟''

''بولو، میں کوشش کرتی ہوں سمجھانے کی۔'' آیت نے کہا

''کیا سرمد سے تمہارا رابطہ اور اس کی اس قدر اعلیٰ پرورش صرف اس لئے ہے کہ وقار تم سے محبت کرتا تھا اور اس نے تمہارے لئے اپنی جان دے دی۔ مطلب تم اس کی تلافی کر رہی ہو؟'' اس نے الجھتے ہوئے سوچا

''نہیں، ایسا ہرگز نہیں ہے، اگر میں تمہیں سمجھانا بھی چاہوں، لیکن تم یہ سمجھ نہیں پاؤ گے۔ وقت آنے پر شاید تم سمجھ جاؤ، ابھی اسے چھوڑو۔'' آیت نے اس کے چہرے پر دیکھتے ہوئے انتہائی اعتماد سے کہا

''میں سمجھ نہیں پاؤں گا، یہ اگر تم کہتی ہو تو ٹھیک ہے، ورنہ یہ کوئی ایسی بات نہیں، خیر، سرمد سے تم نے رابطہ کیسے کیا؟ یا وہ...... وقار حسین کے فوری بعد......'' اس نے کہتے ہوئے جان بوجھ کر بات ادھوری چھوڑ دی

''نہیں میں نے پورے تین برس بعد رابطہ کیا۔ وقار حسین کے جانے کے بعد تو مجھے یوں لگا جیسے زندگی مجھ پر عذاب ہو گئی ہو۔'' لفظ ابھی اس کے منہ ہی میں تھے کہ ملازمہ اندر آ گئی۔ اس نے انتہائی مودب لہجے میں کہا

''آپ کے کمرے میں چائے لگا دی ہے۔''

''ٹھیک ہے۔'' آیت نے کہا پھر طاہر کی طرف دیکھ کر بولی، ''آؤ وہاں بیٹھتے ہیں۔''

دونوں اٹھ کر اندر کی طرف چل پڑے۔ دوسری طرف کے آخر میں باہر لان تھے۔ کونے کے کمرے میں آیت داخل ہوئی تو وہاں سے باہر کا سارا منظر یوں لگ رہا تھا، جیسے وہ کسی باغیچے ہی میں بیٹھے ہوئے ہوں۔ چائے کی خوشگوار مہک کمرے میں پھیلی ہوئی تھی۔ طاہر بیٹھ گیا تو آیت چائے بنانے لگی۔

''وقار حسین کے جاتے ہی تمہاری زندگی کیسے عذاب بن گئی؟'' طاہر نے کپ پکڑتے ہوئے پوچھا

''اویس نے مجھ پر پہلا الزام یہی لگایا کہ میں وقار حسین کو پسند کرتی ہوں۔ اس نے جان ہی میری محبت میں اس لئے دی کہ ہمارے تعلقات......'' آیت نے کہنا چاہا تو طاہر نے اس کی بات یوں کاٹی جیسے اسے اویس کے ذکر سے کوئی دلچسپی نہ ہو۔

''اویس کو غلط فہمی ہو گئی؟'' اس نے تیزی سے کہا

''غلط فہمی نہیں، منگنی توڑنا چاہتا تھا، کیونکہ منگنی توڑنے کا مطلب تھا کہ ہمارا خاندان ٹوٹ جاتا۔ ظاہر ہے اس کے پاس کوئی وجہ

نہیں تھی منگنی توڑنے کی۔ اس نے مجھ پر یہ الزام لگا دیا تا کہ منگنی ٹوٹ جائے اور خاندان میں کوئی ٹوٹ پھوٹ نہ ہو۔'' آیت نے بتایا

''کیا تم دونوں محبت نہیں کرتے تھے؟'' اس نے پوچھا

''محبت۔! میں کرتی تھی اس سے محبت، وہ نہیں، اس کی محبت تو اسی دن سامنے آگئی تھی، جب اس لڑکی کی وجہ سے وہ غائب ہوا تھا۔ میں نے پھر بھی اسے معاف کر دیا۔ محبت میں یہ حساب کتاب نہیں ہوتے۔ میرے معاف کر دینے ہی کو اس نے میری کمزوری جانا۔'' وہ غمزدہ لہجے میں بولی

''وہ خوف زدہ ہو گیا ہوگا۔ قاتل اس کے پیچھے تھے، وہ اس لڑکی سے شادی.....'' طاہر پوچھتے ہوئے رک گیا

''نہیں، وہ صرف ایک کھیل تھا، جو اویس نے رچایا تھا۔ تا کہ مجھ سے جان چھوٹ جائے، خاندان میں کوئی اسے کچھ نہ کہے۔ خاندان والے خوف زدہ ہو کر اس لڑکی کو اپنی بہو بنا لیں۔ مگر اس کے برعکس ہو گیا۔'' آیت نے کہا تو طاہر جلدی سے بولا

''وہ لڑکی مطلب اپنے بھائیوں.....''

''ہاں، وہ جو بھی تھا، لیکن اُس نے جو مجھ پر الزام لگایا، وہ مجھ سے برداشت نہیں ہو سکا۔ میں تو ابھی وقار حسین کا غم نہیں بھول پائی تھی کہ اویس نے مجھے مار کر رکھ دیا۔ اگر اویس مجھ سے یہ کہتا کہ وہ اس لڑکی سے شادی کرنا چاہتا ہے تو شاید مجھے اتنا دکھ نہ ہوتا، شاید اسے میں شادی کی اجازت دے دیتی لیکن.....'' آیت کی آواز بھرا گئی، وہ خاموش ہو گئی۔ چند لمحوں میں اس نے خود پر قابو پا لیا۔ پھر کہتی چلی گئی، ''ہمارے خاندان میں دراڑیں پڑ چکی تھیں، چھ ماہ ہی میں اس کا نتیجہ سامنے آ گیا۔ منگنی کیا ختم ہونا تھی، فہیم چاچا نے اپنا حصہ ہی مانگ لیا۔ دادا نے کوئی بات کیے بنا، اسے الگ کر دیا۔ یوں یہ دروازہ ہمیشہ کے لئے بند ہو گیا، جب اویس نے اسی لڑکی ملیحہ سے شادی کر لی۔''

''مطلب اویس بے وفائی کر گیا۔'' طاہر نے نتیجہ اخذ کرتے ہوئے کہا

''نہیں اس نے بے وفائی نہیں کی، کیونکہ اس نے مجھ سے کبھی وفا کی ہی نہیں تھی، اسے مجھ سے محبت ہی نہیں تھی۔ میں اسے دوش نہیں دیتی۔ یہ تو مجھے بعد میں ساری سمجھ آئی نا، جو آپ سے پیار نہیں کرتا، جسے آپ سے محبت نہیں ہے، اس کیساتھ زبردستی نہیں کی جا سکتی۔ نہ اس سے محبت چھینی جا سکتی ہے۔ میری اور اویس کی شادی صرف خاندان کو جوڑے رکھنے کی ایک کوشش تھی۔ جب خاندان ہی ٹوٹ گیا تو پھر اس شادی کا کوئی جواز باقی نہیں رہ گیا۔'' آیت نے پرسکون لہجے میں کہا

''اوہ۔! تمہیں اس کا پہلے احساس نہیں تھا؟'' طاہر نے پوچھا

''نہیں، کیونکہ میں نے ایسے کبھی سوچا ہی نہیں تھا، میرے گمان میں بھی نہیں تھا۔'' اس نے کہا، پھر ایک ثانیہ رک کر وہ کہتی چلی گئی، ''پھر ایک ایسی افتاد مجھ پر پڑی جس نے مجھ مار کر رکھ دیا، میرے پاپا، ماما اور دادی۔ ایک حادثے کا شکار ہو گئے۔ وہ اس دنیا میں نہیں رہے۔ میں اکیلی رہ گئی۔'' یہ لفظ کہتے ہوئے اس کی آواز پھر سے بھرا گئی۔

''اوہ بہت افسوس ہوا۔'' طاہر بھی افسردہ ہوگیا

''میں بے سکون ہوگئی۔ اتنی بے سکون کے پوری دنیا سے کٹ گئی۔ دل میں یہی خیال آتا کہ یہ سب میرے ساتھ ہی کیوں ہو رہا ہے۔ کیا مجھے اب مرجانا چاہئے۔ ایسے ایسے منفی خیالات کہ خودکشی کے نئے نئے طریقوں پر غور کرنے لگی۔ مجھے کوئی غرض نہیں تھی کہ میرے پاپا کا بزنس کون چلا رہا ہے۔ دادا کو کتنی مشقت ہو رہی ہے۔ نیند آتی تو سو جاتی، جاگتی تو جاگتی ہی رہتی۔ ایک انجانا خوف مجھ پر مسلط ہو گیا تھا۔ انتہائی خستہ حالت ہوگئی تھی میری۔'' وہ ماضی میں گم ہوتے ہوئے بولی

''اتنا کچھ کیوں؟ تم اچھی بھلی سمجھدار لڑکی ہونے کے باوجود......؟'' طاہر نے اُلجھتے ہوئے پوچھا

''میں نے کبھی دکھ دیکھا ہی نہیں تھا۔ مجھے پتہ ہی نہیں چل رہا تھا کہ یہ سارے دُکھ کیسے جھیلوں؟'' آیت نے یوں کہا جیسے وہ اب بھی انہی دکھوں کی ٹرانس میں ہو

''پھر اس فیز سے کیسے نکلی ہو؟'' اس نے پوچھا

''بس ایسے ہی میری ایک دوست تھی امبرین، اسے میرے بارے میں علم تھا، دادو نے اسے کہا کہ وہ مجھے کمپنی دے۔ وہ میرے پاس آجاتی یا میں اس کے پاس چلی جاتی۔ سکون تو بہر حال تھا نہیں، میں پاگلوں کی طرح ہوگئی تھی۔ مجھے سمجھ نہیں آتی تھی کہ یہ سب ہو کیسے گیا؟ پھر میں اس فیز سے خود نہیں نکلی، ایک شاہ صاحب کے بارے میں کسی نے بتایا تو میں امبرین کے ساتھ ان کے ہاں چلی گئی۔ ان کا ایک لیکچر سنا اور پھر دومنٹ کی ان کے ساتھ ملاقات ہوئی۔ اس کے بعد میں وہاں باقاعدہ جانے لگی۔'' اس نے بتایا

''کون سے ہیں وہ شاہ صاحب، ان سے ملاقات ہوسکتی ہے؟'' طاہر نے پوچھا

''سید ذیشان رسول صاحب، ہاں، ان سے ملاقات ہوسکتی ہے۔'' آیت نے بتایا

''مطلب، انہوں نے تمہیں اس فیز سے نکلنے میں مدد کی۔ تو کیا انہوں نے سرمد کے بارے میں کوئی ہدایات دیں یا تم خود ہی اس کی طرف متوجہ ہوگئی تھی؟'' طاہر نے پوچھا تو آیت بولی

''ان کی باتیں عام انسانوں کے بارے میں ہوتی ہیں جو سوچنے پر مجبور کرتی ہیں۔ شاید، یا میں سمجھتی ہوں، انہیں سرمد کے بارے میں یا میرے بارے میں پتہ بھی نہیں ہوگا۔ یہ تو میں نے سرمد اور رابعہ کو تلاش کیا اور جب مجھے ان کے بارے میں پتہ چلا تو بہت افسوس ہوا۔ مجھے اس سے غرض نہیں کہ وقار حسین کے بھائیوں نے تمہیں کیا بتایا، لیکن میں اتنا جانتی ہوں کہ وہ لوگ بہت ظالم تھے۔ رابعہ اور سرمد انتہائی کسمپرسی میں زندگی گذار رہے تھے۔''

''وہ کیسے؟'' طاہر نے پوچھا

''وقار حسین کے بعد انہوں نے رابعہ کو گھر سے نکال دیا کہ اب جاؤ اپنے ماں باپ کے پاس۔ رابعہ کے والدین انتہائی غریب

تھے۔ وہ روٹی تو دے رہے تھے۔ لیکن ایک جوان سال عورت کو گھر میں تو نہیں بٹھا سکتے تھے۔ انہوں نے عدت کے بعد اس پر دوسری شادی کرنے کے لئے دباؤ ڈالا۔ ایک شخص تھا، جس کی بیوی فوت ہو گئی تھی، دو اس کے بچے تھے۔ وہاں پر سرمد بھی پل جاتا۔ انہی دنوں سرمد بے چارہ بیمار ہو گیا۔ اب اس کے علاج کا خرچ بڑھ گیا تو رابعہ کے لئے وہ دن کاٹنا مشکل ہو گئے۔ وہ بے چاری سرکاری ہسپتالوں میں لے کر اسے پھرتی رہی۔ وہاں کیا ہونا تھا۔ انہی دنوں میں نے اپنے ذرائع سے پتہ کیا تو مجھ پر رابعہ کے حالات کھلے۔ میرا رابعہ سے رابطہ ہو گیا تو میں فوراً بہاول پور پہنچ گئی۔'' آیت نے بتایا

''اور تبھی تمہاری مجھ سے ملاقات ہو گئی۔'' اس نے ہنستے ہوئے کہا

''ہاں۔! ان دنوں میرے پاس پیسہ نہیں تھا۔ مجھ سے جو ہو سکا میں نے کیا۔ لیکن واپس آنے کے بعد میں نے سوچا۔ سرمد میری تمام تر سرگرمیوں کا محور بن گیا۔ میں نے اپنا آپ اسے سونپ دیا۔ میں نے دادا کے ساتھ اپنا بزنس شروع کیا اور پھر اس میں کھو گئی۔ تیسرے ماہ ہی میں سرمد اور رابعہ کو یہاں لاہور اپنے ہاں لے آئی۔ میری ترقی، میرے بزنس کا پھیلاؤ، میرا سکون صرف اور صرف سرمد کی وجہ سے ہے۔'' وہ اعتماد سے بولی

''وہ کون سی ایسی بات ہے، جس نے سرمد کو محور بنا دیا۔ کیا یہ وقار حسین کی تلافی؟'' اس نے پوچھا

''نہیں، تلافی تو میں کر ہی نہیں سکتی۔ یہ بات شاید ابھی تم نہیں سمجھ پاؤ گے۔ اسے وقت پر چھوڑ دو۔'' آیت نے مسکراتے ہوئے کہا تو وہ ہنستے ہوئے بولا

''ٹھیک ہے چھوڑ دیا وقت پر۔'' وہ مسکراتے ہوئے بولا

''اچھا کیا'' اس نے کہا

''اور یہ تھی تمہاری داستان۔'' وہ سوچتے ہوئے لہجے میں بولا

''میرا خیال ہے اب چلیں، میری آج ایک میٹنگ بھی ہے۔'' آیت نے کہا تو طاہر اٹھتے ہوئے بولا

''دیکھو، اب تک میں ہی تمہیں ملنے آتا رہا ہوں۔ کیا تم نہیں آؤ گی۔''

''طاہر، تم نے مجھے بلایا ہی نہیں، یہاں تک کہ بہاول پور میں بھی تم نے مجھے اپنا گھر نہیں دکھایا۔'' آیت نے ہنستے ہوئے کہا تو وہ ایک دم سے قہقہہ لگا کر ہنس دیا۔

سید ذیشان رسول صاحب اپنے کمرے میں تھے۔ سارے آنے والے لوگ جا چکے تھے۔ دوپہر بھی ہونے والی تھی۔ وہ ایسے وقت میں اٹھ جایا کرتے تھے۔ لیکن وہ پھر بھی بیٹھے تھے۔ وہ بار بار دروازے کی جانب دیکھ رہے تھے جیسے انہیں کسی کا انتظار ہو۔ ایسے میں

ان کا خاص ملازم اندر آ گیا۔

''کوئی ہے باہر یا......'' شاہ صاحب نے پوچھا

''ایک نوجوان ہے، وہ اندر آنا چاہ رہا تھا، لیکن ایسے میں ایک ایم پی اے آ گیا آپ سے ملنے کے لئے۔ وہ نوجوان رُک گیا اور اس نے انہیں اندر آنے کے لئے کہہ دیا ہے۔ میں یہ اجازت لینے آیا تھا کہ ایم پی اے نے وقت نہیں لیا، اور آپ کے آرام کا وقت بھی ہو رہا ہے، کیا میں اسے واپس......''

''اسے اندر بھیج دو'' شاہ صاحب نے سنجیدگی سے کہا تو ملازم واپس پلٹ گیا۔ ایک منٹ بعد ہی طاہر باجوہ اندر آ گیا۔ سلام ودعا کے بعد وہ سامنے پڑے صوفے پر بیٹھ گیا تو شاہ صاحب نے طاہر کی طرف دیکھ کر پوچھا

''آپ ہو ایم پی اے؟''

''جی میں ہی ہوں'' طاہر نے دھیمے سے کہا تو شاہ صاحب چند لمحے خاموش رہے پھر بولے

''حکم کریں۔''

''نہیں، بس میں آپ سے ملنا چاہتا تھا'' طاہر نے جلدی سے کہا

''پھر بھی کوئی حکم؟'' انہوں نے پوچھا

''جی نہیں، میں آپ کی باتیں سننے آیا تھا، لیکن یہاں آ کر پتہ چلا کہ لیکچر کا وقت ختم ہو گیا ہے۔'' طاہر نے کہنا چاہا، جسے سن کر شاہ صاحب بولے

''اچھا، اگر باتیں ہی سننی ہیں تو بیٹھیں۔'' یہ کہہ کر انہوں نے گھنٹی کا بٹن دبا دیا۔ ملازم بازگشت کی طرح اندر آ گیا۔ اسے دیکھتے ہی شاہ صاحب بولے، ''اس نوجوان کو اندر بھیج دو۔''

''جی اچھا'' یہ کہتے ہوئے ملازم پلٹ گیا۔

چند ثانئے بعد ہی وہ نوجوان اندر آ گیا۔ وہ بڑے تپاک سے ملا اور اشارہ پاتے ہیں ایک صوفے پر بیٹھ گیا۔ تب شاہ صاحب بولے

''حکم کریں، کوئی نیا سوال ہے آپ کے پاس؟''

''جی، میں ایک بات سمجھنا چاہ رہا ہوں۔'' اس نوجوان نے سکون سے کہا

''بولیں۔'' شاہ صاحب اس کی جانب پوری طرح متوجہ ہوتے ہوئے بولے تو اس نے پوچھا

''انسان میں احساس اُجاگر کرنے کے بعد جو اس کی امری پیدائش ہوگی، یہی وہ مقام ہے جو انسان کے لئے مزید آگے بڑھنے کا موقع فراہم کرتا ہے۔ اب امری پیدائش کے بعد کیسی قوت بیدار رہوتی ہے؟''

''اس کے اختیار کی قوت۔ اگر اسے مادی ترقی کی طرف لگائیں گے تو وہ لگ جائے گا۔ اگر روحانی ترقی کی طرف لگائیں گے تو وہ ادھر بھی لگ جائے گا۔ اب ہم یہ کہیں گے کہ انسان میں جو صفات ہیں اگر انہیں اجاگر کرنے کے لئے ایک معیار پر لے آئیں، تو ویسا ہی کرے گا۔ اب اسے مزید آسان لفظوں میں یوں سمجھو کہ جیسے ایک آدمی کو یہ احساس ہوتا ہے کہ میرے اندر تخلیقی صلاحیتیں ہیں۔ میں نے اس کا کچھ بھی نہیں کیا۔ تخلیقی قوت کے احساس کے ساتھ اس کے اندر سے یہ فیصلہ ہوگا کہ وہ اس قوت کو استعمال کرے گا یا نہیں۔ اگر فیصلہ ہاں میں ہو جاتا ہے تو پھر وہ کس سمت میں جاتا ہے۔ اپنی تخلیقی صلاحیتوں کا اظہار وہ کیسے کرتا ہے؟ شاعری، نثر نگاری، مصوری، مجسمہ سازی وغیرہ۔'' شاہ صاحب نے دھیمے لہجے میں سمجھایا

''شاہ صاحب اب یہاں سمجھنے کی بات یہ ہے کہ یہ سفر کہاں سے شروع ہوگا؟'' اس نے نیا سوال کر دیا تو شاہ صاحب نے کہا

''سفر کرنے کا ایک ہی طریقہ ہے۔ ظاہر سے باطن کی طرف یا باطن سے ظاہر کی طرف۔ کائنات ازل سے ابد کی طرف جا رہی یعنی باطن سے ظاہر کی طرف، تو میرا خیال ہے یہی طریقہ انتہائی مناسب ہے۔''

''اس عمل کو جب انسان اپنا لے گا تو آگے کیا ہوگا؟'' نوجوان نے پوچھا

''کیونکہ اس تمام کائنات کی بنیاد انسان ہے۔ اگر وہ ہی باصلاحیت نہیں تو وہ اس کائنات کے ساتھ ایڈجسٹ نہیں کر پائے گا۔ اور اگر وہ انسان، وہی انسان ہے، جو احسن تقویم والا ہے، تب یہ کائنات کا مرکز بن جائے گا، جیسے ہی اس کائنات کے ساتھ وہ برابر ہوگا، اس پر راز کھلنا شروع ہو جائیں گے۔'' انہوں نے کہا

''ایک بندے کے پاس معلومات ہی نہیں ہیں۔ بچے کے پاس کہاں سے معلومات ہوں گی۔'' نوجوان نے کسی قدر الجھتے ہوئے پوچھا

''ایک بچہ، جو فطرت سلیمہ پر پیدا ہوتا ہے۔ وہ احسن تقویم پر ہے۔ اس میں علم بھی ہے اور تمام تر صلاحیتیں بھی۔ بجائے اس کے کہ اس میں سے کھوج لگائیں، ہم علم کے ٹوکرے اس میں انڈیلنا شروع کر دیں۔ تب وہ بچہ ہمارے جیسا ہی ہو جائے گا۔ میں کہتا ہوں کہ اس بچے میں جو فطری صلاحیتیں ہیں، جسے ربّ تعالیٰ نے احسن تقویم پر پیدا کیا، اسی پر اس بچے کو کھڑا کر دیا جائے۔ اس میں سب کچھ ہے۔ اس کی فطری صلاحیتوں کو ابھارا جائے۔'' شاہ صاحب نے بتایا

''بچہ کیا اتنی معلومات رکھتا ہے؟'' اس نے پوچھا تو شاہ صاحب کہتے چلے گئے

''آپ بات کو سمجھنے کی کوشش کریں۔ کاغذ کا ایک پرچہ ہے۔ وہ صاف ہے۔ ہم اس پر لکھ سکتے ہیں۔ لیکن جس پرچے پر پہلے ہی لکھا ہوا ہے اگر آپ اس پر لکھیں گے تو آپ اوور رائٹنگ کریں گے۔ بچہ پیدا ہوتے ہی بے رنگ ہے۔ اس نے بعد میں بے رنگ نہیں بننا، اگر بنے گا تو مشکل ہوگی۔ بچہ جیسے جیسے پیار بھری حرکتیں کرتا ہے اس کے پیچھے چل پڑیں۔ وہ خود کو بچا لے گا۔ جو چیزیں ہم اسے دیتے ہیں، اس سے وہ ہمارے پیچھے لگ جائے گا۔ اور پھر وہ ہمارے جیسا ہو جائے گا۔ اسے اپنی بے رنگی کا احساس ہی ختم ہو جائے گا۔ اس بچے کا سارا

علم کیا ہے، اس کا پیار، عشق حقیقی کیا ہے سچا پیار۔ بے رنگی دل کی۔ وہ اپنے ماں باپ کے ساتھ سچے دل سے سچے پیار سے چل رہا ہے۔"

"سوال یہ ہے کہ اگر بچے کو فطرت پر لے کر آئیں تو اس میں جہاں محبت ہے وہاں نفرت بھی ہے۔" نوجوان نے پوچھا تو شاہ صاحب نے فوراً ہی کہا

"یہ ایک غلط فہمی ہے۔ معاشرتی عدم توازن بچے کی شخصیت پر اثر انداز ہوتا ہے۔ بچے کو فطرت سلیمہ پر پیدا کیا گیا۔ وہ مثبت صلاحیتوں پر پیدا ہوتا ہے۔ لیکن وہ جو بھی منفی لے گا، وہ دنیا ہی سے لے گا۔ ہم سمجھنے کے لئے مہاتما بدھ کی مثال لے سکتے ہیں۔ ہم ایک بچے کو محبت کے حصار میں رکھ کر باہر نکالیں گے تو وہ اپنی محبت ہی میں باہر آئے گا۔ دشمنی کے ساتھ نہیں۔ اندھیرا، دنیا کی طرف سے آتا ہے۔ بچے کی جبلت میں نفرت نہیں۔ بگاڑ باہر کی طرف سے ہے۔ رَبّ تعالیٰ کی دی ہوئی صلاحیتیں اجاگر ہوں گی تو وہ عطیہ کس حد تک طاقت ور ہوگا؟ جیسے بچے کو جو زبان دی جائے گی، وہی بولے گا۔ جرم سامنے نہیں ہوگا تو جرم سے واقف بھی نہیں ہوگا۔ ہر شے بدل جائے گی مگر اس کی محبت والی فطرت نہیں بدلے گی اور نہ اسے بدلا جا سکتا ہے۔ اس کے اندر جو عشق کی بنیاد پڑی ہے وہ عشق دراصل بے رنگ ہے۔ اس کے اندر پڑی محبت برقرار ہے۔ کیونکہ وہ بے رنگ ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ محبت از خود ہے۔ نفرت پیدا کرنی پڑتی ہے۔ دراصل وہ نفرت ظاہر کیوں ہوتی ہے۔ وہ معاشرتی بداعتدالی ہے۔ باہر کا ردعمل ہے۔"

"کیا وہ معیار یہی بچہ ہے یا بچے کی بے رنگی؟" نوجوان نے مسکراتے ہوئے سکون سے پوچھا

"انسان کو بھی اس بچے کی فطرت پر آنا ہوگا۔ جیسے یہ انسان اس دنیا میں آیا ہے۔ ویسے ہی پلٹ جائے اس سے زیادہ کامیابی کوئی نہیں۔ اس پر دنیا کا رنگ نہ چڑھے۔ یہی حقیقی سپر مین ہے۔ یہی بے رنگ پیا ہے۔ یہ ایک معیار ہے۔ جس کے ساتھ توازن کیا جا سکتا ہے۔ اس بچے کی صلاحیتیں لافانی ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ وہ کرتا کیا ہے۔ جو چاہا وہ ہو گیا۔" شاہ صاحب نے بھی مسکراتے ہوئے بتایا

"بچے کی اس بے رنگی کی فطرت پر آ جانے کے بعد انسان پر کیا اثرات ہوں گے، باہر کے ساتھ وہ کیسا تعلق جوڑے گا۔" نوجوان نے پوچھا

"انسان اس کائنات کے ساتھ تبھی برابر ہوتا ہے، جب وہ خود اپنی ذات میں برابر ہو جائے گا۔ تب کائنات بھی اس کے سامنے کھل جاتی ہے۔"

"اس کی روح چاہے جتنی آلودہ ہو جائے؟ یا پھر......" نوجوان پوچھتے ہوئے رُک گیا

"روح تو آلودہ ہوتی ہی نہیں۔ وہ روح ہی کیا جو آلودہ ہو جائے۔ جو بندہ اثبات کو سامنے رکھ کر چلے گا، وہ فنا و بقا کو پا لے گا۔ جو نفی کو پہلے رکھتا ہے۔ وہ اثبات تک نہیں پہنچ پاتا، بھٹک جائے گا۔ خیر! یہ بات ہم پھر اگلی کسی نشست میں کریں گے، فی الحال اتنا ہی سمجھ لیں کہ بچے کی جو فطرت سلیمہ ہے وہ بے رنگ ہے۔ یہی ہمارا مقصود ہے۔" شاہ صاحب نے مسکراتے ہوئے اسے سمجھایا۔

''جی شاہ صاحب بہت مہربانی، یہ موضوع آئندہ سہی۔ اجازت دیں۔'' یہ کہتے ہوئے وہ نوجوان اٹھا اور ہاتھ ملا کر باہر چلا گیا۔

طاہر اٹھا، اس نے بھی ہاتھ ملایا تو شاہ صاحب بولے

''میاں ایم پی اے صاحب۔! خیال رکھا کریں۔ حکومتی ایوانوں اور فقیر کے حجرے میں بڑا فرق ہوتا ہے۔'' یہ کہہ کر انہوں نے طاہر کا ہاتھ چھوڑ دیا۔ طاہر انہیں دیکھتا ہی رہ گیا۔ شاہ صاحب نے بیٹھے بیٹھے آنکھیں بند کر لیں۔ طاہر وہاں سے نکلتا چلا گیا۔

❀ ❀ ❀

آیت نے ایک بڑے سے بنگلے کے باہر اپنی کار روکی ہی تھی کہ گیٹ پر موجود چوکیدار نے بڑی تیزی سے گیٹ کھول دیا۔ وہ کار پورچ تک لے گئی۔ جیسے ہی اس نے کار روکی، طاہر داخلی دروازے پر نمودار ہوا۔ وہ تیزی سے آگے بڑھا اور ڈرائیونگ سیٹ کی طرف والا دروازہ کھولتے ہوئے انتہائی خوشگوار لہجے میں بولا

''خوش آمدید، میرے گھر کو رونق بخشنے پر، یقین جانو مجھے دلی خوشی ہو رہی ہے۔''

''واہ بڑا پروٹوکول دے رہے ہو۔'' آیت نے کار سے باہر نکل کر مسکراتے ہوئے خوشگوار لہجے میں کہا۔ طاہر نے کار کا دروازہ بند کیا اور اندر جانے کا اشارہ کرتے ہوئے بولا

''جو اہم ہوتے ہیں، انہیں پروٹوکول دینے کو دل چاہتا ہے اور تم میرے لئے بہت اہم ہو۔''

''کب سے ہو گئی میں تمہارے لئے اہم؟'' اس بار آیت نے بھی مذاق بھرے انداز میں کہا

''جب سے تم ملی ہو، تب سے ہی اہم ہو۔'' طاہر نے کہا تو آیت نے اس کی طرف دیکھا، وہ کچھ کہنا چاہتی تھی لیکن اس نے لفظ ہونٹوں ہی میں دبا لئے۔ وہ اندر کی جانب چل پڑا۔ تو آیت بھی اس کے ساتھ اندر بڑھ گئی۔

لاؤنج بہت خوبصورت انداز میں سجایا ہوا تھا، جس کا مجموعی تاثر وہی جاگیردرانہ اظہار تھا۔ وہی تلواریں، پرانی بندوق، ہرن کا سر، جانوروں کی کھالیں، بزرگوں کی شان و تمکنت ساتھ بنوائی ہوئی تصویریں، جو مہنگے فریم میں جڑی ہوئی تھیں۔ پرانی طرز کی چیزیں، نوادرات، یہ سب دیکھتے ہوئے آیت ایک صوفے پر بیٹھ گئی۔

''کیسا لگا میرا گھر؟'' طاہر نے اُسے چاروں طرف دیکھتے ہوئے پا کر اشتیاق سے پوچھا

''بس ایک کمی سی محسوس ہو رہی ہے۔'' وہ دکھ سے بولی

''وہ کیا؟'' طاہر نے تجسس سے پوچھا

''کسی انسان کی کھال، یا وہ انسانی آہیں، تڑپتی ہوئی انسانیت کی نشانی، انسانی تذلیل کے نظام کا کوئی ایوارڈ یہاں دیوار پر نہیں ٹنگا ہوا، جو تم لوگوں کے ہاں عام ہے۔'' آیت نے انتہائی دکھ سے کہا

یہ سن کر طاہر کی آنکھیں ذرا سی پھیلیں، پھر ان میں جیسے شرمندگی اتر آئی۔ چند لمحے خاموش رہنے کے بعد اس نے کہا

''ٹھیک کہتی ہو تم۔ لیکن ایک بات کہوں؟''

''ہاں کہو۔'' آیت متوجہ ہوئے بولی

''تمہارا جس طرف اشارہ ہے، میں اس سے انکار نہیں کرتا اور نہ ہی میں ان کی وکالت کروں گا، لیکن اتنا تو کہوں گا، کیا لوگوں کو شعور نہیں ہے کہ وہ ظلم برداشت کرتے ہی چلے جا رہے ہیں۔'' اس نے عام سے لہجے میں کہا تو آیت سوچتے ہوئے انداز میں بولی

''تم بھی ٹھیک کہہ رہے ہو۔ ظالم کے خلاف نفرت تو سب کے دل میں ہوتی ہے۔ لیکن اس نفرت کو عملی صورت نہیں دیتے، ڈرتے ہیں اور یہی خوف ظالم کو شہ دیتا ہے۔ خیر یہ ایک لمبی بحث ہے۔ سناؤ کیسے چل رہا ہے سب۔''

''وہی پہلے جیسا۔ اپنی موج اور مستی۔'' طاہر نے اختصار سے کہا

''بڑی خاموشی ہے تمہارے ہاں بھی۔'' آیت نے کہا

''ہاں، یہاں ایسے ہی رہنا ہے۔ میری شادی بھی ہوگئی تو بھی میری بیوی آبائی گھر میں رہے گی۔ اسی لئے میں اسے گھر نہیں ڈیرہ کہتا ہوں۔'' اس نے خوشگوار لہجے میں کہا تو ان کے درمیان خاموشی در آئی۔ کتنے ہی لمحے یونہی گذر گئے، تب آیت نے خاموشی توڑی۔

''وہ تمہارے یونیورسٹی فیلو کہاں ہوتے ہیں؟ کوئی رابطہ ہے ان سے۔ کہاں ہوتے ہیں؟''

''ساجد، وہیں بہاول پور میں نام کا وکیل ہے لیکن اصل میں اپنا بزنس کر رہا ہے۔ اس کے ساتھ سیاست بھی چل رہی ہے۔ بابا ہی کے گروپ میں ہے۔ آئندہ اسے مقامی سیاست میں لے آئیں گے۔ منیب کا باپ یہاں اخبار میں صحافی تھا، اس نے منیب کو بھی اپنے ساتھ ہی لگا لیا۔ کچھ دن پہلے آیا تھا میرے پاس کوئی انفارمیشن آفیسر کی جاب بارے بات کر رہا تھا۔'' طاہر نے عام سے لہجے میں کہا

''چلو اچھا ہے، وہ سیٹ ہو گئے۔'' آیت نے بھی سکون سے کہا تو طاہر مسکراتے ہوئے بولا

''ایک بات پوچھوں؟''

''پوچھو۔'' وہ بولی

''جس دن ہم پہلے دن ملے تھے۔ تم نے تجسس ہی نہیں کیا، کبھی نہیں پوچھا کہ اس دن ہماری کیا شرط لگی تھی، کیوں لگی تھی؟'' طاہر نے کہا

''میں نے ضروری نہیں سمجھا، وہ تم لوگوں کی باتیں تھیں۔'' آیت نے کاندھے اُچکاتے ہوئے کہا

''اصل میں منیب اور ساجد دونوں ہی مخلص تھے۔ انہیں بھی یہ بات پوچھنے پر مامور کیا گیا تھا۔'' طاہر نے کہا تو آیت نے تجسس سے پوچھا

''کون سی بات؟''

''جس کی وجہ سے شرط لگی تھی۔'' طاہر نے کہا

''کیا بات تھی وہ؟'' اس نے پھر پوچھا

''میں شروع سے بتاتا ہوں۔'' یہ کہہ کر وہ ایک ثانئے کے لئے خاموش ہوا، پھر کہتا چلا گیا۔'' بابا کے ایک دوست کی بیٹی ہے جویریہ، بہت بولڈ لیکن کردار کی بہت اچھی ہے، خوبصورت ہے، وہ مجھ میں دلچسپی رکھتی تھی۔ اس نے ان دونوں سے کہا تھا۔ اُس وقت میں نے یہ مذاق سمجھا تھا۔ خیر۔! بعض اوقات بات کرنے میں بڑی غلط فہمی پیدا ہو جاتی ہے۔ سامنے کی حقیقت ہوتی کچھ ہوتی ہے، بندہ سمجھ کچھ دوسرا رہا ہوتا ہے۔''

''ہاں۔! بس ایسا ہی۔ سمجھ اس وقت آتی ہے، جب ہاتھ میں کچھ نہیں رہتا۔'' آیت نے طویل سانس لیتے ہوئے کہا تو طاہر کا ملازم نمودار ہوا، جسے دیکھتے ہی وہ بولا

''اُوہ۔! ہم باتوں ہی میں لگ گئے۔ آؤ، لنچ کریں۔''

وہ دونوں اٹھ گئے۔

میز پر دیکھ کر اندازہ ہوا کہ کس قدر تکلف کیا گیا تھا۔ اس پر آیت نے ایک لفظ بھی نہیں کہا۔ طاہر نے اپنے خلوص کا اظہار کیا تھا۔ وہ کوئی لفظ کہہ کر اس کی خوشی کو ماند نہیں کر سکتی تھی۔ وہ لمبی میز کے کناروں پر آمنے سامنے بیٹھ گئے۔ کھانے کے دوران وہ ساجد اور منیب کی باتوں کو لے کر یونیورسٹی کے دنوں کی باتیں کرتا رہا۔ انہی باتوں کے دوران طاہر نے انتہائی سنجیدگی سے کہا

''آیت۔! ایک آفر ہے تمہارے لئے۔''

''کون سی آفر۔'' اس نے عام سے انداز میں پوچھا

''میں تمہارے بزنس میں شامل ہونا چاہتا ہوں، جتنا سرمایہ کہو میں لگا دیتا ہوں۔'' طاہر نے کہا تو آیت نے اگلے ہی لمحے صاف انداز میں کہا

''نہیں میں تمہیں اپنے بزنس میں شامل نہیں کر سکتی۔''

''کیوں۔'' اس نے حیرت سے پوچھا

''مجھے شراکت پسند نہیں۔'' اس نے وجہ بتادی

''یہ کیا بات ہوئی۔'' وہ الجھتے ہوئے بولا

''یہی تو ایک بات ہے۔ شراکت اگر ہونی بھی ہو تو برابری کی بنیاد پر ہوتی ہے۔ میں اپنے فیصلوں میں کسی کو برداشت نہیں کر سکتی اس لئے برابری ہو نہیں پائے گی۔ میں اپنے فیصلے کا اختیار خود اپنے پاس رکھنا چاہتی ہوں۔ تم بھی ایسا ہی کرو۔'' آیت نے مسکراتے ہوئے سمجھایا

''میں ایسا کیسے، سمجھا نہیں؟'' اس نے پوچھا

''خود اپنا بزنس شروع کرو۔ میں تمہاری مدد کر دوں گی۔'' وہ مسکراتے ہوئے بولی تو وہ دھیمے سے بولا

''میں شاید ایسا نہ کر سکوں۔''

''کیوں؟'' اس نے پوچھا

''چھوڑو۔'' طاہر نے ایک دم سے کہا تو آیت کچھ سوچتے ہوئے بولی

''ایسا نہیں کہ یہ میں تمہارے لئے کہہ رہی ہو۔ میں کسی کے ساتھ بھی شراکت داری پسند نہیں کرتی ہوں، اور نہ میں نے کی ہے۔''

''خیر، چھوڑو اس موضوع کو۔'' اس نے سکون سے کہا تو آیت نے بھی تجسس نہیں کیا۔ طاہر پھر سے یونیورسٹی کی باتیں کرنے لگا۔ لیکن اس بار اس کے لہجے میں تازگی نہیں رہی تھی۔ یوں جیسے وہ مرجھا گیا ہو۔

وہ دوبارہ لاؤنج میں آ کر بیٹھ گئے۔ آیت نے احساس کر لیا تھا کہ اس کے شراکت داری نہ کرنے پر طاہر کو دکھ ہوا ہے لیکن اس نے پھر اس موضوع پر نہ بات کی نہ کوئی وضاحت دی۔ وہ کافی دیر تک بیٹھنے کے بعد وہ واپس چل دی۔

طاہر کو نجانے کیوں دکھ سا ہو رہا تھا۔ وہ ڈسٹرب ہو گیا تھا۔

شام اُتر رہی تھی۔ آسمان پر سفید گالوں کے جیسے بادل چھائے ہوئے تھے۔ سورج ابھی غروب نہیں ہوا تھا لیکن بادلوں کی وجہ سے روشنی کم ہو گئی تھی۔ اس وقت طاہر باجوہ کے بنگلے کا گیٹ کھلا اور اس میں سفید چھوٹی کار داخل ہوئی۔ اسے اپنے بنگلے کے لان میں اکیلے بیٹھے ابھی تھوڑی دیر ہی ہوئی تھی۔ وہ ایک کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔ سامنے دھری کرسیوں کے درمیان میز پر کافی سارے لوازمات پڑے ہوئے تھے۔ کار پورچ میں رکی تو اس میں سے منیب باہر آ گیا۔ وہ پہلے سے کافی حد تک سوبر ہو گیا ہوا تھا۔ اس نے طاہر کو لان میں بیٹھا دیکھ لیا تھا۔ اسی لئے سیدھا اس کی طرف بڑھتا چلا آیا تھا۔

''بڑی بات ہے آج گھر پر ہی ہو۔'' منیب نے قریب آ کر پوچھا تو طاہر نے کھڑے ہو کر بانہیں پھیلا دیں۔ دونوں گلے ملنے کے بعد آمنے سامنے پڑی کرسیوں پر بیٹھ گئے۔

''ہاں یار، بہت کم شامیں یہاں گھر میں گذرتی ہیں، وہ بھی جب کبھی میں خود شور شرابے اور رش والی زندگی سے تنگ آ جاؤں۔ تب اچھی لگتی ہے تنہائی، سکون ملتا ہے۔'' طاہر نے کہا تو منیب نے ہنستے ہوئے پوچھا

''آج مجھے کیوں بلا لیا، ڈسٹرب ہونے کو؟''

''نہیں، مجھے لگتا ہے میں خود ڈسٹرب ہوں۔ میں تم سے باتیں کرنا چاہتا ہوں۔''

''صرف باتیں؟ وہ تو کوئی بھی تم سے کر سکتا ہے؟'' منیب نے حیرت سے پوچھا

سیاست کی سناؤ، یہ تمہارے اوپر کی باتیں ہیں انہیں چھوڑو۔'' طاہر نے آیت کی بات من وعن دہرادی جیسے وہ اب بھی اس کی بات سن رہا ہے۔تبھی منیب نے تیزی سے پوچھا

''کمال ہے، اس کی سوچ ایسی ہے۔لیکن سوال یہ ہے کہ تم کیوں ڈسٹرب ہو؟اس کی اپنی زندگی، تمہاری اپنی زندگی، آیت نے ٹھیک ہی تو کہا۔''

''یہ عشق کیا ہوتا ہے؟ مجھے کیوں سمجھ نہیں اس کی، میں یہ تو مان گیا ہوں کہ عشق کا وجود ہے۔''

''کیسے مان گئے ہو؟''منیب نے پوچھا

''آیت ہی کو دیکھ کر، تم اس کے بارے میں سنو گے، تو حیران رہ جاؤ گے۔'' طاہر پر وہی سنجیدگی برقرار تھی۔جیسے وہ ایک ٹرانس میں ہو۔اسے کچھ سمجھ میں نہ آرہا ہو کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔جیسے کوئی شرابی نشے میں بس اپنی ہی کہے جارہا ہو۔تب منیب نے بے چارگی سے کہا

''دیکھو۔! میں تو اتنا سمجھتا ہوں کہ جیسے آیت نے کہا کہ عشق کی سمجھ عشق ہی دیتا ہے۔اب اس عشق کا پتہ تو اسی سے چلے گا، جس نے عشق کیا ہو؟ یا جسے خود عشق ہو جائے۔چونکہ یہ میرے بس کی بات نہیں کیا بتا سکتا ہوں۔مجھے تو اس کے بارے میں کوئی پتہ نہیں۔''

''ہاں تم ٹھیک کہتے ہو۔'' طاہر سوچتے ہوئے بولا

''مگر یہ تم کن چکروں میں پڑ گئے ہو۔یہ جو عشق مشک ہوتے نا، اس میں بندہ کہیں کا نہیں رہتا۔جہاں تک مجھے پتہ ہے تمہارے بابا تمہیں وزیر بنانے کی گیم کر رہے ہیں۔اس طرف دھیان دو، کوئی وزارت لو، ہم جیسے لوگوں کا بھی بھلا ہو جائے۔'' منیب نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا تو طاہر بولا

''لیکن یار، کتنا سکون ہے اس دنیا میں، میں وزیر بھی بن جاؤں گا تو کیا ہوگا، نہ بنوں تب بھی، ہمارا اسٹیٹس تو وہی ہے نا۔''

''سکون، اور اس دنیا میں، کیا بات کرتے ہو؟ دنیا میں صرف شور شرابا ہے، گہما گہمی ہے، سکون تو سکوت میں ہوتا ہے، اور ایسا یہاں دنیا میں نہیں ہے۔''

''ہے، میرا دل کہتا ہے کہ ہے۔جہاں تک میں نے سوچا ہے، یہاں اس دنیا میں بھی کسی شے کا انت نہیں، سکون بھی ہے، اور وہ بھی لامحدود ہے۔لامحدود کہہ کر میں پھر ایک حد کا تعین کر رہا ہوں۔'' طاہر نے خیالوں میں کھوئے ہوئے لہجے میں کہا تو منیب اُکتا گیا، اس لئے اُلجھتے ہوئے بولا

''مجھے پتہ ہوتا نا کہ تم نے ایسی بہکی بہکی باتیں کرنی ہیں تو شاید نہ آتا، ابھی تو شام ہو رہی ہے تم نے ابھی سے اتنی پی لی ہے کہ بات......'' اس نے کہنا چاہا لیکن طاہر نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا

''میں پینا کب سے چھوڑ دیا ہے۔میں اب نہیں پیتا ہوں، اب تو سوچ رہا ہوں سگریٹ بھی چھوڑ دو، کیونکہ مجھے یہ احساس ہوا

ہے کہ سگریٹ پینا آیت کو پسند نہیں۔“

”اوہ تو اس کا مطلب ہے مجھے چلنا چاہئے، میں اس لئے بیٹھا تھا کہ محفل لگے گی، تبھی تم نے اب تک چائے کا نہیں پوچھا۔“ وہ بولا

”یہ جو تمہارے سامنے اتنی نعمتیں پڑی ہیں۔ یہ لو، چائے بھی آجاتی ہے۔“ طاہر نے کہا

”او کے۔“ اس نے کہا اور پلیٹ میں پڑے ایک سیب کو اٹھا لیا۔ ایسے میں ایک ملازم چائے لے کر آتا ہوا دکھائی دیا۔

”لو یہ چائے بھی آگئی۔ چائے پی لو پھر چاہے چلے جانا۔“ طاہر نے کہا تو منیب نے کوئی جواب نہیں دیا۔ ملازم نے چائے بنا دی تو وہ دونوں پینے لگے۔ اس دوران وہ حالیہ سیاست پر باتیں کرتے رہے۔

❀.......❀.......❀

دن کافی چڑھ آیا تھا۔ دھوپ میں ہر شے نکھری ہوئی دکھائی دے رہی تھی۔ آیت تیار ہو کر لاؤنج میں بیٹھی ہوئی تھی۔ اس نے میرون کلر کا شلوار قمیص پہنا ہوا تھا۔ جس میں سے اس کا گورا رنگ مزید نکھرا ہوا لگ رہا تھا۔ وہ صوفے پر بیٹھی ایک فائل پڑھنے میں مگن تھی۔ اس کے چہرے پر سکوت کے ساتھ سکون تھا۔ باہر اس کا ڈرائیور پورچ میں کار کھڑی کئے اس کا انتظار کر رہا تھا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے اسے کسی کا انتظار ہو۔ زیادہ وقت نہیں گذرا تھا کہ باہر پورچ میں ایک کار آن رکی۔ جس کے چند منٹ بعد ہی امبرین داخلی دروازے میں نمودار ہوئی۔ اسے دیکھتے ہی آیت اٹھ گئی تو امبرین دور ہی سے کہنے لگی

”سوری سوری۔ میں ٹریفک میں پھنس گئی تھی۔“ یہ کہتے ہوئے وہ اس کے گلے لگ گئی۔

”کوئی بات نہیں۔ اتنی زیادہ دیر بھی نہیں ہوئی۔“ آیت نے اسے گلے لگاتے ہوئے نرم سے لہجے میں کہا تو وہ الگ ہو کر قہقہہ لگاتے ہوئے بولی

”ہاں بس ایویں، آدھا گھنٹہ ہی لیٹ ہوئی ہوں۔“

”چلو کوئی بات نہیں، کچھ کھائے پئے گی۔“ آیت نے پوچھا

”نہیں، میں نے ڈٹ کر ناشتہ کیا ہے۔“ وہ بولی

”چلو چائے تو پیئو گی نا، ناشتہ کئے دو گھنٹے ہو گئے ہوں گے۔“ آیت نے اندر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تو امبرین صوفے پر بیٹھ گئی۔ اتنے میں ملازمہ آئی تو آیت نے اسے چائے کا کہہ دیا۔ آیت نے ہاتھ میں پکڑی ہوئی فائل اسے تھماتے ہوئے کہا

”اس میں پوری تفصیل ہے کہ کس طرح سکول چلانا ہے۔ مجھے یقین ہے تم بہت اچھی طرح سب سنبھال لوگی۔“

”یہ تمہیں اتنا یقین کیوں ہے؟“ امبرین نے پوچھا تو وہ اس کے پاس بیٹھ کر بولی

”اس لئے کہ جس مقصد کے لئے میں نے یہ سکول بنایا ہے، تم اس کے بارے میں پوری طرح جانتی ہو۔ میں سمجھتی ہوں، یہ

میرے ربّ کا مجھ پر کرم ہے، تم مل گئی ہو اس کام کے لئے۔‘‘

’’میں بھی تنگ آ گئی ہوں یار گھر میں بیٹھ بیٹھ کر۔ کیا فائدہ پڑھنے کا اگر کسی کام ہی نہیں آیا، کسی آفس میں کام کرنے سے تو میرا جی گھبراتا ہے ورنہ سیدھی تیرے آفس میں پاس چلی آتی۔‘‘ اس نے کہا

’’ہاں یہ تو ہے؟‘‘ وہ بولی

’’شادی کے بعد میاں تو چلے گئے ہیں کویت، اور میں یہاں اکیلی۔ ویسے ایک بات ہے۔ تمہیں دیکھ کر لگتا ہے جیسے تم پر وقت گذرا ہی نہیں، اسی طرح فریش ہو جیسے پہلے دیکھا تھا۔‘‘

’’بس یار وقت وقت کی بات ہے۔‘‘ اس نے خیالوں میں کھوئے ہوئے انداز میں کہا

’’سچ پوچھو تو میرے ذہن میں پتہ ہے کیا تصور آ گیا تھا تمہارے بارے میں۔‘‘ وہ شرارت سے بولی

’’کیا؟‘‘ آیت نے تجسس سے پوچھا

’’یہی کہ تم نے کالے پیلے کپڑے پہنے ہوں گے۔ گلے میں رنگ برنگی مالائیں ہوں گئیں۔ بال تمہارے جٹاداری ہوں گے اور تم پوری ملنگنی ہوں گی۔‘‘ اس نے کہا اور زوردار قہقہہ لگا دیا۔

’’ارے واہ، یہ تصور کیوں تھا۔‘‘ یہ کہتے ہوئے آیت بھی ہنس دی۔

’’اس لئے کہ آخری بار جب یونیورسٹی میں تم آئی تھی تو تمہیں دیکھ کر مجھے بڑی مایوسی ہوئی تھی، کیا حال بنایا ہوا تھا تم نے، تمہیں پتہ ہے، اس کے بعد ہم آج ملے ہیں۔‘‘

’’ہاں۔! لیکن فون پر تو رابطہ رہا، تب میں آواز سے فریش نہیں لگی۔‘‘ آیت نے مسکراتے ہوئے پوچھا

’’وہی تو میں حیران ہوں۔ تم ایک دم سے بدل گئی ہو۔ مجھے اچھا لگا کہ تم وقت کے ساتھ چل رہی ہو۔ خیر میں تمہارا پراجیکٹ بھی سمجھ گئی ہوں۔ ویسے جو کچھ تم سرمد کے لئے کر رہی ہو، ایسا کوئی کرتا نہیں۔‘‘ آخری لفظ کہتے ہوئے امبرین کا لہجہ اداس ہو گیا۔ آیت نے اس کی بات کو جان بوجھ کر نظر انداز کرتے ہوئے کہا

’’ظاہر ہے شروع میں تعداد تھوڑی ہو گی۔ لیکن ہمارا مقصد کمائی نہیں، ان بچوں کو بھی تعلیم دینا ہے، جو کسی وجہ سے تعلیم حاصل نہیں کر سکتے ہیں۔‘‘

’’ہاں میں جانتی ہوں۔‘‘ امبرین سنجیدگی سے بولی

’’اچھا، اسے اچھی طرح پڑھنا، پھر ہم اس پر بات کریں گے۔ کوشش کرنا کہ آج ہی جا کر سکول بھی دیکھ آنا۔ اور اگر سرمد سے ملنا چاہو تو فارم ہاؤس چلی جانا۔ مجھے وقت ملا تو میں بھی آ جاؤں گی۔‘‘ اس نے سمجھایا

''میں جاؤں گی۔ میرے پاس وقت ہی وقت ہے۔'' امبرین نے فائل کو کھول کر دیکھتے ہوئے کہا۔ اتنے میں ملازمہ چائے لے کر آگئی۔

چائے پیتے ہوئے وہ دونوں اسی موضوع پر باتیں کرتی رہیں۔ چائے پی لینے کے بعد آیت نے اُٹھتے ہوئے کہا

''اچھا، اب میں نکلتی ہوں آفس کے لئے، تمہارے انتظار میں کافی دیر ہوگئی۔''

''ہاں میں بھی چلتی ہوں۔'' امبرین نے بھی اٹھ کر کہا

دونوں ایک ساتھ پورچ میں آئیں۔ اپنی اپنی گاڑیوں میں بیٹھ کر چل دیں۔

آیت اپنے آفس میں جا کر بیٹھی ہی تھی کہ طاہر کا فون آگیا۔ سیل فون کی اسکرین پر اس کا نمبر روشن تھا۔ وہ چند لمحے دیکھتی رہی پھر کال رسیو کرتے ہوئے بولی

''ہاں طاہر بولو۔''

''میں تم سے ملنا چاہتا ہوں۔'' وہ بولا

''کوئی خاص بات؟'' اس نے پوچھا

''خاص ہو بھی سکتی ہے اور خاص نہیں بھی۔ تم مان لوگی تو خاص ہو جائے گی، نہیں مانو گی تو خاص نہیں ہوگی۔'' وہ دھیمے سے لہجے میں بولا

''طاہر، میں اس وقت بہت مصروف ہوں۔ میرے آفس کا اس وقت پیک ٹائم ہے۔ اگر کوئی بہت اہم بات ہے تو آ جاؤ، ورنہ ہم پھر کسی وقت بات کرلیں گے۔'' اس نے سمجھانے والے انداز میں کہا

''میں آرہا ہوں، لنچ تمہارے ساتھ کروں گا۔'' اس نے حتمی انداز میں کہا

''ٹھیک ہے آجاؤ۔'' آیت نے کہا اور فون بند کر دیا۔

تقریباً دو گھنٹے بعد وہ اس کے آفس میں اس کے سامنے بیٹھا تھا۔ وہاں بیٹھ کر اس نے آیت کی مصروفیت دیکھی۔ کافی دیر بعد اس نے کام نمٹا کر ایک طویل سانس لی، اپنی کرسی سے اٹھ کر اس کے پاس صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولی۔

''ہاں بتاؤ، کیا بات ہے؟''

''کیا میں وہ وجہ جان سکتا ہوں کہ تمہارے ساتھ شراکت داری کیوں نہیں ہو سکتی؟'' طاہر نے سکون سے کہا لیکن اس کے لہجے میں شکوہ چھلک گیا تھا۔ اس پر آیت چند لمحے خاموش رہی، پھر مسکراتے ہوئے بولی

''میں چاہوں تو سکون سے گھر بیٹھ جاؤں۔ سوائے نگرانی کرنے کے اور کچھ بھی نہ کروں تو یہ سب چلتا رہے گا۔ کیونکہ ہمارا بزنس

مضبوط بنیادوں پر کھڑا ہے۔ہم یہ کام کرتے چلے آرہے ہیں۔ دوسری بات، کسی بھی کاروبار کے لئے سرمایہ خون کی سی حیثیت رکھتا ہے۔لوگ کریڈٹ کے ساتھ بھی کام کرتے ہیں۔اب تمہاری بات کا جواب دے رہی ہوں کہ یہ بزنس میرے لئے محض بزنس نہیں ہے، یہ میرا اپیشن ہے، مقصد ہے میرا، اوراس مقصد میں کسی کی بھی شراکت داری مجھے قبول نہیں۔میرا خیال ہے اب تمہارا یہ سوال فضول ہوگا کہ یہ بزنس میرے لئے مقصد کیوں ہے۔“

”اگر میں تمہارے ساتھ اس مقصد میں شامل ہوجاؤں۔“ طاہر نے پوچھا

”نہیں ہوسکتے، میرے دادو کے بارے میں جو میرے جذبات ہیں وہ تمہارے نہیں ہوسکتے۔اور تمہارے بابا کے بارے میں جو تمہارے جذبات ہیں وہ میرے نہیں ہوسکتے ہیں۔ مقصد تو پھر کہیں آگے کی چیز ہے۔اسے دل پر نہ لو۔یہیں اسی عمارت میں تمہاری نئی بزنس......“ آیت نے کہنا چاہا تو وہ بات کاٹ کر بولا

”میں یہ کرسکتا ہوں۔بزنس میرے لئے اجنبی شے نہیں ہے۔وہاں بہاول پور میں بھی ہم بزنس کرتے ہیں۔“

”تو پھر میرے ساتھ ہی کیوں؟“ آیت نے سکون سے پوچھا

”بس ایسے ہی، ایک تعلق کی خاطر۔“ وہ اس کے چہرے پر دیکھتے ہوئے بولا

”طاہر تم ایسے کیوں سوچ رہے ہو، ہم میں انجانا ہی سہی لیکن ایک تعلق تو ہے، جو بہت مضبوط ہے۔میرے خیال میں یہ تعلق ایسے کسی سہارے کا محتاج نہیں۔میں تمہاری احسان مند ہوں کہ تم نے مجھے ان دنوں سہارا دیا، جب کسی طرف سے کوئی امید نہیں تھی۔“ آیت نے مسکراتے ہوئے کہا

”اور یہی بات میں بھی کہہ سکتا ہوں کہ تم نے میری عزت رکھی اور......“ اس نے کہنا چاہا تو وہ بات ٹوکتے ہوئے بولی

”اوہو، یہ تم کیا باتیں لے کر بیٹھ گئے ہو۔لگتا ہے تمہیں کسی قسم کا ڈیپریشن ہوگیا ہے۔خوش رہا کرو۔زندگی کو سمجھو، اسے انجوائے کرو۔“ وہ ہنستے ہوئے بولی

”نہ بھی سمجھیں تو زندگی گزارنی ہے۔“ طاہر بھی ہنس دیا۔

”ہر بات کو انا پر نہیں لے جاتے۔یہ جو”میں“ ہے نا، یہ جہاں بڑے کام کی چیز ہے، وہاں تباہ بھی کر دیتی ہے۔ بالکل کسی زوردار قوت کی مانند۔اس قوت کو تسخیر کرلو تو بڑے کام کی، اگر اس کے زیر اثر آجاؤ تو کہیں کا نہیں چھوڑتی۔“

”میں سمجھتا ہوں کہ تم کیا کہنا چاہتی ہو۔لیکن قوت کی تسخیر کے لئے بھی قوت چاہئے ہوتی ہے۔“

”یہ بات تو تم نے ٹھیک کہی۔“ آیت نے کہا اور اس کی طرف دیکھا۔وہ خاموش ہوگیا جیسے کچھ سوچ رہا ہو۔اس نے آیت کے چہرے پر دیکھا، کچھ کہنا چاہا، لیکن نہیں کہا، پھر بڑے دھیمے سے انداز میں کہا

''مجھے ایک بات بتاؤ، کیا تمہیں اپنی دولت پر، اپنے بزنس پر اور اپنی صلاحیتوں پر اتنا ہی گھمنڈ ہے، اتنا غرور ہے تمہیں کہ تم کسی کے ساتھ شراکت داری پسند نہیں کرتی ہو؟'' طاہر نے وہ بات کہہ دی، جسے کہنے کے لئے وہ اس کے پاس آیا تھا۔ اس پر آیت نے اس کی طرف دیکھا، پھر ہلکے سے مسکرا دی وہ سمجھ رہی تھی کہ طاہر کی انا پر چوٹ پڑی ہے اور یہ لفظ صرف اور صرف اَنا کو بچانے کے لئے کہہ رہا تھا۔ سو اس نے نظر انداز کرنے کے لئے پوچھا

''میں سمجھی نہیں تم کیا کہنا چاہ رہے ہو؟''

''میں یہ بات تم سے اسی وقت بھی کہہ سکتا تھا، جب تم میرے گھر میں تھی اور تم نے مجھے منع کر دیا تھا، میں نے وہاں نہیں کہی۔ مجھے زیب نہیں دیتا تھا کہ میں تمہیں اپنے گھر میں ایسی بات کہوں، جو تمہیں گراں گذرے اور.....'' اس نے کہنا چاہا تو آیت نے بڑے سکون سے ہاتھ کا اشارہ کر کے بولی

''سنو۔! میں تمہارے سوال کے جواب میں کہہ سکتی ہوں کہ میں نے تو دولت کما کر دکھا دی، تم کیا ہو؟ ابھی تک اپنے باپ کی دولت پر گھمنڈ کر رہے ہو، تمہیں اگر اپنے کسی سٹیٹس کا غرور ہے تو وہ تیرے باپ کا دیا ہوا، تم کیا ہو، اور تم نے اب تک کیا صلاحیت دکھائی ہے سوائے لڑکیوں میں دلچسپی لینے کے۔''

''میں کہیں سے سرمایہ لاؤں، شراکت دار تو میں ہوں نا؟'' وہ بولا

''نہیں، یہ غلط ہے، ہاں تمہارا کمایا ہوا سرمایہ ہے تو لاؤ؟'' اس نے پوچھا

''تم میری بات کو.....'' وہ کہنے لگا تو آیت نے اس کی بات سنی ان سنی کرتے ہوئے کہا

''مجھے نہ دولت کمانے کا لالچ ہے، اور نہ کوئی بزنس ٹائیکون بننے کا شوق ہے۔ میں ان لوگوں میں سے ہوں، جو منہ میں سونے کا چمچ لے کر پیدا ہوتے ہیں۔ میرے پاس یہ بزنس نہ بھی ہو تو میں اپنی روٹی کما سکتی ہوں لیکن۔!'' یہ کہہ کر وہ لمحہ بھر کو رُکی، پھر کہتی چلی گئی۔ ''جب وقار حسین اس دنیا میں نہیں رہا۔ تب سے لے کر سرمد کے ملنے تک میرے پاس ذاتی خرچ کے لئے بھی روپے نہیں ہوتے تھے۔ سرمد کا علاج تمہارے سامنے کی بات ہے۔ لیکن مجھے سرمد کو دنیا کی ہر خوشی دینا تھی۔ رابعہ کو یوں کسمپرسی کی حالت میں نہیں چھوڑ سکتی تھی۔ اس کے لئے مجھے دولت چاہئے تھی۔ اور وہ میں نے کمائی اور خود کمائی۔''

''کمائی مطلب، تمہارے پاپا کا بزنس، دادا کا.....'' طاہر نے تیزی سے پوچھا

''تم یقین کرو یا نہ کرو، میں نے ان سے ایک روپیہ بھی نہیں لیا تھا۔ ابھی کچھ تقسیم نہیں کیا تھا دادا نے، اور مجھے کچھ بھی نہیں دیا تھا۔ ہاں میرے بزنس کرنے والے خاندان کا بیک گراؤنڈ تھا میرے پاس۔ جب میری مارکیٹ ویلیو بنی تو مجھے میرے دادا نے مجھے وراثت میں ملنے والی رقم دی۔ جسے میں سرمد پر خرچ نہیں کرتی۔ صرف اپنی کمائی دولت خرچ کرتی ہوں۔'' آیت نے جذباتی لہجے میں اسے سمجھاتے ہوئے کہا

''اتنے کم وقت میں، اتنا سب کچھ یقین نہیں آتا۔'' طاہر نے الجھتے ہوئے کہا

''میں کہہ رہی ہوں، تمہیں سمجھ نہیں آئے گی، کیونکہ تم وہ زاویہ نگاہ ہی نہیں رکھتے ہو، جس سے تم عشق کی قوت کو سمجھ سکو۔ سنو۔! مجھے عشق ہے اور میں اس سے گزر رہی ہوں۔ قوت کی آخری صورت عشق ہے۔ اسے میں نے برت کر دیکھا ہے۔'' اس نے سنجیدگی سے کہا

''تمہیں عشق ہو گیا، کس سے؟'' طاہر نے حیرت سے پوچھا

''وقار حسین سے، اس نے خود کو وار کر مجھے سمجھا دیا، عاشق کہتے کسے ہیں۔ اور میں نے خود سرمد کو۔'' اس نے سکون سے کہا تو اس نے الجھتے ہوئے آیت کے چہرے پر دیکھ کر کہا

''تم دونوں میں تو کوئی ایسی بات نہیں ہوئی تھی شاید۔ تم نے خود ہی بتایا تھا۔''

''ہاں۔! کوئی بات نہیں ہوئی تھی۔'' یہ کہہ کر وہ چند لمحوں کے لئے کہیں کھو گئی، پھر بڑے جذباتی لہجے میں بولی، ''سنو۔! عشق لفظوں کا محتاج نہیں ہے، یہ تو عمل سے ظاہر ہوتا ہے۔ اب میں جانتی ہوں، جو عشق کرتے ہیں نا وہ کسی کو ذلیل نہیں کرتے، یہاں تک کہ وہ خود کو بھی بے عزت نہیں ہونے دیتے، یہی عشق کی معراج ہے۔'' آیت نے انتہائی سنجیدگی سے کہا تو وہ اس کی طرف دیکھتا رہ گیا۔ پھر اس نے پوچھا

''تم اب سرمد سے عشق......؟''

''مجھے اب سرمد میں وقار حسین ہی دکھائی دیتا ہے۔ وقار حسین کبھی میرا عاشق تھا، اب وہ میرا معشوق ہے، میں اور وقار حسین اب مقامِ عشق پر کھڑے ہیں۔ ہمیں اس مقام پر کھڑا کرنے والا سرمد ہے۔ سنو۔! عشق تبھی ہوتا ہے، جب اپنے ہونے کا احساس ہو۔ عشق کی بنیاد انسانیت سے ہے۔'' آیت نے مسکراتے ہوئے کہا

''میں تو تمہیں کچھ اور کہنے آیا تھا، لیکن تم......''

''میں جانتی ہوں، تمہیں اب بھی میری کسی بات کی سمجھ نہیں آئی ہو گی، میری باتوں کو سمجھنے کے لئے، پہلے خود کو انسان کی سطح پر لاؤ، جو دوسرے انسانوں سے محبت کرتا ہے۔ تمہارے جیسے نہیں جو غریب لوگوں کا خون چوسنے میں ہی اپنی بقا سمجھتے ہیں۔'' اس بار اس کے لہجے میں طنز اتر آیا تھا۔

طاہر یہ سن کر کافی دیر تک خاموش رہا۔ نجانے کیا سوچتا رہا۔ اس کا چہرہ بتا رہا تھا کہ جیسے وہ کسی اذیت سے گذر رہا ہے۔ کافی دیر بعد اس نے سر اٹھا کر پوچھا

''وقت ہے تو چلیں کہیں لنچ کے لئے؟''

''اچھا چلتے ہیں۔'' آیت نے کہا اور اپنی اسسٹنٹ کو بلا کر ہدایات دینے لگی۔

اس دن شاہ صاحب کا لیکچر نہیں تھا۔ایسے دن وہ ان چند لوگوں کو وقت دیا کرتے تھے جو سیکھنے کی غرض سے کوئی نہ کوئی سوال کرتے تھے۔شاہ صاحب کے پاس پہلے ہی سوال آجاتے تھے اور پھر اسی مناسبت سے گفتگو چلتی رہتی تھی۔شاہ صاحب ابھی تک کمرے میں نہیں آئے تھے۔جبکہ کمرے میں وہی نوجوان بیٹھا ہوا تھا۔اس کے ساتھ ہی ایک اور پختہ عمر کے صاحب بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ایسے میں طاہر باجوہ بھی وہیں آگیا۔اس بار جب وہ آیا تو وقت لے کر آیا تھا۔علیک سلیک کے بعد وہ بھی ایک طرف پڑے صوفے پر بیٹھ گیا۔اسے آئے ہوئے چند منٹ ہی ہوئے تھے کہ شاہ صاحب تشریف لے آئے۔انہوں نے باری باری تینوں سے ہاتھ ملایا، سلام دعا کی اور ایک صوفے پر بیٹھ گئے۔کچھ دیر ادھر ادھر کی باتوں کے بعد انہوں نے اس پختہ عمر سے کہا

''آپ کا سوال کیا تھا؟''

''یہ جو ہم ایک جملہ سنتے ہیں کہ میں یہ جانتا ہوں کہ میں کچھ نہیں جانتا۔اس کی حقیقت کیا ہے؟اس میں اصل بات کیا ہے؟'' پختہ عمر نے کہا تو شاہ صاحب نے فرمایا

''یہ دراصل سقراط نے کہا تھا اور اس کا مقصد علم کی حیثیت کا تعین کرنا تھا۔سقراط کے نزدیک علم کوئی جامد شے نہیں ہے بلکہ یہ ایک مسلسل کھوج ہے۔حقیقت اور سچ وقت کے ساتھ بدلتے رہتے ہیں۔کل جس شے کو انسان سچ سمجھتا تھا آج وہ سچ نہیں ہے۔اس طرح ماضی میں جن چیزوں کو ناممکن سمجھا جاتا تھا وہ آج ممکن ہیں سقراط کا یہ قول دراصل انسان کو چیزوں کی فکسیشن[fixation] سے بچانے کے لئے ہے۔اپنے آپ کو سچ کا سامنا کرنے اور اسے قبول کرنے کے لئے ذہنی طور پر تیار کرنا، ایسا سچ جو کپے خیالات کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔یونان وہ جگہ ہے جہاں سب سے پہلے عقیدے اور الہام پر مبنی زندگی، کائنات اور انسان سے متعلق تمام تشریحات کو شعوری کسوٹی پر پرکھنے کی روایت کا آغاز ہوا اور شعوری کنجی سے زندگی کے مخفی راز کھولنے والے مفکرین میں سقراط نمایاں ترین ہے۔یہ سقراط تھا جس نے کہا تھا کہ زندگی کی باریک بین چھان پھٹک کیے بغیر زندہ رہنا بے کار ہے زندگی ساقط و جامد نہیں بلکہ متغیر و متحرک ہے۔یہ کثیر پرتی اور پیچیدہ ہے۔اس کو سمجھ کر انسانی زندگی کو بہتر بنانا ایک کارِ مسلسل ہے۔انسانی عمل ہر نئے تجربے کے بعد سیکھتا ہے اور زندگی کو آگے بڑھاتا ہے۔زندگی کی جامد تشریح نے ہزاروں سالوں تک انسان کو پتھر کے زمانے میں مقید رکھا۔سقراطی فکر کے بعد ہی انسان نے حجروں اور معبدوں سے باہر نکل کر مادی حقیقتوں کو عقلی طاقت کے ذریعے سمجھنا شروع کیا اور کائنات پر اپنا کنٹرول بڑھایا۔یورپ کی تمام تر مادی ترقی کا راز سقراطی فکر کے اسی بنیادی نکتے کو سمجھا جاتا ہے۔یعنی ہم ابھی کچھ نہیں جانتے پر عمل کرتے ہوئے مسلسل جاننے اور کھوج لگانے کی کوشش کرنا ہے اور اسی فکر نے فرد کو اپنے آپ پر بھروسا کرنے اور چیلنج قبول کرنے کی طاقت عطا کی اور اسے دوسروں پر انحصار کرنے کی ذلت سے نجات دلانے کی کوشش کی۔''

''کیا مسلسل کھوج اور جاننے کے اس عمل میں انسان کی اپنی کھوج بھی ہوئی یا وہ مادیت ہی سے نبرد آزما رہا؟'' پختہ عمر نے بات کو

آگے بڑھایا۔شاہ صاحب نے فرمایا

''بات کو سمجھنے کے لئے اگر ہم اسی جملے کو دوسرے انداز سے دیکھیں تو یہ جملہ اصل میں علم کی اساس جہالت پر قائم کر رہا ہے۔کیا جہالت کی اساس پر علم قائم ہو سکتا ہے؟ یہ ممکن نہیں۔یہاں ایک سوال اٹھتا ہے کہ اگر میں کچھ نہیں جانتا تو پھر علم کا حصول ہوگا کیسے؟ یہاں اثبات اور نفی آئے گی۔''

''جی شاہ صاحب۔آپ نے فرمایا تھا کہ جو بندہ اثبات کو سامنے رکھ کر چلے گا، وہ فنا و بقا کو پالے گا۔جو نفی کو پہلے رکھتا ہے۔وہ اثبات تک نہیں پہنچ پاتا، بھٹک جائے گا۔اس پر بات ہو جائے۔''نوجوان نے یاد دلایا۔

''انسان کے وجود پر سب سے بڑی دلیل انسان خود آپ ہی ہے۔اب یہ لازم ہے کہ یہ اپنا اثبات کرے۔جیسے سورج کے لئے اس کی روشنی لازم ہے۔سورج چمک رہا ہے۔سب دیکھ رہے ہیں سب جانتے ہیں، اب اس پر ہمارا اثبات یا ہماری نفی کوئی معنی نہیں رکھتی۔ہم یہ کہتے ہیں کہ انسان پہلے اپنا اثبات کرے، اپنے آپ کو مانے۔وہ خود کیا ہے؟اپنے آپ کو تسلیم کرے گا تو ہی بات بنے گی۔ورنہ انکار تو پھر ہے ہی، انکار کئے بغیر اپنی ہستی سے انکار کر دے گا۔ظاہر ہے اپنے آپ کو جانچنے کا کوئی تو معیار لے جائے گا۔انسان اپنا اثبات کر کے اپنی تلاش کرے گا تو اسے پتہ چل جائے گا۔وہ اعلیٰ ترین معیار کیا ہوگا، جس سے انسانیت سے لے کر دنیا کے تمام معاملات ہوں گے، وہ ذات اقدس نبی ﷺ کی ہے۔آپ کی بیعت ہی دراصل صحابہؓ کا اثبات ہے۔آپ ﷺ کی اسی نسبت کے مطابق جب سالک اپنی مرشد کی بیعت کرتا ہے تو اثبات حقیقی حاصل کر لیتا ہے۔''شاہ صاحب نے فرمایا تو پختہ عمر نے کہا

''جہاں تک میں سمجھا ہوں، انسان کے علم میں بھی ترقی ہوئی ہے اور دوسری چیزوں کی طرح علم کے حصول کے ذرائع نے بھی ترقی کی ہے۔انسان جب تک خود کو نہیں جان پائے گا علم کے بنیادی ذریعہ تک نہیں پہنچ پائے گا۔اب تلاش یہ کرنا ہے کہ حقیقی بنیاد کیا ہے؟''

''سب سے پہلے انسان خود کو دیکھے کہ وہ'احسن تقویم'' کیسے ہے۔کیسے بہترین معیار پر ہے؟سب سے پہلی چیز انسان کا خالص پن ہے۔اس کی accuracy کیا ہے؟ پھر اس کے بعد اس کی بنیاد ہے۔اس کائنات کو کون تسخیر کر رہا ہے؟اور انسان کیا ہے؟ مادہ اور روح، اس کے دو زاویے ہیں، انہیں برابر رکھنا ہے۔علم کا تعلق باطن سے ہے وہ ظاہری شے نہیں ہے۔حواس کا تعلق ظاہر سے ہے وہ ماہیت رکھتے ہیں۔یہی خالص پن اس کی بنیاد ہے۔ایک ہوتی ہے ذات اور اس کی صفت ہوگی تو عمل ہوگا۔صفت نہ ہو تو عمل سرزد نہیں ہو سکتا۔علم کی حقیقی بنیاد انسان خود ہی ہے۔کیونکہ اس میں تمام تر صفات موجود ہیں۔یہی احسن تقویم ہے۔اس لئے انسان ہی اپنے آپ کو تلاش کر سکتا ہے۔''شاہ صاحب فرما کر خاموش ہو گئے تو چند لمحوں کے لئے خاموشی چھا گئی۔اس کا واضح مطلب تھا کہ اب کوئی دوسرا سوال کرے۔طاہر نے نوجوان کو دیکھا۔وہ خاموش تھا۔تب طاہر بولا

''شاہ صاحب ایک چھوٹی سی الجھن ہے۔کہتے ہیں کہ عشق کی سمجھ عشق ہی عطا کرتا ہے، کیسے؟''

اس کا سوال سن کر شاہ صاحب زیرِ لب مسکرائے اور پھر بولے

"جب انسان کسی بھی ٹریک پر آتا ہے۔ اگر کوئی شخص کسی بھی شے کی سمجھ حاصل کرنا چاہتا ہے تو اس وقت تک اسے پوری طرح نہیں سمجھ پائے گا جب وہ اس پر عمل نہیں کرے گا یا اس تجربے سے نہیں گذرے گا۔ جو ظاہری شے ہے، اس کو اپنے حواس کے ساتھ دیکھ اور برت لے گا جو باطنی شے ہے، اس کا احساس دوسرے کو کیسے ہوگا؟ کسی بھی شے کا ذائقہ ہم کسی دوسرے کو کیسے بتا سکتے ہیں، جب تک وہ خود ذائقہ محسوس نہیں کرے گا۔ ایسا ہی معاملہ عشق کا ہے۔ یہ باطنی معاملہ ہے۔"

"اس کا حصول کیسے ممکن ہو پاتا ہے، کیا کوئی یہ دعویٰ کر سکتا ہے کہ وہ عشق میں مکمل ہے؟ عشق کی تکمیل بھی ہے؟ طاہر نے پوچھا

"اگر کوئی شخص عشق کی تسخیر چاہتا ہے، اس میں مکمل ہونا چاہتا ہے تو اس کے لئے بنیادی مسئلہ یہ ہے کہ پہلے وہ یہ دیکھے کہ وہ علم اور عمل میں کہاں کھڑا ہے۔ جب تک ایک شے اپنے خالص پن پر نہیں آجاتی، ہم اسے ناقص کہتے ہیں۔ ناقص چیز، کامل جذبہ محبت کو لے کر چل ہی نہیں سکتا۔ یہی وجہ ہے جو ہم دیکھتے ہیں۔ نوے فیصد لو میرج کامیاب نہیں ہوتیں۔ اس عشق و محبت پر جو لوگ کھڑے ہیں۔ وہ بذاتِ خود عشق و محبت کو سمجھ نہیں پا رہے ہیں۔ جتنی دیر تک اس کا اپنا علم ہی ناقص ہے۔ اپنا ہی اندازہ غلط ہے تو پھر یہ عشق کر ہی نہیں سکتا۔ اپنے عشق میں جھوٹا ہے۔ کس بنیاد پر کھڑا ہو کر یہ دعویٰ کر رہا ہے کہ وہ خالص ہے۔ عشق اور محبت کے لئے ایک بنیاد ہونا ضروری ہے۔ کسی بنیاد پر کھڑا ہو تو accuracy آئے گی۔ اگر وہ معیار ہی درست نہیں ہے تو آگے کیسے چلے گا؟"

"میرا سوال ابھی تک وہیں ہے، شاہ صاحب اسے مزید کھولیں پلیز۔" طاہر نے عاجزی سے کہا

"جیسے ہی کوئی عشق کے خزانے تک پہنچنے کی کوشش کرتا ہے، یا پہنچتے ہیں، اس کا حفاظتی ناگ جو نفس ہے، اسے ڈس لیتا ہے۔ اسے وہاں تک جانے ہی نہیں دیتا۔ وہ سب سے قیمتی خزانہ ہے۔ اندازے کی غلطی نفس کی غلطی ہے۔ جو علم کی غلطی، وہ نفس کی غلطی ہے۔ کیونکہ جو نفس ہے وہ آیا ہی شیطان کے رنگ پر۔ نفرت کے رنگ پر اس کا تو کام ہے مار دینا، ختم کر دینا۔ دوسرا اس خزانے کی حفاظت کرنا۔ جب تک انسان اپنے بنیادی مسائل کو حل نہیں کرے گا، اتنی دیر تک اس خزانے تک نہیں پہنچ سکتا۔"

"انسان کے بنیادی مسائل سے ہم کیا مراد لیں؟" اس بار نوجوان نے پوچھا

منزل کا تعین کرنے کے بعد یعنی میں نے فلاں منزل کو پانا ہے تو اس کے پاس صحت، زادِ راہ، سواری، یہ ساری سہولیات ہونے کے باوجود اگر اس کے پاس پختہ نیت یا ارادہ نہیں ہے تو پھر بھی منزل نہیں مل سکتی۔ پہلے خالص پن ہے۔ پھر وہ کسی سفر پر نکل سکتا ہے۔ محبّ اور محبوب کا ایک تعلق چل پڑا۔ اس میں انہیں مسائل آئے۔ مسائل اس لئے آئے کہ انہیں محبت کی سمجھ نہیں۔ یہاں ضرورت یہ ہے کہ خالص محبت کیا ہے؟ عشق خالص کیا ہے؟ یہ جو مسائل اور الجھنیں آ رہی ہیں یہ کیوں ہیں؟ انہیں حل کیسے ہونا ہے؟"

"شاہ صاحب میں نے اسے یوں سمجھا ہے کہ انہی مسائل اور الجھنوں کو دور کرتے ہوئے وہ نہ صرف خالص پن پر آجائے گا بلکہ

اسے عشق کی سمجھ بھی عطا ہو جائے گی۔'' طاہر نے کہا تو شاہ صاحب بولے

''جن کا عشق سچا ہے، وہ عاشق عین معشوق ہے اور جو معشوق ہے، وہ عین عاشق ہے۔ دراصل نہ عاشق رہ گیا اور نہ معشوق رہ گیا۔ پیچھے بچتا ہے عشق۔ جو بے رنگ ہے۔ جس نے ان دونوں کو جوڑا۔ عاشق، عاشق نہیں، معشوق...... معشوق نہیں، دونوں عشق پر آئیں گے تو آپس میں ملیں گے۔ تب بے رنگی پر آئیں گے۔ عشق کی حقیقت بے رنگی ہے۔ جو ہر شے کو دکھا رہی ہے۔''

''شاہ صاحب ابھی آپ نے فرمایا کہ عشق جب تک بے رنگ نہیں ہوگا، وہ اپنی کاملیت کو نہیں پہنچے گا، کیا عشق رنگین بھی ہوتا ہے، یا اس کا اپنا کوئی خاص رنگ ہوتا ہے؟'' نوجوان نے پوچھا

''جب عاشقی اور معشوقی کی منزلوں سے گذر کر ان دونوں مقامات کے رنگوں کو چھوڑ دے گا تو مقام عشق پر ہوگا۔ یہی مقام عشق، بے رنگی ہے۔ اسے بس عشق چاہئے۔ یہی انسانیت کی روح ہے۔ عشق کی بے رنگی یہاں عاشق اور معشوق کو بھی بے رنگ کر دیتی ہے۔ ایسا عشق کیسا ہے جس پر عاشق اور معشوق بے رنگ ہو جائیں۔ یہاں ہر شے کی سمجھ عطا ہو جاتی ہے۔'' شاہ صاحب نے کہا اور خاموش ہو گئے۔ کتنی دیر تک کوئی سوال نہیں ہوا تو وہ بولے، ''چلیں، آج کے لئے اتنا ہی باقی پھر باتیں کریں گے۔''

ان کے یوں کہنے پر وہ ایک ایک کر کے تینوں اٹھ گئے۔ شاہ صاحب نے آنکھیں بند کر کے صوفے سے ٹیک لگا لی۔

❁.......❁.......❁

اس صبح آیت جاگنگ کے بعد واپس آ چکی تھی۔ اس نے دیکھ لیا تھا کہ دادو لان میں بیٹھے اخبار پڑھ رہے ہیں۔ وہ سیدھی اس طرف بڑھ گئی۔ دادو نے اسے دیکھ کر اخبار سمیٹ دیا۔ جب وہ سامنے پڑی کرسی پر بیٹھ گئی تو انہوں مسکراتے ہوئے پوچھا

''بہت مصروف ہو کئی دنوں سے، دن رات ایک کر کے رکھ دیئے ہیں تم نے؟''

''دادو آپ کو پتہ ہے، میں نے سکول شروع کیا ہے، بس اسی کی شروعات میں تھوڑی مصروفیت رہی۔ اب امبرین نے سنبھال لیا ہے تو میں فری ہوں۔'' آیت نے کہا دادو کھوئے ہوئے لہجے میں بولے

''سرمد کے لئے تمہاری محبت، اچھا لگا مجھے، اگر تم کہو تو میں بھی کبھی کبھی وہاں ہو آیا کروں، بچوں کے ساتھ وقت گذار کر بندہ بہت ہلکا پھلکا ہو جاتا ہے۔''

''یہ تو بہت ہی اچھا ہوگا، یقین کریں میں پرسکون ہو جاؤں گی۔'' وہ خوشی سے بولی

''اچھا، اب میری بات غور سے سنو، آج آف ہے نا تمہارا کوئی پروگرام تو نہیں؟'' انہوں نے پوچھا

''نہیں، میں آج گھر پر ہی ہوں۔'' اس نے بتایا تو دادا نے لمحہ بھر رُک کر کہا

''تو ٹھیک ہے، آج لنچ پر کچھ لوگ آ رہے ہیں، ان کے ساتھ خواتین بھی ہوں گی۔ وہ تمہیں دیکھنے، تم سے ملنے کے لئے آئیں گے۔''

''مطلب آج کا دن میں سکون سے نہیں گزار سکوں گی۔'' آیت نے خفگی سے کہا

''میں اس وقت کسی بحث کے موڈ میں نہیں ہوں۔ ہمیں اس دنیا کی حقیقتوں کا سامنا کرنا ہے۔ لہٰذا، تمہاری شادی تو ہونا ہی ہے اور یہ میرا فرض ہے۔'' دادا نے حتمی انداز میں کہا

''ٹھیک ہے دادو، جیسا آپ چاہیں۔'' آیت نے بے دلی سے کہا اور اٹھ گئی۔ وہ سوچتے ہوئے پھر سے اخبار دیکھنے لگے۔

دوپہر سے پہلے ہی وہ مہمان آ گئے۔ آیت فریش تو تھی لیکن اس نے تیار ہونے کے لئے کوئی خاص اہتمام نہیں کیا تھا۔ وہ سب لاؤنج میں تھے۔ اسے معلوم ہو گیا تھا کہ وہ پانچ لوگ ہیں، جن میں تین خواتین ہیں۔ کچھ دیر بعد وہ بھی ان کے پاس آ کر بیٹھ گئی۔ خواتین نے اُسے ستائشی نگاہوں سے دیکھا۔ پھر باتوں کا سلسلہ چل نکلا۔ زیادہ وقت نہیں گذرا، وہ خواتین اپنے اصل موضوع پر آ گئیں۔ وہ اس کے بزنس کے بارے میں پوچھنے لگیں۔ وہ یہ جاننا چاہ رہی تھیں کہ کس قدر دولت کی مالک ہے۔ آیت ان لالچی لوگوں کے بارے میں جانتی تھی کہ ایسے لوگوں کے ساتھ کس طرح بات کرنی ہے۔ وہ انہی کی سنتی رہی خود اس نے کوئی بات نہیں کی۔ جب وہ لوگ واپس لاؤنج میں آ کر بیٹھے تو ان میں سے بڑی خاتون نے دادو سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا

''ہمیں تو آیت بیٹی بہت پسند ہے۔ اب آپ بھی ہمارے ہاں چکر لگا لیں۔''

''جی بالکل، میں آتا ہوں کسی دن آپ کے ہاں۔'' انہوں نے کہا

''ہاں ہاں ضرور، بلکہ جلدی تشریف لائیں۔ تاکہ یہ معاملہ جلدی طے ہو جائے۔'' ایک دوسری خاتون نے مسکراتے ہوئے رائے دی۔ تو تیسری خاتون نے پوچھا

''اچھا ایک بات بتائیں بھائی صاحب، شادی کے بعد یہ آپ کا بزنس کون دیکھے گا؟''

''آیت بیٹی ہی دیکھے گی، یہ سارا بزنس اسی کا تو ہے۔'' دادا نے کہا تو اس خاتون کی آنکھوں میں چمک آ گئی۔ اس پر آیت دل ہی دل میں مسکرا دی۔ کچھ دیر مزید باتوں کے بعد وہ لوگ اُٹھ گئے۔ دادا انہیں وداع کرنے باہر تک چلے گئے۔ آیت اپنے کمرے میں چلی گئی۔

شام ہونے کو تھی جب وہ لان میں بیٹھی ہوئی تھی۔ ایسے میں دادا اس کے پاس آ گئے۔ انہوں نے بیٹھتے ہوئے کہا

''کیا آج آنے والے مہمانوں کے بارے میں سوچ رہی ہو۔''

اس پر وہ دھیرے سے مسکرا دی۔ ان مہمانوں کا خیال تو دور دور تک اس کے ذہن میں نہیں۔ اس وقت تو وہ یہی سوچ رہی تھی کہ آج اگر وقار حسین ہوتا تو کیا وہ اس سے شادی کر لیتی۔ دادا اس کے چہرے کی طرف دیکھ رہا تھا۔ ان کا دل رکھنے کو بولی

''ہوں۔ ہوتا ہے ایسا، فطری بات ہے۔''

تبھی دادا نے اس سے رائے لینے کے لئے پوچھا

''کیسے لگے ہیں لوگ؟''

''وہی عام سے، لالچی، جنہیں مجھ سے نہیں میری دولت سے مطلب ہے۔ کیا آپ کو ایسا نہیں لگا؟'' وہ مسکراتے ہوئے بولی تو دادا سوچتے ہوئے بولے

''ہاں، مجھے ایسا لگا، مگر بیٹی ایسا تو ہوگا، لوگ ہماری حیثیت ہی کو دیکھ کر ہم سے بات کرتے ہیں نا۔''

''یہ تو آپ نے ٹھیک کہا، لیکن جب ایک لڑکی کی حیثیت کم اور دولت کی زیادہ ہوگی تو کیسے ایک لڑکی کی عزت، مان اور وقار ہو سکے گا۔ جب دولت معیار ہی ہوگی تو پھر......''

''میں جانتا ہوں بیٹا، ہماری کمیونٹی میں دولت ہی دیکھی جاتی ہے۔ سمجھ لو کہ یہ ایک روایت ہے۔ اس کی تو سمجھ ہے، لیکن کہیں دوسری کمیونٹی میں جائیں گے تو شاید وہاں کی ہمیں سمجھ ہی نہ آسکے۔'' دادا نے اس کی بات سمجھ کر اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔

''یہ تو ہے۔ لیکن اویس نے تو......'' آیت جواب میں کچھ کہنے لگی تھی دادا ایک دم سے غصے میں آتے ہوئے بولے

''اویس نے کیا تو خاندان ٹوٹ گیا۔ کہاں بھرا پرا گھر تھا اور اب ہم دونوں تنہا۔'' پھر خود پر قابو پاتے ہوئے لہجے کو پرسکون بناتے ہوئے بولے، ''میں نے اس پر بھی سوچا ہے۔ فرض کرو، میں کسی غریب خاندان سے کسی لڑکے کو تمہارے لئے چن لیتا ہوں، تب کیا ہوگا؟ فطری سی بات ہے، وہ اپنی خواہشات پوری کرنے میں لگ جائے گا۔ ہمارا معاشرہ ایسا نہیں ہے کہ یہاں عورت کو، اس کی خواہشات کو، اس کے ہونے کو تسلیم کرے، یہاں گھوم پھر کر قربانی عورت ہی کو دینا پڑتی ہے، تم کیوں نہیں سمجھتی ہو اس بات کو۔ ورنہ یہ معاشرہ ہی اسے کہیں کا نہیں چھوڑتا۔''

''دادو، آپ پریشان مت ہوں۔ جیسے آپ بہتر سمجھیں۔ میں کچھ نہیں کہوں گی۔'' اس نے یوں کہا جیسے اسے اپنے دادا کی مجبوری سمجھ آرہی ہو۔ وہ چند لمحے بیٹھی رہی پھر اٹھ کر اپنے کمرے میں چلی گئی۔ وہ اپنے دادا کو بھی دکھ نہیں دینا چاہتی تھی۔ لیکن اسے پورا یقین تھا کہ دادا اپنی مرضی سے کچھ بھی نہیں کریں گے۔

❁......❁......❁

طاہر کے معمولات بدل چکے تھے۔ کبھی کبھی وہ سارا دن ہی گھر میں پڑا رہتا، یہاں تک کہ اپنے بیڈروم سے بھی نہ نکلتا اور کبھی صبح سویرے ہی باہر چلا جاتا اور شام تک نہ پلٹتا۔ علاقے سے بہت سارے لوگ آتے، کسی سے مل لیا، اور کسی سے نہیں۔ سارے معاملات اپنے ملازم نما سیکرٹری کے سپرد تھے۔ اسے یہ بھی خیال نہیں تھا کہ اس کے اثرات اس کی سیاست پر بھی پڑ رہے ہیں۔ وہ سمجھ رہا تھا کہ ایسا کیوں ہو رہا ہے۔ جب سے اس نے ہوش سنبھالا تھا، تب سے اس عمر تک، اُسے نہیں یاد تھا کہ وہ اپنے آپ سے اس قدر بے گانہ ہوا ہو۔ ایک عجیب طرح کی بے چینی اُسے لگ گئی تھی۔ اُسے اپنی بے چینی کی پوری طرح سمجھ بھی تھی۔ اس کی ابتدا تو انہی دنوں میں ہوگئی تھی، جب آیت النساء

پہلی بار ملی تھی اور پھر گم ہوگئی تھی۔ افسوس بھرا احساس اُس کے من میں در آیا تھا۔ انہی دنوں سے زندگی کا ایک نیا دور شروع ہوگیا تھا۔ یہ سب غیر محسوس انداز میں ہوا۔ اسے خود سمجھ نہیں آئی تھی۔ پھر وہ دوبارہ ملی، تو اس کی پوری توجہ کا مرکز آیت النساء بن گئی تھی۔

عورت ذات اس کے لئے معمہ نہیں تھی اور نہ ہی کوئی ان دیکھا جزیرہ تھا، جس کے بارے میں اسے کسی بھی طرح کا تجسس رہا ہو۔ لیکن یہ سب ظاہری بات تھی، کبھی باطنی انداز میں اس نے عورت کو محسوس ہی نہیں تھا۔ یہ احساس اسے آیت النساء کی وجہ سے ملا۔ جواب ایک بے چینی کی صورت اختیار کر چکا تھا۔ اس کی ایک ان دیکھی، نا سمجھ میں آنے والی کشش تھی، جس کے حصار میں وہ آ چکا تھا۔ وہ خود اس حصار کو توڑ کر باہر نہیں آنا چاہتا تھا۔ وہ خود کو احساسات کے سمندر میں محسوس کرتا تھا، جہاں ایک نئی زندگی تھی۔

آیت النساء اس کے لئے ایک معمہ بن گئی تھی۔ کیونکہ طاہر نے اُس کے وجود بارے نہیں سوچا تھا۔ بلکہ وہ یہ محسوس کرتا چلا جا رہا تھا کہ اس پر ان دیکھے محل کے دروازے کھلتے چلے جا رہے تھے۔ اس کی تو یہی حیرت کم نہیں ہو پا رہی تھی کہ اس دنیا میں بھی کوئی ایسا فرد ہو سکتا ہے جو دوسروں کے لئے جی رہا ہو۔ اپنے لئے نہیں دوسروں کے لئے زندہ ہو۔ کسی ایسے فرد کے لئے جس سے اس کا خونی رشتہ بھی نہیں، صرف احساس کا تعلق ہو۔ کسی پر احسان بھی جتانا ہو تو ایسا کوئی وجود دنیا میں نہیں رہا تھا۔ یہی تجسس اُسے کسی اور ہی جہاں کی سیر پر نکل جانے کو مجبور کر رہا تھا۔ اسے یہی سوال بے چین رکھتا کہ کیا عشق اتنی بڑی قوت ہے جو نہ صرف انہونے فیصلے کروا دیتی ہے بلکہ ان پر عمل بھی آسانی سے کر لیتی ہے؟ کیا ہے یہ عشق؟ کیا مجھے آیت النساء سے عشق ہوگیا ہے؟ جو میں اس کی کھوج میں لگ گیا ہوں؟ کیا یہ انہونی نہیں ہوگئی کہ ایک لڑکی کے بارے میں وہ خود سوچتا چلا جا رہا ہے اور بے تحاشا سوچتا ہے، اس کی خوشنودی چاہتا ہے؟ اس کا قرب حاصل کرنا چاہتا ہے؟ کیا یہی عشق ہے؟

ابھی دوپہر نہیں ہوئی تھی۔ طاہر باجوہ نے کار پورچ میں روکی اور تیزی سے داخلی دروازے کے جانب بڑھا، وہ ایک سیمینار میں تھا، جہاں اسے اطلاع ملی کہ اس کے بابا آئے ہوئے ہیں اور وہ اُسے بلا رہے ہیں۔ ایسا بہت کم ہوا تھا کہ وہ اسے یوں بلاتے۔ ایسا اسی وقت ہوتا، جب کوئی بہت اہم بات ہو۔ لاؤنج خالی تھا۔ جس سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ اس بار وہ اپنے لاؤلشکر کے ساتھ نہیں ہیں، جو ہمیشہ ان کے ساتھ ہوتا تھا۔ طاہر تو بس نام کا ایم پی اے تھا، سیاست تو اس کے بابا ہی کرتے تھے۔ بابا کا یوں تنہائی میں بلانے ہی سے وہ سمجھ گیا تھا کہ معاملہ بہت اہم ہے۔ وہ خود کو ذہنی طور پر تیار کر کے ان کے کمرے کی جانب بڑھ گیا۔

وہ کمرے میں اکیلے ہی تھے۔ وہ بیڈ پر لیٹے ہوئے تھے۔ ان کے چہرے پر تھکن کے آثار تھے۔ وہ سلام کر کے ایک جانب صوفے پر بیٹھ گیا تو انہوں اٹھ کر بیڈ سے ٹیک لگا لی۔ کچھ دیر ادھر اُدھر کی باتوں کے بعد انہوں نے کہا

”میں اسلام آباد گیا تھا، واپسی پر سوچا تم سے ایک بات کرتا چلوں۔“

”جی، ایسی ہی اہم بات ہے؟“ اس نے مودب لہجے میں پوچھا تو انہوں نے دبے سے لہجے میں کہا

''اُو یار تجھے وزیر بنانے کی گیم کر رہا تھا نا میں۔ بہت کوشش کرنے کے باوجود بات نہیں بن پائی۔''

''تو پھر کیا ہوا بابا، نہیں بنی تو نہ سہی۔ ہمیں کیا فرق پڑتا ہے۔'' طاہر نے سکون سے کہا

''ایسا کبھی نہیں ہوا کہ میں گیم بناؤں اور وہ بنے نا، درمیان میں ایسا کچھ ہے، جس کی مجھے سمجھ نہیں آ رہی۔ ورنہ یہ اتنا مشکل کام نہیں تھا۔'' بابا نے یوں کہا جیسے وہ بہت دور تک اس معاملے کو سمجھ رہا ہے۔

''بابا، آپ اتنا سوچا نہ کریں۔ یہ سیاست ہم نے اس لئے نہیں کی ہے کہ لوگوں کی خدمت کرتے پھریں، ہم نے اپنے کاروبار، اپنی زمینداری کے تحفظ کے لئے سیاست کی ہے تو اسی حد تک رکھیں۔ زیادہ کے لالچ میں سو دشمن پیدا ہو جائیں گے۔'' طاہر نے اپنی سمجھداری کا اظہار کیا

''بیٹے تم کہتے ٹھیک ہو، لیکن اب معاملہ اَنا کا آ گیا ہے۔'' بابا بولا

''کیسی اَنا بابا؟'' اس نے چونکتے ہوئے پوچھا

''خیر چھوڑو اس بات کو، میں تم سے ایک بات کرنے آیا تھا۔'' بابا نے موضوع بدلتے ہوئے کہا

''جی بابا کہیں۔'' وہ ہمہ تن گوش ہو گیا

''اپنے انعام الحق کی بیٹی جویریہ سے تم واقف ہو، کیسی ہے وہ لڑکی؟'' بابا نے مسکراتے ہوئے پوچھا

''اچھی ہے، ٹھیک ہے۔'' طاہر نے سوچتے ہوئے کہا

''بہت دنوں سے، بلکہ الیکشنوں کے بعد ہی سے انعام الحق بات چلا رہا تھا، وہ چاہتا ہے کہ تمہاری اور جویریہ کی شادی کر دی جائے۔'' بابا نے انتہائی محتاط انداز میں کہا

''اور آپ کیا چاہتے ہیں؟'' اس نے پوچھا

''میں چاہتا ہوں کہ لڑکی اچھی ہے، ان کا سیاسی بیک گراؤنڈ بھی ہے۔ کل تم نے سیاست کرنی ہے، بہت کام آئیں گے وہ لوگ۔ پورا علاقہ تمہارے قابو میں رہے گا۔ بڑے زمیندار ہیں۔ تم جانتے ہو اس کے سسرالیوں میں ایک دو ایم این اے، ایم پی اے بھی ہوتے ہی ہیں۔ یہ شادی تمہیں بہت طاقتور بنا دے گی۔'' بابا نے اسے پوری طرح سمجھاتے ہوئے کہا

''یہ تو سب میں جانتا ہوں۔ لیکن کیا......'' طاہر نے کہنا چاہا مگر بابا نے اس کی سنی ان سنی کرتے ہوئے کہا

''اور ہاں، اس وقت اگر ہم اس رشتے کو قبول کر لیتے ہیں نا تو وہ جو تمہارے وزیر بننے والی گیم ہے، یوں چٹکیوں میں بن جاؤ گے وزیر۔ عیش کرنا میرے پتر عیش۔''

''بابا، یہ جو کچھ بھی آپ نے کہا، میں اسے جانتا ہوں، یہ سب جویریہ کی پرانی خواہش ہے، جسے اب میں آپ سے سن رہا ہوں۔ میں جانتا ہوں وہ مجھ میں دلچسپی رکھتی ہے۔'' طاہر نے کہا

''تو بس پھر ٹھیک ہے پتر، ہم زیادہ دن نہیں لگائیں گے، فوراً شادی کر کے تمہیں وزیر.....'' بابا نے کہنا چاہا تو طاہر نے ان کی بات کاٹتے ہوئے دھیرے سے بولا

''لیکن مجھے اس سے شادی نہیں کرنی اور نہ ہی اس طرح وزیر بننا ہے۔''

اس پر بابا نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا، جیسے اسے یقین نہ آ رہا ہو کہ طاہر بھی اُن کے حکم سے انحراف کر سکتا ہے۔ انہوں نے تصدیق کے لئے پوچھا

''تم کیا کہہ رہے ہو، میری بات سمجھ میں نہیں آئی۔''

''بابا میں نے آپ کی ساری بات سمجھ کر ہی آپ سے کہا ہے۔'' اس نے کہا تو بابا نے چند لمحے سوچا پھر تشویش ناک انداز میں پوچھا

''کیا جویریہ کہیں غلط......''

''نہیں، وہ بالکل ٹھیک لڑکی ہے، تھوڑی بولڈ ہے، اور جدید دور کی لڑکی اگر ایسی ہو تو میری نگاہ میں وہ غلط نہیں ہے۔ اس کے والدین نے اسے آزادی دی ہے۔ لیکن......''

''تو پھر کیا معاملہ ہے؟'' بابا نے پوچھا

''بابا، کیا میں اپنی ذات میں کچھ بھی نہیں ہوں۔ میں اگر وزیر نہیں بھی بنوں گا تو کیا ہوگا؟ اور اگر یہ ایم پی اے بھی نہیں رہا تو کیا ہو جائے گا۔ میں طاہر باجوہ، کیا مجھ سے، میری حیثیت چھین لی جائے گی۔'' وہ بڑے دُکھ بولا

''ہاں چھن جائے گی، تمہیں کوئی پوچھے گا نہیں۔ آج اگر تم سے لوگ جھک کر ملتے ہیں تو تیری حیثیت اور مقام کو دیکھ کر ملتے ہیں۔'' بابا نے اس سے کہا

''اور یہی حیثیت اور مقام دیکھنے والے ہی کسی دوسرے کی طاقت کے سامنے جھک جاتے ہیں۔ ایسی حیثیت اور مقام کس کام کا، جب لوگ آپ کی دل سے عزت نہیں کرتے ہیں۔'' طاہر نے ادب سے کہا

''تم کہنا کیا چاہتے ہو؟'' بابا نے پوچھا

''کہنا میں چاہتا ہوں کہ ایک لڑکی، جو شادی سے پہلے اپنی منوانے کیلئے اس سطح تک آ جاتی ہے، وہ بعد میں کیا کرے گی۔ میں مان لیتا ہوں وہ میرے ساتھ مخلص ہوگی، لیکن پھر بھی میری مردانگی یہ گوارا نہیں کر سکتی ہے کہ میں اپنی طاقت بڑھانے کے لئے اُن کے سامنے جھک جاؤں۔'' اس نے بڑے ادب سے دھیمی آواز کیساتھ اپنے بابا کو اپنا نکتہ نگاہ سمجھانے کی کوشش کی۔

''یہ تم کیا کہہ رہے ہو۔ میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا ہے۔ تم ان کے سامنے کیوں جھکو گے۔ ہم لڑکے والے ہیں، اگر انہوں نے ذرا کچھ کیا تو......'' بابا نے پرغرور انداز میں کہنا چاہا تو وہ تیزی سے بولا

''یہ نوبت کیوں؟ شادی حیثیتوں کی ہوگی یا دو انسانوں کی، رشتے جوڑنے ہیں یا یہ سب پارٹ آف گیم ہے۔ سوری بابا، میں ایسا نہیں کر سکتا۔''

''دیکھو بیٹا، تم جوان ہو، جذباتی ہو، تم نے ابھی دنیاداری نہیں دیکھی۔ یہ سب کرنا پڑتا ہے، اگر طاقت نہیں رہی تو یہی لوگ عرش سے اٹھا کر فرش پر دے ماریں گے۔'' بابا نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔ یہ سن کر طاہر چند لمحے بیٹھا رہا، پھر اٹھ کر اپنے بابا کے پیروں کے پاس جا کر بیٹھ گیا۔ پھر بڑے پیار سے اس کے پیروں پر ہاتھ رکھ کر بولا

''بابا، میں آپ سے بہت محبت کرتا ہوں، میری جان ہیں آپ، آپ کی طرف اٹھائی جانے والی انگلی کو نہ صرف میں کاٹ سکتا ہوں بلکہ وہ بازو ہی الگ کر دینے کی ہمت ہے مجھ میں۔ میں نہیں چاہتا میں کوئی نافرمانی کروں۔ زمانہ ہمارے درمیان کسی غلط فہمی کو بڑھاوا دے کر کوئی دوسرا رنگ دے۔ لیکن آپ میری بات سمجھنے کی کوشش کریں۔ میں کہنا کیا چاہتا ہوں۔''

''مجھے سمجھاؤ۔'' بابا نے خود پر قابو رکھتے ہوئے کہا

''بابا۔! جو مان اپنی قوت بازو پر ہوتا ہے نا، کسی دوسرے پر نہیں ہو سکتا۔ مجھ میں اتنی ہمت، قوت اور صلاحیت ہے کہ میں خود یہ سب کر سکوں۔ کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ میں وزارت والی گیم کو نہیں سمجھتا؟ میں پوری طرح سمجھ رہا ہوں بابا، اس میں اگر کوئی آڑے ہے تو وہ انعام الحق ہی ہے۔'' وہ سکون سے بولا

''کیا کہہ رہے ہو تم؟'' انہوں نے حیرت سے پوچھا

''میں ٹھیک کہہ رہا ہوں بابا، میں اسی لئے وزارت میں دلچسپی نہیں لے رہا تھا کیونکہ وہ ابھی سے اپنی قوت دکھا کر مجھے بلیک میل کر رہے ہیں۔ وہ باور کرانا چاہتے ہیں کہ وہی ہمیں ایم پی اے بنانے والے ہیں، اگر ان کی بات نہ مانی تو وہ ہمیں ختم بھی کر سکتے ہیں۔'' طاہر نے وضاحت کر دی تو بابا نے طویل سانس لے کر کہا

''یہ تو حقیقت ہے بیٹا، اگر انہوں نے الیکشن میں مدد نہ کی ہوتی تو شاید تم ایم پی اے نہ بنتے۔''

''بابا۔! میں آپ کا بیٹا ہوں، کوئی آپ کو زیر بار کرے، کوئی میرے ہوتے ہوئے آپ کو نیچا دکھانے کی کوشش کرے، ایسا ممکن نہیں ہے۔ ایک بیٹے کا فرض ہے کہ وہ آپ کی شان کو ویسا ہی بلند رکھے۔ آپ یہ ذہن سے نکال دیں کہ وہ اتنی طاقت رکھتے ہیں۔'' اس نے اپنے بابا کو حوصلہ دیتے ہوئے کہا

''میں پھر وہی بات کروں گا بیٹا، تم کرتے ہو جذباتی باتیں، لیکن حقیقت کچھ اور ہے۔ زمینی حقائق کوئی دوسری تصویر دکھا رہے ہیں۔'' بابا نے سر ہلاتے ہوئے کہا تو وہ مسکراتے ہوئے بولا

''بابا۔ مجھے صرف ایک بات کی گارنٹی دے دیں، میں آپ کو سب کچھ کر کے دکھا دوں گا۔''

''کیسی گارنٹی؟'' انہوں نے سوالیہ انداز میں پوچھا تو وہ جرات مندانہ لہجے میں بولا

''آپ نے مجھ سے کسی صورت میں بھی ناراض نہیں ہونا، کبھی مجھے نافرمان نہیں سمجھیں گے۔ میں صرف تین ماہ میں آپ کو وہ زمینی حقائق دکھادوں گا جو سچ ہیں۔''

''تم میری جان ہو پتر، میرے اکلوتے وارث، بیٹا میں تم سے کیوں ناراض ہوں گا، پر مجھے تمہاری کوئی بات سمجھ میں نہیں آ رہی ہے۔'' بابا کے لہجے میں شفقت گھلی ہوئی تھی۔

''ابھی میں آپ کو جتنا بھی سمجھانا چاہوں، آپ میری بات سمجھ نہیں پائیں گے۔ لیکن، آپ انعام الحق کو جواب دے دیں۔ میں جویریہ سے شادی ہرگز نہیں کروں گا۔'' اس نے پیار سے بابا کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا تو بابا نے سوچتے ہوئے کہا

''بیٹا۔! بہت کچھ ختم ہو جائے گا۔ ایک نئی دشمنی گلے پڑ جائے گی۔''

''کچھ بھی نہیں ہوگا، اگر آپ مجھ پر بھروسہ کریں گے تو۔'' اس نے ہنستے ہوئے کہا

''ٹھیک ہے، جیسا تم چاہو، اپنا آنے والا کل تم نے سنوارنا ہے۔ میں نے تو گذار لی۔'' بابا نے گہری سنجیدگی سے کہا تو وہ بالکل ساتھ لگ کر بیٹھتے ہوئے کہا

''تو پھر دیکھئے گا، علاقے میں ایک نیا سورج طلوع ہوگا۔''

''چلو دیکھتے ہیں۔'' بابا نے اور گہری سوچ میں کھو گئے۔ انہیں یوں دیکھ کر طاہر نے کہا

''آپ آرام کریں۔''

''نہیں بیٹا، مجھے ابھی کچھ دیر بعد ہی نکلنا ہے، اسی لئے تمہیں بلوایا تھا۔''

''چلیں پھر بھی کچھ دیر آرام کرلیں۔'' طاہر نے کہا اور کمرے سے باہر نکلتا چلا گیا۔

طاہر کو پوری طرح احساس تھا کہ یہ بات اس کے بابا کی سمجھ میں بالکل نہیں آنے والی تھی۔ وہ اب تک جویریہ کو نظر انداز کرتا چلا آ رہا تھا۔ جہاں تک تعلق کی بات تھی۔ جیسا دوسروں کے ساتھ روا رکھا، اُس کے ساتھ بھی ویسا ہی تھا۔ وہ ایک اچھی دوست ہو سکتی تھی لیکن کبھی بھی جویریہ نے متاثر نہیں کیا تھا۔ ایسا کیوں تھا، یہ وجہ وہ خود نہیں جانتا تھا۔

سہ پہر سے پہلے ہی بابا بہاول پور چلے گئے۔ وہ اپنے ساتھ کئی سوالیہ نشان لے کر گئے تھے۔ لاہور میں موجود ملازموں سے انہیں پتہ چلا تھا کہ طاہر کے معمولات بدل گئے ہیں۔ انہوں نے جب خود ملازموں سے بات کر کے دیکھا تو اس اطلاع کی تصدیق ہوگئی کہ طاہر بدل رہا ہے، لیکن اسے ہو کیا گیا ہے؟ یہ تبدیلی کیوں ہے؟ ایسا ہونے کی وجہ کیا ہے؟ انہیں سمجھ نہیں آئی تھی۔

سہ پہر ہو چکی تھی۔ موسم بہت ہی اچھا ہو رہا تھا۔ بارش کے بعد ہر شے دُھل کر نکھر گئی تھی۔ آسمان کا نیلگوں پن زیادہ بڑھ گیا تھا۔ جس میں اُڑتے ہوئے پرندے بہت اچھے لگ رہے تھے۔ سبز درختوں کی شادابی گہری ہوگئی تھی۔ گھروں کی ممٹیاں، دیواریں، ان پر کیے گئے رنگ اُجلے ہوگئے تھے۔ لان میں کھلے پھول، پودے اور گھاس کے گہرے رنگ بھی نگاہوں کو اچھی لگ رہے تھے۔ دھول اَٹی سڑکیں تک دُھل کر مزید سیاہ ہوگئی تھیں۔ آیت آفس سے آکر اپنے کمرے کی کھڑکی سے باہر کا منظر دیکھ رہی تھی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ جس طرح قدرت نے یہ ماحول رنگین بنایا ہوا ہے، اس سب کو جان بخشنے والی ایک شے ہے، وہ ہے ہَوا، جو دکھائی نہیں دے رہی۔ کس قدر رنگینی ہے، صرف ہَوا کی وجہ سے۔ جس رَبّ نے یہ سب تخلیق کیا، یہ سارے رنگ اسی نے یہاں اس دنیا کو بخشے ہیں۔ سوچ کا سرا طویل ہوا تو وہ سوچتی چلی گئی کہ رشتے ناطوں کے کیسے رنگ ہوتے ہیں۔ انسان سے انسان کے تعلق میں کیسے کیسے رنگ بکھرے ہوئے ہیں۔ رنگ صرف دکھائی ہی نہیں دیتے، انہیں محسوس بھی کیا جاتا ہے۔ فون کی تیز آواز نے اس کا ناطہ خیالوں سے توڑ دیا۔ اس نے مڑ کے دیکھا، فون بیڈ کی سائیڈ ٹیبل پر دھرا ہوا تھا۔ وہ وہاں تک گئی تو کال ختم ہو چکی تھی۔ اسکرین پر طاہر کی کال آنے کا عندیہ تھا۔ اس نے کال بیک کر لی۔

''ہاں جی طاہر جی کیسے ہیں؟''

''میں بالکل ٹھیک ہوں، ایک مشورہ کرنا تھا۔'' اس نے تیزی سے کہا

''کہو، کیسا مشورہ؟'' آیت نے پوچھا

''ایسی باتیں فون پر تھوڑا ہوتی ہیں۔ کہیں مل بیٹھتے ہیں۔ میرے ہاں آجاؤ، یا میں تمہارے ہاں......'' اس نے کہنا چاہا تو آیت بولی

''کل آفس میں آجانا، وہیں بات کر لیں گے۔''

''نہیں، آج ہی، ضروری ہے۔ شام سے پہلے میں نے کوئی فیصلہ کرنا ہے۔'' وہ اصرار کرتے ہوئے بولا تو آیت نے سوچتے ہوئے کہا

''اوکے تم پھر ایسا کرو، پارک میں آجاؤ۔ دیکھو موسم کیسا اچھا ہو رہا ہے۔ وہاں بیٹھ کر سہولت سے بات کر لیں گے۔ کیا خیال ہے۔''

''اوکے میں آرہا ہوں، اب تم پہنچ جانا۔'' طاہر نے کہا اور جگہ کی نشاندہی کر کے فون بند کر دیا۔

پارک میں اتنا رش نہیں تھا۔ ایسے ہی جیسے معمول تھا۔ وہ کار پارک کے ٹہلتی ہوئی اس جانب بڑھ گئی، جہاں وہ مل سکتا تھا۔ وہ ذرا سا پیدل چلی تو دور ہی سے وہ ہاتھ ہلاتا دکھائی دیا۔ وہ ایک پرسکون گوشہ تھا۔ جہاں لوگ نہ ہونے کے برابر تھے۔ آیت لکڑی کے بینچ پر پاس جا کر بیٹھ گئی۔ طاہر نے منرل واٹر کی بوتل اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا

''لو پانی پیئو۔''

آیت نے وہ بوتل پکڑ لی۔ پھر طاہر کی طرف دیکھ کر بولی

سہ پہر ہو چکی تھی۔ موسم بہت ہی اچھا ہو رہا تھا۔ بارش کے بعد ہر شے دُھل کر نکھر گئی تھی۔ آسمان کا نیلگوں پن زیادہ بڑھ گیا تھا۔ جس میں اُڑتے ہوئے پرندے بہت اچھے لگ رہے تھے۔ سبز درختوں کی شادابی گہری ہو گئی تھی۔ گھروں کی ممٹیاں، دیواریں، ان پر کیے گئے رنگ اُجلے ہو گئے تھے۔ لان میں کھلے پھول، پودے اور گھاس کے گہرے رنگ بھی نگاہوں کو اچھی لگ رہے تھے۔ دھول اَٹی سڑکیں تک دُھل کر مزید سیاہ ہو گئی تھیں۔ آیت آفس سے آ کر اپنے کمرے کی کھڑکی سے باہر کا منظر دیکھ رہی تھی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ جس طرح قدرت نے یہ ماحول رنگین بنایا ہوا ہے، اس سب کو جان بخشنے والی ایک شے ہے، وہ ہے ہَوا، جو دکھائی نہیں دے رہی۔ کس قدر رنگینی ہے، صرف ہَوا کی وجہ سے۔ جس رَبّ نے یہ سب تخلیق کیا، یہ سارے رنگ اسی نے یہاں اس دنیا کو بخشے ہیں۔ سوچ کا سرا طویل ہوا تو وہ سوچتی چلی گئی کہ رشتے ناطوں کے کیسے رنگ ہوتے ہیں۔ انسان سے انسان کے تعلق میں کیسے کیسے رنگ بکھرے ہوئے ہیں۔ رنگ صرف دکھائی ہی نہیں دیتے، انہیں محسوس بھی کیا جاتا ہے۔ فون کی تیز آواز نے اس کا ناطہ خیالوں سے توڑ دیا۔ اس نے مڑ کے دیکھا، فون بیڈ کی سائیڈ ٹیبل پر دھرا ہوا تھا۔ وہ وہاں تک گئی تو کال ختم ہو چکی تھی۔ اسکرین پر طاہر کی کال آنے کا عندیہ تھا۔ اس نے کال بیک کر لی۔

''ہاں جی طاہر جی کیسے ہیں؟''

''میں بالکل ٹھیک ہوں، ایک مشورہ کرنا تھا۔'' اس نے تیزی سے کہا

''کہو، کیسا مشورہ؟'' آیت نے پوچھا

''ایسی باتیں فون پر تھوڑا ہوتی ہیں۔ کہیں مل بیٹھتے ہیں۔ میرے ہاں آ جاؤ، یا میں تمہارے ہاں......'' اس نے کہنا چاہا تو آیت بولی

''کل آفس میں آ جانا، وہیں بات کر لیں گے۔''

''نہیں، آج ہی، ضروری ہے۔ شام سے پہلے میں نے کوئی فیصلہ کرنا ہے۔'' وہ اصرار کرتے ہوئے بولا تو آیت نے سوچتے ہوئے کہا

''اوکے تم پھر ایسا کرو، پارک میں آ جاؤ۔ دیکھو موسم کیسا اچھا ہو رہا ہے۔ وہاں بیٹھ کر سہولت سے بات کر لیں گے۔ کیا خیال ہے۔''

''اوکے میں آ رہا ہوں، اب تم پہنچ جانا۔'' طاہر نے کہا اور جگہ کی نشاندہی کر کے فون بند کر دیا۔

پارک میں انتا رش نہیں تھا۔ ایسے ہی جیسے معمول تھا۔ وہ کار پارک کے ٹہلتی ہوئی اس جانب بڑھ گئی، جہاں وہ مل سکتا تھا۔ وہ ذرا سا پیدل چلی تو دور ہی سے وہ ہاتھ ہلاتا دکھائی دیا۔ وہ ایک پُرسکون گوشہ تھا۔ جہاں لوگ نہ ہونے کے برابر تھے۔ آیت لکڑی کے بینچ پر پاس جا کر بیٹھ گئی۔ طاہر نے منرل واٹر کی بوتل اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا

''لو پانی پیو۔''

آیت نے وہ بوتل پکڑ لی۔ پھر طاہر کی طرف دیکھ کر بولی

لگا جیسے وہ اُس پر طنز کر رہی ہے۔ وہ خاموش ہو گیا۔ یہ ایک حقیقت تھی۔ اگر وہ چاہتا بھی تو تردید نہیں کر سکتا تھا۔ اس نے پوری زندگی میں ایک پیسہ بھی نہیں کمایا تھا۔ اسے مانگنے کی بھی ضرورت نہیں پڑتی تھا۔ اس نے کہنا بھی نہیں ہوتا تھا۔ بس اس کے سارے اخراجات پورے ہو جاتے تھے۔

''تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔ میرا اپنا تو کچھ بھی نہیں ہے۔ میں نے کیا بنایا، کچھ بھی نہیں۔'' وہ یوں بولا جیسے خود کلامی کر رہا ہو۔ چوٹ ذرا گہری ہی لگ گئی تھی۔ جس کا احساس آیت کو بھی ہو گیا۔ اس لئے تلافی بھرے جذبات کے ساتھ پر جوش لہجے میں بولی

''تم اب بھی اگر اپنے بابا کی دولت کو سنبھال رہے ہو تو یہ بھی ایک مثبت عمل ہے، کچھ لوگ تو یوں اڑاتے ہیں کہ......''

''میں جانتا ہوں تم کیا کہنا چاہ رہی ہو۔ جو سچ ہے اسے سچ ہی رہنے دو۔'' اس کے لہجے میں مایوسی تھی۔ جیسے وہ خود کو ناکام ترین فرد خیال کر رہا ہو۔ وہ خاموش رہا تو آیت نے شرمندہ سے لہجے میں کہا

''میرا مقصد تمہیں ہرٹ کرنا نہیں تھا۔ میں......''

''میں تم سے کوئی اور بات کرنا چاہتا تھا لیکن شاید اب مجھ سے وہ نہیں ہو پائے گی۔'' وہ یوں بولا جیسے خود کو سمجھا رہا ہو۔ تبھی آیت نے خوشگوار لہجے میں کہا

''اچھا موڈ ٹھیک کرو اور بولو، کیا کہنے والے تھے۔''

طاہر نے اس کی طرف دیکھا۔ چند لمحے اس کے چہرے پر غور سے دیکھتا رہا۔ پھر دھیمے سے بولا

''کیا تم مجھ سے شادی کرو گی؟''

یہ ایک ایسا سوال تھا، جس پر آیت کو چونک جانا چاہئے تھا۔ اس کا کچھ تو ایسا ردعمل ہوتا جس سے یہ لگتا کہ طاہر کی کہی گئی یہ بات غیر متوقع تھی۔ اس کا تھوڑا بہت اثر آیت پر ہوا ہے۔ لیکن یہ سن کو وہ یوں رہی جیسے پتھر کی ہو۔ اس بات نے اس پر ذرا سا بھی اثر نہ کیا ہو۔ طاہر اس طرح کے ردعمل پر گڑبڑا گیا۔ وہ اس کی طرف دیکھتا رہا کہ وہ کیا جواب دیتی ہے۔ کچھ دیر یونہی رہنے کے بعد وہ مسکراتے ہوئے صاف گوئی سے بولی

''پہلی بات تو یہ ہے کہ میرا شادی کرنے کا ارادہ ہی نہیں ہے۔ دوسری بات، تم مجھ سے شادی کرنا افورڈ نہیں کر سکتے۔ فرض کیا ہماری شادی ہو بھی گئی تو زیادہ سے زیادہ چند ماہ یا ایک برس تک چلے گی۔ اس کے بعد ہم پھر جدا ہو جائیں گے۔ اس میں سراسر نقصان میرا ہی ہے، تمہارا کچھ نہیں جائے گا۔''

''یہ تم نے کیسے نتیجہ اخذ کر لیا، کس بنیاد پر؟'' طاہر جھنجلاتے ہوئے بولا

''اگر یہی سوال میں تم سے کروں کہ تم نے کس بنیاد پر کہا، میں تم سے شادی کر لوں؟'' اس نے مسکراتے ہوئے پوچھا تو طاہر نے

بڑے اعتماد سے کہا

”اس لئے کہ مجھے تم سے محبت ہے۔“

”محبت۔! تمہیں مجھ سے محبت ہے۔“ یہ کہہ کر وہ ہلکے سے مسکرائی لیکن خاموش رہی، طاہر بے چین ہو گیا، کہیں وہ مذاق ہی نہ سمجھ رہی ہو۔اس لئے تیزی سے بولا

”میں سچ کہہ رہا ہوں۔ میں ایک لاپرواہ قسم کا غیر ذمے دار انسان تھا، تم سے ملنے کے بعد جب تم دوبارہ نہیں ملی تو میں نے خود میں بہت ساری تبدیلیاں پائیں۔ خود پر سوچا، میں کیا ہوں، کیا کر رہا ہوں۔ میں دوسرے لوگوں کے بارے میں کتنے غلط اندازے لگاتا ہوں۔ پھر جب تم دوبارہ ملی تو مجھے بہت کچھ سمجھنے کا موقع ملا، مجھے علم ہوا کہ زندگی ہوتی کیا ہے۔ میں نے تمہیں خود سے بڑا قریب سمجھا، اتنا قریب کہ مجھے تم سے محبت ہو گئی، اس کا مجھے اعتراف ہے۔“

آیت یہ بات سن کر چند لمحے خاموش رہی جیسے وہ ایسی کسی بات کی توقع نہ کر رہی ہو۔ پھر اس نے طاہر کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا

”مجھے تمہاری محبت سے بالکل انکار نہیں ہو سکتا اور نہ ہے۔ ایسی باتیں لڑکیوں کو بڑی متاثر کرتی، کوئی اسے چاہ رہا ہے، اس کا خیال کرتا ہے، یہ بڑا پرکشش احساس ہے، لیکن۔! کیا تم جانتے ہو انسانی محبت صرف خوبیوں سے ہوتی ہے؟ خامیوں سے نہیں؟“

”میں سمجھا نہیں، کیا تمہارے نزدیک محبت کی کوئی وقعت ہی نہیں ہے؟“ طاہر نے غصے میں کہا

”ہے، کیوں وقعت نہیں ہے۔ محبت کے بغیر عشق ہو نہیں سکتا۔ پہلے محبت ہوتی ہے اور پھر عشق ہوتا ہے۔ کسی کو خوبیوں خامیوں سمیت چاہنے کا نام عشق ہے۔“ آیت نے سمجھاتے ہوئے سکون سے کہا

”مطلب تم یہ کہنا چاہتی ہو کہ تمہارا عشق ہم دونوں کی راہ میں رکاوٹ ہو گا؟“ اس نے پوچھا

”بالکل، میں نے تو اپنے عشق کی مانی ہے، میں منکر نہیں ہو سکتی، نہ عشق کی نہ مجازی خدا کی۔“ اس نے انتہائی سنجیدگی سے کہا۔ اس پر طاہر نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔ وہ اسے کیا سمجھ رہا تھا، اور وہ کیا تھی، نئے سے نیا رنگ دکھائی دیتا تھا اس میں۔

”تم اپنے عشق کی وجہ سے شادی نہیں کر رہی ہو، یہی نا؟“

”تمہیں معلوم ہے کہ میں عشق کے کس مقام پر کھڑی ہوں۔ تم جانتے ہو سرمد میرے لئے کیا اہمیت رکھتا ہے۔“ اس نے سمجھاتے ہوئے کہا

”لیکن میں کیا کروں، مجھے لگتا ہے کہ میں تمہارے بغیر نہیں رہ سکتا۔“ وہ الجھتے ہوئے بولا

”دیکھو، تم بہت اچھے ہو۔ اپنی دنیا میں رہو، یہ پیار محبت اور عشق والے معاملات تمہارے بس کی باتیں نہیں ہیں۔ جانے دو، کوئی

دوسری بات کرو" آیت نے سکون سے کہا تو وہ حیرت سے اس کا منہ دیکھتا رہ گیا۔کافی دیر تک ان میں کوئی بات نہ ہوئی۔یوں جیسے خامشی کی بھی اپنی کوئی زبان ہوتی ہے۔کچھ دیر بعد ہی دونوں کو احساس ہو گیا کہ ان میں مزید گفتگو نہیں ہو گی،اس لئے وہ اٹھے اور پارک سے چل دیئے۔

❀......❀......❀

وہ ایک ابر آلود دن تھا۔آسمان پر بادل چھائے ہوئے تھے۔ذیشان رسول شاہ صاحب اپنے کمرے میں آکر بیٹھے ہی تھے۔ایسے میں دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی۔انہوں نے سامنے دیوار پر لگے ہوئے کلاک پر نگاہ ڈالی۔چند لمحوں بعد دروازے میں سے ایک سفید ریش بزرگ،وہی نوجوان اور اس کے بعد طاہر باجوہ اندر آتے گئے۔وہ مصافحہ کر کے سامنے پڑے صوفوں پر بیٹھ گئے۔کچھ دیر تک وہ سب کا حال احوال پوچھتے رہے۔تازہ حالات واقعات پر تبصرہ ہوتا رہا۔تبھی انہوں نے طاہر باجوہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا

"کوئی بات ہے آپ کے ذہن میں تو کریں۔"

اس پر وہ چند لمحے خاموش رہا،جیسے بات کہنے کی ہمت کر رہا ہو۔پھر دھیمے سے لہجے میں بولا

"آپ نے فرمایا تھا کہ ایسا عشق کیسا ہے جس پر عاشق اور معشوق بے رنگ ہو جائیں۔مجھے ابھی یہ بات نہیں سمجھنی بلکہ اس سے پہلے ایک دو باتیں ہیں جو میں سمجھنا چاہتا ہوں۔"

"جی،فرمائیں۔"شاہ صاحب نے سنجیدگی سے کہا

"جس طرح آپ نے یہ فرمایا تھا کہ پانی میں پانی مل جائے یا بے رنگی میں بے رنگی مل جائے تو اس کی ماہیت میں نہیں،مقدار میں اضافہ ہوتا ہے۔کیا اسی طرح دو عاشق ایک عشق پر جمع نہیں ہو سکتے،کیا اس کی ماہیت یا مقدار میں کوئی فرق پڑے گا؟" طاہر نے بڑی مشکل سے یہ سوال کیا تو شاہ صاحب مسکرا دیئے اور بڑے خوشگوار لہجے میں بولے

"آپ کی بات سن کر ایک شعر یاد آ گیا،اے عشق تری کوزہ گری جانتا ہوں......تو نے ہم دو کو ملایا تو بنا ایک ہی شخص۔" یہ شعر سنا کر وہ لمحہ بھر رُکے اور پھر بولے،"آپ کے سوال کا مختصر جواب یہی ہے کہ جی ہاں،جمع ہو سکتے ہیں۔"

"کیسے؟"اس نے تیزی سے پوچھا

"دیکھیں،عشق کی اکائی ماسوائے عشق کے دوسری کوئی نہیں ہے۔انسان کسی بھی مذہب،مکتبہ فکر،یا سوچ سے تعلق رکھتا ہے۔اس پر ایک شے لازم ہے کہ وہ خود سے پیار لازمی کرتا ہے۔یہ فطری تقاضا بالکل ایسے ہی ہے جیسے سبھی جانداروں کو پیاس لگتی ہے تو پانی سے پیاس بجھتی ہے۔اور اس طرح اور بہت ساری باتیں۔خیر۔!جب کسی انسان کو یہ اطمینان ہو جاتا ہے کہ اپنی ذات سے پیار،محبت،یا عشق جو بھی ہے،وہ اس میں محفوظ ہے،تب وہ دوسری اکائی کے ساتھ رابطہ کرے گا۔جب اس نے اپنی ذات کا اثبات کیا تو دراصل وہ خود عشق کی اکائی بن گیا۔عاشق کی سب سے بڑی خواہش یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنے معشوق کو اپنے آپ میں دیکھے۔ہر جانب محبوب دکھائی دے۔خود کے

ساتھ کیا گیا عشق، کشش پیدا کرتا ہے۔اسی طرح دوسرا یونٹ بھی پر کشش ہے۔ایک مثبت شے دوسری مثبت شے کے ساتھ کشش رکھتی ہے۔دراصل خود میں ایسی صلاحیت، ایسی کشش یا ایسی تکمیل پیدا کرنی پڑے گی تو وہ جمع ہونے کی اہلیت میں آجائے گا۔جیسا وہ خود کو بنائے گا، ویسی ہی اکائی میں جمع ہو جائے گا۔یوں عشق کی اکائی خود انسان بن گیا۔جب میں اپنے آپ کو بناؤں گا تو دوسرے کے ساتھ جڑ جاؤں گا۔یہی جڑنا ہی توانائی کا منبع بن جاتا ہے۔یہ سلسلہ عالم گیریت سے بھی آگے نکل جاتا ہے۔"

"عشق کی توانائی، اس کو آپ ذرا کھولیں۔" طاہر نے انتہائی سنجیدگی سے درخواست کی تو شاہ صاحب مسکرا دیئے۔پھر بڑے ہی خوشگوار انداز میں بولے

"پہلی بات تو یہ ہے کہ عشق محض ادبی سوال نہیں ہے۔بلکہ اسے سمجھنے کے لئے اعلیٰ سائنسی حقائق کو جاننا بھی ضروری ہے۔ہم اسے یوں بھی دیکھ سکتے ہیں کہ بنیادی سائنسی حقائق تک پہنچانے والی قوت عشق ہے۔اب اگر ہم یہ کہیں کہ عاشقوں نے سائنس کے بنیادی حقائق کو تو دریافت کیا لیکن سائنس دانوں نے عشق کو دریافت نہیں تو کیسا ہے؟" اتنا کہہ وہ چند لمحے مسکراتے رہے جیسے اس بات کا لطف لے رہے ہوں، پھر سنجیدہ ہوتے ہوئے بولے،"خیر۔! مادے میں جو قوت ہے، اس میں تغیر ہے، اور جو دل کی طاقت ہے۔اس میں تغیر نہیں۔جب من کی طاقت اپنی افعالی صورت میں آتی ہے تو وہ کئی گنا ضرب کھا کر ایسی حالت میں بھی چلی جاتی ہے، جہاں تغیر نہیں۔عشق کی طاقت حاصل ہو جانے کے بعد اس پر چیزیں غیر موثر ہو جاتی ہیں۔بات صرف اتنی ہے کہ عشق کی طاقت کو استعمال کرنے کا طریقہ آنا چاہئے۔"

"یہ سب کیسے ہو جاتا ہے؟" اس نے حیرت سے پوچھا

"معمول سے ہٹ کر وقوع پذیر ہونے والا واقعہ تجسس پیدا کرتا ہے۔ایک عام آدمی کو بات سمجھ میں نہ آئے تو وہ اپنے تجسس میں آگے نہیں بڑھتا۔لیکن ایک سائنس دان اس کے حقائق تک پہنچنے کی پوری کوشش کرتا ہے، کیونکہ ہر شے کی ایک دلیل ہے۔کسی بھی شے کا منطقی انداز میں سمجھنا کہ اسے دوبارہ دہرایا جاسکے، یہی سائنس ہے۔کائنات میں وقوع پذیر ہونے والے واقعات کو منطقی انداز میں سمجھنا ایک عمل ہے۔اس عمل کے لئے ایک ایسی قوت چاہئے، جس میں جتنی بھی ناکامی ہو، وہ قوت مایوس نہ کرے بلکہ اسے آگے ہی آگے بڑھتے رہنے کا حوصلہ دیتی ہے۔اور وہ سوائے عشق کے کوئی دوسری قوت نہیں ہے۔ہم پھر وہیں پر آجاتے ہیں کہ یہ کیسے ہوتا ہے؟ عشق کی افعالی صورت کی انتہا پر معجزہ ہے، پھر اولیاء اللہ کی کرامات ہیں۔یہ چیز سائنس دان کو بے چین کر دیتی ہے کہ یہ کیسے ہو گیا؟ وہ اسے مادے میں دیکھنے کی کوشش میں جُت جاتا ہے۔اور صوفیاء اسے 'مقام حیرت' کہتے ہیں، جہاں سالک روحانی سفر شروع کرتا ہے۔اسے بھی عشق کی قوت ہی درکار ہوتی ہے۔آپ کے سامنے یہ دنیا ہے۔جہاں نت نئے انکشافات ہو رہے ہیں۔اور یہ انسان ہی کر رہا ہے۔" شاہ صاحب نے کہا

"تو کیا ہم کہہ سکتے ہیں کہ جہاں مایوسی ہے، وہاں عشق نہیں؟" طاہر نے بات سمجھتے ہوئے پوچھا، جس پر شاہ صاحب نے بڑے سکون سے کہنے لگے۔

''بالکل، ایسا کہیں نہیں ہے کہ کوئی سائنس دان سائنسی حقائق کو سامنے لایا ہو اور اس سے پہلے اس کا عشق کاملیت کی جانب محو سفر نہ ہو۔ ایسا انسان ہی کوئی نئی حقیقت سامنے لاتا ہے۔ اس کا کسی مذہب، کسی بھی سوچ اور کسی بھی مکتبہ فکر سے تعلق ہو، وہ دراصل مقام انسانیت پر کھڑا ہے اور وہ کروڑوں لوگوں کا دُکھ دور کر رہا ہے۔ جس کے اندر وہ قوت ہو گی، جو دریافت و ایجاد کے لئے ضروری ہے، وہ کچھ نیا کرے گا۔ کوئی بھی کچھ نیا کرنے والا ایک امید لیتا ہے۔ اسے آپ مقصد بھی کہہ سکتے ہیں۔ نیت کی بنیاد پر سب سامنے آجاتا ہے۔''

''محترم شاہ صاحب، سکون کی انتہا عشق کیسے ہو سکتا ہے، جبکہ عشق بارے میں تو کہا جاتا ہے کہ یہ آگ ہے، بے چین رکھتا ہے ......'' اس نے الجھتے ہوئے پوچھا

''بہت کچھ کہا جاتا ہے۔ دراصل جب انسان کا اپنا اطمینان موجود ہو تب، جو ماسوائے عشق کے ہو نہیں سکتا۔ کیونکہ اپنے آپ کے ساتھ جڑنے کا نام سکون ہے۔ اب سکون کیا ہے؟ آپ کسے سکون کہتے ہیں؟'' شاہ صاحب نے کہا تو وہ خاموش ہو گیا۔ جیسے بہ زبان خاموشی یہی کہہ رہا ہو کہ آپ ہی فرمائیں، تب چند ثانیے توقف کے بعد شاہ صاحب نے کہا، ''کسی بھی کیفیت کا عرصہ دراز تک قائم رہنا یہ ثابت کرتا ہے کہ اس میں سکون ہے، جیسے یہ کائنات کا نظام آپ دیکھ سکتے ہیں۔ ایک روش پر قائم ہے۔ اس نظام میں تبدیلی نہیں۔ گویا یہ اطمینان اور سکون پر قائم ہے۔ جسے صراط مستقیم کہا جاتا ہے۔ سو سال پہلے بھی ایسا ہی تھا، اب بھی ایسا ہی ہے۔ اسی طرح انسان کی زندگی اور عمر میں یا ایک انسان پچاس سال پہلے بھی اسی قائم تھا، آج بھی اسی پر قائم ہے، اس میں تغیر نہیں آیا۔ اگر کسی شے کو دوام حاصل نہیں تو اس میں سکون نہیں، دوام ماسوائے عشق میں کہیں نہیں ہے۔''

''حضور پھر عشق کی کیا دلیل ہو گی؟'' ساتھ بیٹھے ہوئے نوجوان نے پوچھا

''عشق ذات کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔ جس طرح انسان کی دلیل خود انسان ہی ہے اسی طرح عشق بلا دلیل ہے۔ اگر ہم عشق کو دلیل میں لائیں گے تو وہ عشق نہیں رہتا۔ کیونکہ جب عشق آتا ہے تو وہ کوئی وقت نہیں لگاتا، اس میں عالم جاہل کی کوئی تخصیص نہیں۔ جب یہ آتا ہے تو زیر و زبر کر دیتا ہے۔ جہاں چھا جاتا ہے، اپنی حکومت قائم کر کے خود کو منوا لیتا ہے۔'' شاہ صاحب نے فرمایا تو اس پر وہ نوجوان تو خاموش رہا لیکن وہ بزرگ گفتگو کرنے لگے۔ جس کی طاہر کو سمجھ نہیں آ رہی تھی۔ اس لئے وہ اپنی سوچوں ہی میں کھو کر رہ گیا۔

❁......❁......❁

اس دن شام ہو رہی تھی، جب آیت النساء آفس سے گھر واپس آئی۔ پورچ میں کار رکتے ہی اسے اپنے دادا دکھائی دیئے، وہ لان میں اپنے ایک پرانے دوست کے ساتھ بیٹھے گپ شپ کر رہے تھے۔ اس دن شہر کے فائیو سٹار ہوٹل میں کاروباری لوگوں کی تقریب تھی۔ جس میں حکومتی نمائندے بھی شریک تھے۔ یہ تقریب غیر ملکی کاروباری لوگوں کے اعزاز میں تھی۔ وہاں دادو ہی نے جانا تھا۔ وہ ایسی تقریبات میں کم ہی جاتی تھی۔ اندر جاتے ہوئے اسے یقین ہو گیا کہ اب وہ اس تقریب میں نہیں جانے والے۔ کیونکہ جب بھی ان کے یہ

دوست آتے، وہ دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو جاتے تھے۔ کچھ دیر بعد دادو کا پیغام آ گیا کہ وہ تقریب میں نہیں جا پائیں گے، اب اسے جانا ہی تھا۔

شام ڈھل کر رات میں بدل گئی تھی۔ جب وہ شہر کے فائیو ہوٹل پہنچ گئی۔ تقریب شروع ہو گئی تھی۔ اسے پہلے سے مخصوص نشست پر بٹھا دیا گیا۔ اسی دوران اس کی نگاہ طاہر پر پڑی، وہ حکومتی لوگوں کے ساتھ بیٹھا ہوا اسی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کے ہونٹوں پر بڑی جاندار مسکراہٹ تھی۔ آیت بھی اس کی طرف دیکھ کر مسکرا دی۔ طاہر کی نگاہوں میں اس کے لئے حد درجہ ستائش تھی۔ رسمی تقریروں کے دوران وہ آیت ہی کی طرف دیکھتا رہا۔ یہ رسمی سلسلہ ختم ہوا تو وہاں موجود لوگ اپنی اپنی دلچسپی کے مطابق لوگوں سے ملنے لگے۔ یہاں تک کے وہ ڈنر کے لئے میزوں کی جانب بڑھ گئے۔ آیت بھی کاروباری لوگوں کے ایک گروپ میں کھڑی تھی، اس سے پہلے کہ وہ کسی میز کی جانب بڑھتی، طاہر تیزی سے اس کے قریب آ گیا۔ آیت نے اسے اپنے قریب دیکھ لیا تھا۔ اس نے کچھ بھی کہنے کی بجائے نرمی سے آیت کا ہاتھ تھام لیا۔ پھر اگلے چند لمحوں میں اس نے ہاتھ چھوڑ بھی دیا۔ وہ ہاتھ پکڑے رکھتا تو شاید آیت النساء کو اتنا محسوس نہ ہوتا لیکن ہاتھ پکڑ کر جس طرح طاہر نے چھوڑا، وہ محسوس ہوا۔

کچھ دیر بعد ان کاروباری لوگوں سے بات ختم کر کے وہ دونوں ایک میز کی جانب بڑھ گئے، جہاں کچھ لوگ مزید بیٹھے ہوئے تھے۔ وہاں بھی کاروباری باتیں ہی چلتی رہیں۔ ڈنر کے بعد جب لوگ واپس جانے لگے۔ تو ایسے میں طاہر نے آیت سے کہا

''کچھ دیر کہیں بیٹھا جائے، کیا خیال ہے؟''

''تمہارا مطلب ہے یہاں نہیں، کسی اور جگہ، کہاں جانا ہے؟'' آیت نے مسکراتے ہوئے پوچھا

''میرے ہاں؟'' اس نے تجویز دیتے ہوئے پوچھا

''وہ کسی اور دن چلے جائیں گے، فی الحال یہیں کہیں بیٹھ جاتے ہیں۔'' آیت کے صلاح دینے پر طاہر کے چہرے پر مایوسی پھیل گئی۔ تب وہ مسکراتے ہوئے بولی ''یہاں لاہور میں کوئی سمندر کنارا تو ہے نہیں، لے دے کے ایک دریا ہے، وہ بیچارا بھی اس وقت ہانپتا ہوا سو رہا ہوگا۔ اُسے کیوں ڈسٹرب کرنا۔ یہاں کھلی فضا ہے، یہیں بیٹھ جاتے ہیں۔''

''میرے ہاں نہیں تو میں تمہارے پاس......'' اس نے کہنا چاہا تو وہ بولی

''آج میرے دادو کے دوست آئے ہوئے ہیں۔ مناسب نہیں لگتا۔ ویسے خیر تو ہے آج تم ایسے کیوں کہہ رہے ہو؟'' اس نے صاف کہہ دیا۔

''اس لئے کہ آج تم بہت اچھی لگ رہی، لگتا ہے آج تم نے تیار ہونے میں خاصا اہتمام کیا ہے۔'' طاہر نے مسکراتے ہوئے کہا

''تمہیں لگ رہا ہوگا، میں تو ویسے ہی تیار ہوئی ہوں جیسے روزانہ ہوتی ہوں، ایسا کوئی خاص اہتمام بھی نہیں کیا کہ ماڈل گرل لگوں۔ خیر۔! تم وہ بات کرو، جو کہنا چاہتے ہو۔'' وہ خوشگوار لہجے میں بولی

''تو چلو پھر وہیں لان میں چلتے ہیں۔ وہیں بیٹھ کر باتیں کریں گے۔'' اُس نے ایک جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ آیت نے چند لمحے سوچا پھر وہیں جا کر بیٹھنے کا عندیہ دے دیا۔

وہ بڑے سارے لان میں پرسکون گوشے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ موسم کافی اچھا تھا۔ ہلکی ہلکی ہوا چل رہی تھی۔ ہوٹل کی عمارت سے چھن کر آنے والی روشنی اتنی زیادہ نہیں تھی۔ لیکن لان میں جو پول لگے ہوئے تھے، ان پر لگی لائٹس کی روشنی کافی تھی۔ وہاں پر لوگ اتنے زیادہ نہیں تھے۔ تھوڑے سے لوگ تھے، جو دو دو چار کی صورت میں ادھر اُدھر بیٹھے ہوئے اپنی باتوں میں مگن تھے۔ ویٹر ان کے سامنے کافی کے مگ رکھ گیا تھا۔ کچھ دیر تقریب پر تبصرہ کرتے رہنے کے بعد طاہر سنجیدگی سے بولا

''اچھا سنو۔! جو بات کہنے کے لئے میں سکون سے کہیں بیٹھنا چاہتا تھا۔''

''کہو، کیا کہنا چاہتے ہو؟'' آیت نے سکون سے کہا

''میں نے جو تم سے شادی کی بات کی ہے وہ مذاق نہیں ہے۔ اس پر سنجیدگی سے غور کرو، میں تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔ اگر تم راضی ہو تو میں اپنے بابا کو بھیجوں تمہارے ہاں؟'' اس نے اپنی کہہ کر پوچھا

''طاہر۔! میں نے تمہیں سنجیدگی ہی سے جواب دیا تھا۔ میں نے کوئی مذاق نہیں کیا تھا۔ میرا آج بھی وہی جواب ہے جو اس دن تھا۔'' وہ سکون سے بولی

''لیکن اگر میں یہ کہوں کہ دو عاشق ایک عشق پر جمع نہیں ہو سکتے؟ اس پر تم کیا کہو گی؟'' طاہر نے اسے لاجواب کرنا چاہا تو وہ ہلکے سے مسکرا دی، پھر اسی سکون سے بولی

''میں یہی کہوں گی کہ پہلے تم عاشق تو بن جاؤ، پھر کسی دوسرے کے عشق پر جمع ہونے کی سوچنا۔''

''میں تیار ہوں، مجھے آزما سکتی ہو۔'' اس نے حتمی انداز میں کہا تو آیت کے چہرے پر مسکراہٹ ویسے ہی رہی۔ اس پر طاہر تلملا گیا۔ اس نے کہنا چاہا تھا لیکن اس سے پہلے ہی وہ بول پڑی

''طاہر۔! دعویٰ کرنے اور اس پر عمل کرنے میں بڑا فرق ہے۔ میں بڑی آسانی سے کہہ سکتی ہوں کہ میں آگ میں سے گذر جاؤں گی، لیکن پتہ اس وقت لگتا ہے، جب میں آگ میں سے گذروں گی۔''

''کیا تمہارے ساتھ شادی کرنا آگ میں سے گزرنے جیسا ہے۔'' طاہر نے زچ ہو کر پوچھا

''شاید اس سے بھی زیادہ۔'' یہ کہہ کر وہ خاموش ہو گئی جس پر وہ بھی چپ رہا، تب وہ بولی، ''طاہر میں جانتی ہوں عورت اور دولت تمہارے لئے کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ اس کے علاوہ بتاؤ، تمہیں مجھ سے کیا چاہئے؟ کھل کر کہہ دو۔''

''مجھے کیا چاہئے، میں اس بارے کچھ نہیں جانتا، بس مجھے تمہارا ساتھ چاہئے۔'' اس نے یوں کہا جیسے وہ سب کچھ تج دینے کے

بعد یہ بات کہہ رہا ہو۔

''میرا ساتھ، تمہیں میرا ساتھ چاہئے، وہ تو اب بھی ہے۔'' وہ کھوئے ہوئے لہجے میں بولی

''نہیں یہ ساتھ نہیں ہے، ایسا ساتھ، جس میں تم فقط میری ہو جاؤ۔''

اس کے یوں کہنے پر وہ ذرا سا مسکرائی پھر بولی

''میں تو پہلے ہی کسی کی ہوں، تمہاری کیا ہوں گی۔ عاشق بنتے ہو اور ضد بھی کر رہے ہو، کمال ہے۔''

''آزمالو۔'' اس نے پھر حتمی لہجے میں دعویٰ کر دیا۔

''میں خود آزمائش سے گزر رہی ہوں، کسی کو کیا آزماؤں گی۔ میری مانو، اپنی دنیا میں لوٹ جاؤ۔ تمہاری دنیا بہت رنگین ہے۔ کھو جاؤ اس کے رنگوں میں، انجوائے کرو۔'' آیت نے یوں کہا جیسے وہ اس موضوع پر مزید بات نہیں کرنا چاہ رہی ہو۔

''دیکھو آیت یہ میں نے فیصلہ کر لیا ہوا کہ اگر شادی ہو گی تو تمہارے ساتھ ورنہ کسی کے......'' طاہر نے یوں پوچھا جیسے اسے ورانگ دے رہا ہو۔ اس پر آیت النساء ہنستے بولی

''عاشق ہونے کا دعویٰ کرتے ہو اور شرط بھی لگاتے ہو۔ میں کہہ رہی ہوں کہ جاؤ اپنی دنیا میں لوٹ جاؤ، جو مرضی کرو۔''

''تم میری کسی بات کو سیریس ہی نہیں لے رہی ہو، میرے جذبات ہی کو نہیں سمجھ رہی ہو۔'' اس نے یوں منتشر لہجے میں کہا جیسے وہ اپنے من کو فوراً ہی اس کے سامنے کھول دینا چاہتا ہو۔ آیت اس پر خاموش رہی۔ اس کے چہرے پر گہری سنجیدگی در آئی تھی۔ پھر مسکراتے ہوئے بولی

''ابھی تم نے بڑے چاؤ سے میرا ہاتھ پکڑا، لیکن اگلے ہی لمحے چھوڑ دیا، میں پوچھ سکتی ہوں، پکڑا کیوں اور ایسے چھوڑا کیوں؟''

''میں حیران ہوں، تم اتنی برف کیوں ہو، جیسے تم میں زندگی کی رمق ہی نہ ہو؟ تمہیں یاد ہے، جب ایک بار جیولر کی دوکان سے اٹھانے کے لئے میں نے تمہارا ہاتھ پکڑا تھا۔ تب بھی یونہی لگا تھا مجھے، جیسے میں نے کسی ٹھنڈی شے کو ہاتھ لگا دیا ہو۔ یہ ایسا کیوں ہے؟ میں......''

''مجھے چھو کر پکڑے نہیں رکھ سکتے اور بات شادی کی کرتے ہو، کیا خیال ہے؟'' آیت نے سکون سے کہا تو وہ حیرت سے بولا

''لیکن یہ ایسا کیوں؟''

''ابھی نہیں سمجھو گے، کچھ وقت لگے گا۔'' آیت نے کہا تو ان دونوں میں یوں خاموشی چھا گئی، جیسے ان کے پاس مزید کرنے کے لئے باتیں ہی نہ ہوں۔ وہ کچھ دیر تک بیٹھے رہے، پھر دونوں ہی اٹھ گئے۔

رات گئے جب آیت اپنے بیڈ پر آئی تو پہلی بار اس نے طاہر کے بارے میں سنجیدگی سے سوچا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ طاہر نے اپنے جذبات کا اظہار مان پر کیا تھا۔ لیکن اس کے ذہن میں ایک ہی سوال تھا کہ آخر وہ ایسا چاہتا کیوں ہے؟ اسی سوال کی رَو میں وہ بہتی چلی گئی۔

پہلی ملاقات سے لیکر اب تک کا ماضی اس نے دہرایا، کہیں بھی ایسا کوئی مقام نہیں تھا، جہاں پر ان میں ایسے کسی تعلق کا نشان موجود ہو۔ کہیں کوئی یاد انتظار میں نہیں تھی۔ کہیں کوئی وعدہ منتظر نہیں تھا۔ کہیں کوئی احساس نہیں ہمک رہا تھا۔ پہلی ملاقات سے لے کر اب تک ایک سپاٹ راستہ تھا، جس میں جذبوں کے پھول ایسے نہیں تھے، جن کے رنگوں کی تعبیر وہ ایسے کسی تعلق کی صورت میں کھلے ہوئے ہوں۔ اس نے طاہر کے بارے میں ایسا سوچا بھی نہیں تھا۔ لیکن تھوڑی دیر پہلے کی ملاقات کا رنگ ہی کچھ دوسرا تھا۔ جس نے آیت کو سنجیدگی سے سوچنے پر مجبور کر دیا تھا۔ طاہر جس منزل کا راہی ہو گیا تھا، اس بارے وہ خوب جانتی تھی۔ کیونکہ کبھی وہ خود کسی کی نگاہ کا مرکز تھی، اب اس کا منظور نظر کوئی اور تھا۔ وہ ان دونوں راہوں کے ایسے مقام پر تھی، جہاں سے وہ ان رستوں کی مسافت، صعوبت اور کلفت کو بخوبی جانتی تھی۔ وہ مقام عاشقی اور مقام معشوقی کو تسخیر کر کے مقام عشق پر کھڑی تھی۔ ایسے بندے کے لئے کسی بھی راہ پر پلٹنا کوئی معنی نہیں رکھتا تھا۔ وہ جب چاہے عاشق بن سکتی تھی اور جب چاہے معشوق۔ مگر اس کے پاس کوئی ایسی وجہ نہیں تھی، جس سے کسی بھی راہ پر جانا اس کی مجبوری ہوتا۔ مگر طاہر کے بارے میں اسے یوں لگا جیسے عشق کی وادی میں کوئی شہزادہ آن وارد ہوا ہو۔ یہاں اپنی مرضی سے آیا تو جا سکتا ہے لیکن واپسی کا راستہ ہونے کے باوجود واپس کوئی نہیں پلٹتا۔ اس وادی میں منزل پر پہنچنے کے لئے راہنما کی ضرورت ہوتی ہے ورنہ بھول بھلیوں میں کھو کر رہ جاتا ہے۔ وہ اس وادی کی آشنا تھی۔ راہنمائی تو بنتی تھی۔ اب یہ طاہر کا خلوص تھا کہ کس قدر جلدی منزل تک پہنچتا ہے۔ یہ سوچ کر وہ بے اختیار مسکرا دی۔ وہ عشق کی راہوں پر تھا، اس کی راہنمائی اب آیت کو کرنا تھی۔ یہ راہنمائی کیسے ہوگی، اس پر بہت دیر تک سوچتے رہنے بعد وہ پرسکون ہو کر سو گئی۔

❁ ..... ❁ ..... ❁

سیاست کی دنیا میں ایک طوفان آ گیا تھا۔ جو بڑی تیزی سے اٹھا اور اٹھ کر تھم بھی گیا۔ طوفان جب اٹھتے ہیں تو اپنے ساتھ بہت کچھ بہا کر لے جاتے ہیں۔ کہیں تعمیر میں تخریب اور کہیں تخریب میں تعمیر پنہاں ہوتی ہے۔ سیاست کی دنیا کا یہ طوفان اپنے ساتھ بہت کچھ بہا کر لے گیا تھا۔ کل تک طاہر رکن اسمبلی تھا، وہ آج نہیں رہا تھا۔ پوری علاقے کی طاقت کا مرکز سکندر حیات، آج محض ایک زمیندار تھا، کوئی حکومتی عہدہ، مراعات یا سہولت اس کے پاس نہیں تھی۔ وہ حویلی جہاں لوگوں کا رش لگا رہتا تھا، اس دن سنسان تھی۔ سکندر حیات سمجھتا تھا کہ ایسی طاقت سمندر کنارے کسی جھونپڑے کی سی ہوتی ہے، جب چاہے کوئی بھی طوفان اس جھونپڑی کو بہا کر لے جائے۔ وہ جو حوصلے والے ہوتے ہیں یا جن کی مجبوری ہوتی ہے، وہ ایسے جھونپڑے کی پھر سے تعمیر شروع کر دیتے ہیں۔ اور جن میں حوصلہ نہیں ہوتا وہ کچھ نیا تعمیر نہیں کر سکتے۔ نئے الیکشن کا اعلان ہو گیا تھا۔ جس کے ساتھ ہی جوڑ توڑ کی سیاست اپنے عروج پر پہنچ گئی تھی۔

طاہر اپنے بابا سکندر حیات کے سامنے بیٹھا ہوا تھا۔ سکندر حیات کے چہرے پر تفکر کی گہری پرچھائیاں تھیں۔ جبکہ طاہر کے چہرے پرسکون پھیلا ہوا تھا۔ بلاشبہ یہ ان کے اندر کا اظہار تھا۔ وہ دوپہر کے وقت لاہور سے بہاول پور پہنچا تھا۔ اس نے یہاں کی ساری صورت حال دیکھ لی ہوئی تھی۔ سر شام جب وہ اپنے بابا کے ساتھ بیٹھا اور کئی ساری باتیں ہو چکیں تو اس نے اپنے بابا کو حوصلہ دینے والے انداز میں کہا۔

"بابا آپ اتنے پریشان کیوں ہیں؟ میری ایم پی اے شپ ہی ختم ہوئی ہے نا۔ یہ کون سا مستقل تھی۔ اسے کبھی تو ختم ہونا تھی، اب ذرا جلدی ہوگئی۔ ہم پھر الیکشن لڑیں گے اور کامیاب ہو جائیں گے۔" اس پر سکندر حیات نے ایک گہری اور طویل سانس لے کر کہا

"بات یہ نہیں ہے بیٹا۔ یہ سب اچانک ہو گیا، بہت سارے ہمارے اپنے ذاتی ایسے کام تھے، جواب نہیں ہوں گے۔ اور پھر اب بہت محنت کرنا پڑے گی۔"

"کام اب نہیں ہو پائیں گے تو پھر ہو جائیں گے۔ حلقہ بھی وہی اور لوگ بھی وہی ہیں۔ آپ فکر نہ کریں۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔" اس نے پھر سے اپنے باپ کو تسلی دی۔

"تمہیں عوامی شعور کا اندازہ نہیں بیٹا۔ اب وقت بدل گیا ہے۔ کبھی ہوتا تھا، ایک بستی میں سے صرف ایک معتبر بندے کو پکڑتے تھے اور اس پوری بستی کے ووٹ لے لیتے تھے۔ لیکن اب ایسا نہیں، ایک بستی ہو یا گاؤں، اس کے اپنے ہی ووٹ بکھر گئے ہیں۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ اور پھر وہ لوگ جو کل ہمارے ساتھ چلے تھے، ممکن ہیں آج نہ ہوں۔ ان کی دلچسپی کہیں اور ہو جائے۔" بابا نے اسے زمینی حقائق بتائے

"بابا، یہ ٹوٹ پھوٹ تو لگی رہتی ہے کون سی نئی بات ہے۔ کچھ جائیں گے تو کچھ آ بھی جائیں گے۔" اس نے پھر امید بھرے لہجے میں کہا تو بابا نے کہا

"اب دیکھو، یہی انعام الحق، ہمارے ساتھ ہوتے ہوئے ہمیں بلیک میل کرتا رہا۔ اگر تم وقت پر ہاں کر دیتے تو اب ہمیں اتنی مشکلات کا سامنا نہیں کرنا پڑتا۔ اب اس کا کوئی پتہ نہیں، وہ ہماری مخالفت میں بھی جا سکتا ہے۔ اس کے پاس جو ووٹ بینک ہے اس کے ذریعے وہ کسی کو بھی جتوا سکتا ہے۔"

"اگر ہم الیکشن ہی نہ لڑیں؟" طاہر نے دھیمے سے کہا تو سکندر حیات کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ وہ چند لمحے خود پر قابو پاتا رہا، پھر غصے میں بھرے ہوئے لہجے میں بولا

"یہ کیا بزدلوں والی بات کر دی تم نے، اس علاقے پر ہمارا راج تھا، ہے اور رہے گا، اس کے لئے ہمیں کچھ بھی کرنا پڑے تو کریں گے۔ چاہے تمہیں جویریہ سے بھی شادی کرنا پڑی تو وہ کرو گے۔ میں یہاں سے اپنا راج نہیں کھو سکتا۔" بابا نے یوں کہا جیسے وہ اپنے آپ میں نہ رہے ہوں۔

"آپ کیا سمجھتے ہیں، یہ جویریہ سے شادی ہی یہاں کے راج کے لئے ضروری ہے؟" اس نے پوچھا

"ہاں، پہلے تو انہوں نے کہا تو مجھے یقین تھا، لیکن اب شاید وہ ہماری بات نہ مانیں، کیونکہ میں نے انہیں اب تک جواب ہی نہیں دیا، اگر کوئی اور......" یہ کہتے ہوئے وہ خاموش ہو گئے پھر ایک دم سے بولے، "نہیں میں کروں گا بات ان سے، ابھی وقت ہاتھ ہی میں ہے۔"

طاہر نے جب یہ سنا تو بے چین ہو گیا۔ اسے یقین ہو گیا کہ وقت جویریہ کو اس کے سامنے لے آیا ہے۔ وہ اس کی مجبوری بن سکتی

ہے۔ بابا کبھی ہار تسلیم نہیں کریں گے۔ اپنی جیت کے لئے انہیں جو بھی کرنا پڑا وہ کریں گے۔ وہ خاموش ہو گیا۔ وہ اچھی طرح سمجھ رہا کہ بابا کی سنجیدگی کا مطلب گھمبیر حالات کی نشاندہی ہے، ورنہ وہ پر سکون ہوتے۔ اس نے بابا کی طرف دیکھا، ان کے چہرے پر گہرے تفکر کے آثار تھے۔ پہلے کبھی ایسا ہو جاتا، تب وہ بلا سوچ سمجھے اپنے باپ پر جان وارنے کو تیار ہو جاتا تھا۔ لیکن اس بار وہ سوچ میں پڑ گیا تھا۔ اس کا ذہن اور دل مختلف خانوں میں بٹا ہوا تھا۔ کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد اس نے کہا

''بابا۔! مجھے کچھ وقت دیں۔ میں سوچنا چاہتا ہوں۔''

''اس میں سوچنے والی کیا بات ہے بیٹا، ہمیں یہ سیٹ دوبارہ حاصل کرنی ہے اور ہر قیمت پر کرنی ہے۔ میں کوئی رسک نہیں لینا چاہتا، میں شکست نہیں دیکھ سکتا۔'' اس کے بابا کی آواز میں شکستگی آ گئی تھی۔ طاہر کو یوں لگا جیسے وہ اندر سے ٹوٹ گئے ہوں۔ انہیں اپنی شکست صاف دکھائی دے رہی ہو۔

''ٹھیک ہے بابا، جیسے آپ کہیں، میں وہی کروں گا۔'' طاہر نے ٹوٹے ہوئے لہجے میں کہا تو سکندر حیات نے اس کی طرف دیکھا، چہرے پر خوشی کا کوئی تاثر نہیں ابھرا، بلکہ اذیت کا احساس مزید بڑھ گیا۔ انہوں نے مزید کوئی بات نہیں کی اور وہاں سے اٹھ کر اندر چلے گئے۔ وہ بھی کچھ دیر وہاں بیٹھا رہا، پھر اپنے کمرے میں چلا گیا۔

وہ اپنے بیڈ پر پڑا سوچ رہا تھا۔ اسے بھی اپنے بابا کی طرح پوری صورت حال کا اندازہ تھا۔ جویریہ کے ساتھ اس علاقے کی حاکمیت پھر سے اسے مل جانے والی تھی، بڑا آسان اور شارٹ کٹ رستہ تھا۔ لیکن اس کا اندر نہیں مان رہا تھا۔ اس کے سامنے آیت النساء کی مثال تھی۔ کچھ نہ ہوتے ہوئے بھی اس نے بہت کچھ کر لیا تھا۔ عورت ہو کر اس نے نہ صرف حالات کا مقابلہ کیا، بلکہ حالات کو اپنے قابو میں بھی کر لیا۔ وہ ایک مرد ہو کر بھی کچھ نہیں کر سکتا، جو وہ چاہتا ہے؟ یہی سوال اس کے اندر کی کشمکش بن گیا۔ اندر سے یہی آواز ابھری

''بات یہاں مرد یا عورت کی نہیں، اس مقصد کی ہے جو انسان لے کر چلتا ہے۔ آیت النساء کے پاس ایک مقصد تھا، اس نے اس کے ساتھ اپنا آپ پورا لگا دیا۔ تم نے کیا کیا؟ کوئی مقصد ہے تمہارے پاس؟''

''میرے پاس اگر کوئی مقصد نہیں ہیں تو یہ حالات بھی میرے بنائے ہوئے نہیں ہیں۔'' اس نے خود کو توجیہ پیش کی۔

''لیکن ان حالات سے نبرد آزما تمہی نے ہونا ہے۔'' اسے اندر سے جواب ملا

''ہاں اب مجھے ہی ان حالات کو دیکھنا ہے، لیکن میں کیا کروں، مجھے سمجھ میں نہیں آ رہا۔'' اس نے خود سے کہا اور پھر چونک گیا۔ اس کے دماغ میں سوچ ابھر آئی کہ کیوں نا وہ آیت سے بات کرے، وہ اسے کبھی غلط مشورہ نہیں دے گی۔ وہ تعلق کی اس سطح پر تھی جہاں وہ اس سے ہر طرح کی بات کر سکتا تھا۔ وہ بیڈ پر اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اس نے چند لمحے سوچا اور پھر فون اٹھا کر آیت کو کال کر دی۔ چند بیل جانے کے بعد فون پک کر لیا گیا۔

''طاہر خیریت، اتنی رات گئے فون کیا ہے؟''

''میں تم سے کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں۔'' اس نے کہا

''کوئی بات رہ گئی تھی کیا، ابھی سہ پہر کو اتنی باتیں تو ہوئی ہیں۔'' اس نے یاد دلایا

''وہ تو...... خیر چھوڑو، میں ایک مشورہ کرنا چاہ رہا ہوں۔'' اس نے سنجیدگی سے کہا

''تو کسی سمجھدار بندے سے مشورہ کرو، میرے ساتھ......'' اس نے خوشگوار لہجے میں کہنا چاہا تو طاہر نے بات کاٹتے ہوئے کہا

''پلیز۔! میں الجھن میں ہوں، بڑے گھمبیر حالات میں ہوں۔''

''اچھا کہو۔'' اس نے جواب میں کہا تو طاہر نے اپنے بابا سے ہونے والی ساری بات دہرا دی۔ تب اس نے کہا، ''تم کیا چاہتے ہو۔''

''میں یہ سیٹ جیتنا چاہتا ہوں، لیکن جویریہ والی شرط کے بغیر۔'' اس نے صاف کہہ دیا

''تو پھر اتنا پریشان ہونے کی کیا ضرورت ہے۔ ڈٹ جاؤ، اور اپنا آپ ثابت کر دو۔'' آیت نے اطمینان سے کہا

''کیسے کوئی راہ بھی سجھائی دے۔'' اس نے اُلجھتے ہوئے کہا تو آیت خوشگوار لہجے میں بولی

''خود کو عاشق بھی مانتے ہو، اور حالات سے بھی گھبرا گئے ہو۔ سنو، جو عاشق ہوتے ہیں، ان کی راہیں بڑی کٹھن ہوتی ہیں۔ لیکن عشق انہیں راستہ دکھاتا ہے۔ اب اپنے عشق کو آزماؤ، عشق طویل سفر کو بھی کم سفر راستہ بنا دیتا ہے، یہ حالات تو کچھ بھی نہیں۔''

''میں سمجھا نہیں۔'' اس نے منتشر لہجے میں کہا

''کیا تم اپنے باپ کی شکست دیکھنا چاہتے ہو؟''

''نہیں کسی قیمت پر بھی نہیں۔'' اس نے پر جوش لہجے میں جواب دیا

''تو پھر اپنے راستے خود بناؤ۔ رکاوٹیں بہت ہوں گیں، اتنی رکاوٹیں کہ تم دل برداشتہ ہو جاؤ گے، انہی حالات میں ثابت قدم رہ کر اپنا مقصد حاصل کرنا عشاق کا شیوہ ہے۔'' آیت نے لفظ لفظ پر زور دیتے ہوئے

''میں سمجھ گیا۔ میں خود کو آزماؤں گا، لیکن کیا تم میرا ساتھ دو گی؟'' طاہر نے دبے دبے جوش سے کہا

''کیوں نہیں، تم اگر چاہو تو میں ہر ممکن حد تک، جو مجھ سے ہو سکا میں تمہاری مدد کروں گی۔'' آیت نے فیصلہ کن لہجے میں کہا

''پوری دنیا میں اس وقت اگر کوئی میرا مرکز ہے تو وہ تم ہو، میں تم سے مدد چاہتا ہوں، بولو مجھے کیا کرنا ہے؟'' طاہر نے یوں کہا جیسے اس میں ایک نئی زندگی در آئی ہو تو آیت نے حوصلہ افزا انداز میں کہا

''میں سب سے پہلے یہی کہوں گی کہ تم صرف ایک سیٹ پر نہیں دونوں سیٹوں سے الیکشن لڑو، اپنی منزل اور مقصد برقرار رکھو، بابا سے کہہ دو کسی سہارے کے بغیر تم الیکشن لڑو گے اور جیت کر دکھاؤ گے۔''

''ڈن ہوگیا۔'' طاہر نے کوئی لمحہ ضائع کیئے بنا فوراً کہہ دیا۔

''کاغذات جمع کروادو، اور اپنا کام شروع کرو۔ ان شاء اللہ جیت ہماری ہوگی۔'' آیت نے عزم سے کہا تو وہ بولا

''ہوگی اور ضرور ہوگی۔''

یہ کہہ کر وہ کچھ دیر مزید اسی موضوع پر بات کرتے رہے پھر فون بند کر دیا۔ طاہر میں ایک نیا ولولہ پیدا ہو چکا تھا۔ اسے یوں لگا جیسے جیت اس کے قدموں میں آن پڑی ہو۔

❁.....❁.....❁

طاہر نے جیسے ہی دو نشستوں کے لئے کاغذاتِ نامزدگی جمع کروائے سیاسی ماحول میں ہلچل مچ گئی۔ عام عوام کو تو کیا سمجھ آتی، سیاسی حلقوں میں بھی حیرت پھیل گئی۔ سیاست بھی شطرنج کی بساط پر مہرے چلنے جیسا ایک کھیل ہے۔ بساط بچھتے ہی مہرے سجائے جاتے ہیں، کھلاڑی اپنی اپنی چال چلتے ہیں۔ حلقے میں موجود ووٹروں کو سامنے رکھ کر مہرے چلائے جاتے ہیں۔ شہ مات کے لئے پورا منصوبہ ہوتا ہے۔ لیکن اگر بساط سیاست کا توازن ہی بگڑ جائے تو پلان بھی دھرے رہ جاتے ہیں۔ طاہر نے سیاسی حلقے کا توازن ہی بدل کر رکھ دیا تھا۔ دوسرے سیاست دانوں نے اسے صرف چھوٹی نشست کا امیدوار سمجھ کر ہی پلان کیا تھا۔ انہیں کیا سمجھ میں آتا، سکندر حیات بھی چکرا کر رہ گیا تھا۔ اس نے طاہر کو اپنے سامنے بٹھا کر کہا

''بیٹا یہ تم نے کیا کیا؟ نئے دشمن پیدا کر لئے، پہلے تو اپنی سیٹ کی کوئی امید تھی، اب تو ایک جہان سے لڑنا پڑے گا۔''

''بابا اگر سیاست کرنی تو یہاں سب دوست تو نہیں ہوتے، ان میں زیادہ مفاد پرست ہوتے ہیں، جسے جو شے چاہئے ہوتی ہے وہ اگر اسے مل جائے تو خاموشی ہو جاتی ہے۔'' اس نے بڑی سنجیدگی سے کہا

''مجھے سمجھ نہیں آ رہی کہ تم کیا کرنا چاہتے ہو، لیکن تمہیں پتہ ہے الیکشن میں خرچ کتنا ہوتا ہے، مجھے اس کی بھی پروا نہیں۔ لیکن یہ سب اگر فضول گیا تو ہمارا مذاق بن جائے گا......'' بابا نے کہنا چاہا تو وہ مودب لہجے میں بولا

''آپ نے ذمہ داری مجھے دی، دیکھیں تو سہی میں کیا کرتا ہوں۔'' اس نے مسکراتے ہوئے کہا

''ٹھیک ہے بیٹا، جیسا تم چاہو۔'' بابا نے بحث کرنے کی بجائے خاموشی کو ترجیح دی۔

کھیل ہو یا میدان جنگ، اس میں جیت کی شروعات اس وقت ہوتی ہے، جب حریف کو اپنی مرضی پر لایا جائے۔ بساط پر ایستادہ مہروں کا توازن بگاڑ لینا کوئی بڑی بات نہیں، بساط کا ماحول اپنے نشانے پر لے آنا ہی فنکاری ہے۔ طاہر پورے حلقے کی سیاست کو اپنی ذات کے محور پر لے آیا تھا۔ تھڑے پر بیٹھے ادھ کچری بحث کرنے والوں سے لے کر پرانے سیاست دانوں کے ڈرائنگ روم تک وہی موضوع گفتگو تھا۔ طاہر مطمئن تھا اور یہی اطمینان دوسروں کی بے چینی بن گیا۔ مختلف جوڑ توڑ اپنے عروج پر تھے۔ الیکشن مہم اپنے فیصلہ کن مر

حلقے میں داخل ہوگئی تو آیت النساء بھی آگئی۔ طاہر نے اسے ائیر پورٹ سے لے لیا۔

”مجھے بہت اچھا لگ رہا ہے کہ تم میرے لئے یہاں آگئی ہو۔“ طاہر نے کار کی ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھتے ہوئے کہا تو آیت بولی

”جب میں نے تمہارا ساتھ دینے کا وعدہ کر لیا تو مجھے ہر ممکن کوشش کرنا ہے۔ مجھے اب ضرورت محسوس ہوئی میں مجھے یہاں آنا چاہئے تو میں آگئی۔“

”مجھے بڑا حوصلہ محسوس ہو رہا ہے۔ میں اپنے آپ کو خوش قسمت سمجھ رہا ہوں کہ اب اتنے دن تمہارا ساتھ رہے گا، جیت یا ہار اپنی جگہ، وہ جو بھی ہو۔“ اس نے اپنے من کی بات کہہ دی۔

”اور مجھے بہت زیادہ خوشی محسوس ہو رہی ہے۔“ اس نے خوشگوار انداز میں کہا، پھر چند ثانئے بعد بولی، ”ویسے تم جا کدھر رہے ہو؟“

”گھر، اور کہاں؟“ اس نے حیرت سے کہا

”مطلب تمہارے گھر؟“ اس نے تصدیق چاہی

”ہاں، میرے گھر، اور تم ایسے کیوں پوچھ رہی ہو؟“ اس نے الجھتے ہوئے پوچھا

”نہیں میں تمہارے گھر میں نہیں بلکہ اپنے گھر میں رہوں گی۔“ اس نے اطمینان بھرے لہجے میں کہا

”تمہارا گھر...... مطلب، میرے ساتھ...... یہ کیا کہہ رہی ہو؟“ اس نے کچھ بھی نہ سمجھتے ہوئے پوچھا تو آیت نے بڑے سکون سے کہا۔

”کچھ عرصہ پہلے میں نے یہاں کے پوش علاقے میں گھر خریدا تھا۔ میں اسی میں رہوں گی، لیکن، تمہاری الیکشن مہم میں تمہارے ساتھ رہوں گی۔ فکر مت کرو۔“ آیت نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا

”اوہ۔!“ اس کے منہ سے نکلا اور پھر اس نے طویل سانس لی۔ طاہر کو یہ پوری طرح سمجھ تھی کہ آیت سے بحث کرنا فضول ہوگا۔ اس لئے پوچھا، ”کدھر ہے؟“

آیت نے اسے بتانے لگی۔ تاہم اس کا چہرہ تن گیا تھا۔

باقی سفر خاموشی میں کٹا۔ آیت سمجھ رہی تھی کہ طاہر کے من میں کیا چل رہا ہوگا لیکن وہ جو سمجھ رہی تھی، اس نے ویسا ہی کرنا تھا۔ بہاول پور کے پوش علاقے میں موجود ایک بڑی سی بنگلہ نما کوٹھی کے سامنے جونہی کار رکی، گیٹ کھول دیا گیا۔ طاہر کار پورچ تک لے گیا۔ جہاں شہر کی بزنس کمیونٹی کے چند معززین کھڑے تھے۔ کار رکتے ہی وہ سب آگے بڑھے۔ جس قدر پروٹوکول آیت کو دیا جا رہا تھا، طاہر کو بھی ویسا ہی ملا۔ ملنے ملانے کے بعد وہ سبھی لاؤنج میں آبیٹھے۔ وہاں پر آیت نے کوئی سیاسی بات نہیں کی۔ باتیں صرف حال احوال تک چلیں۔ لنچ ہوا اور لوگ جانے لگے۔ یہاں شہر سے آئے سارے لوگ چلے گئے۔

”تم آرام کرو، میں بھی چلتا ہوں۔“ طاہر نے اٹھتے ہوئے کہا۔ اس کے لہجے میں سے دکھ چھلک رہا تھا۔ آیت نے اس کی طرف

دیکھا اور مسکراتے ہوئے بولی

''بیٹھو۔!'' اس نے کہا تو طاہر پھر صوفے پر بیٹھ گیا، تبھی وہ بولی، ''میں اگر اتنے سے وقت میں تھک جانے والی ہوتی نا تو یہ لوگ یہاں پر نہ ہوتے۔ جب سے تم نے کاغذات جمع کراوئے ہیں، میں یہاں کے لوگوں سے مسلسل رابطے میں ہوں۔ میں یہاں پر تمہاری الیکشن مہم کی انچارج بن کر نہیں آئی، بلکہ تمہاری مدد کرنے آئی ہوں۔ میری بات سمجھ رہے ہو؟''

''بالکل، میں سمجھ رہا ہوں۔'' اس نے سکون سے کہا

''تو پھر موڈ ٹھیک کرو۔'' آیت نے خوشگوار انداز میں کہا

''میرا موڈ ٹھیک ہے۔ مجھے نہیں پتہ تھا کہ تم یہاں اس قدر تعلق رکھتی ہو۔'' وہ کاندھے اُچکاتے ہوئے بولا

''یہ ایک دن کی بات نہیں ہے۔ اور اس کے لئے مجھے محنت بھی نہیں کرنی پڑی، میرے لئے تو سارا کچھ میرا عشق ہے۔ میں جس قدر اپنے عشق میں ڈوبتی چلی جا رہی ہوں، یہ رسائیاں خود بخود ہوتی چلی جا رہی ہیں۔ جان لو جتنا عشق میں ڈوب جاؤ گے۔ رسائیاں اتنی ہی ہوتی جائیں گی۔'' اس نے سمجھانے والے انداز میں یوں کہا جیسے وہ خود اپنے آپ کو سمجھا رہی ہو۔

''مجھے اعتراف ہے کہ میں تمہارے عشق کی گہرائی کو نہیں جانتا، مگر محسوس کر سکتا ہوں۔'' وہ اس کے چہرے پر دیکھتے ہوئے جذب سے بولا تو وہ اپنی ہی رُو میں کہتی چلی گئی

''تمہیں یاد ہے، جب میں تم سے ملی تھی، کیا حال تھا میرا، کوئی جانتا تک نہیں تھا مجھے یہاں۔ تمہیں مجھ سے نہیں، خود سے ہمدردی تھی۔ اس کا اعتراف تم کر چکے ہو۔ آج جو کچھ بھی ہے، وہ میرے عشق نے مجھے دیا ہے۔ میں اگر یہ کہوں کہ مجھے طلب نہیں تو بھی غلط ہوگا، کیونکہ میں اور میری ذات الگ الگ نہیں، میں عشق سے ہوں اور عشق مجھ سے ہے، لازم و ملزوم۔ تبھی میں خود عشق بن جاؤں گی۔''

''عشق، کمال ہے یہ عشق بھی، کبھی اپنا نہیں ہونے دیتا، اور کبھی خود سے الگ نہیں کیا جا سکتا، کیا گھورکھ دھندہ ہے یہ۔'' اس نے بے چینی سے پہلو بدلتے ہوئے کہا

''کچھ ایسا نہیں ہے، بس سمجھ کا فرق ہے۔ سنو۔! جب ہر پل نگاہ اپنے معشوق پر رہتی ہے نا تو عشق ہی من و تو کے فرق مٹاتا ہے، یہی عشق کی کاریگری ہے۔ عاشق، معشوق اور عشق ایک ہو جاتے ہیں۔'' اس نے پھر اسی جذب سے کہا پھر چونک جانے انداز میں بولی، ''چھوڑو، یہ بتاؤ، تمہیں اپنی الیکشن مہم میں کہاں کہاں مشکلات لگتی ہیں۔''

''ابھی تم آرام کرو، شام کو بتاؤں گا۔'' یہ کہہ کر وہ اٹھا اور باہر کی جانب چل دیا۔ آیت وہیں بیٹھی اسے جاتا ہوا دیکھ کر مسکراتی رہی۔

اس وقت وہ ڈنر کر کے باہر کاریڈور میں آ کر بیٹھ گئی تھی۔ اسے طاہر کا انتظار تھا، جس نے سرِ شام آنے کا کہا تھا لیکن ابھی تک نہیں پہنچا تھا۔ وہ کچھ دیر ٹہلتی رہی پھر وہیں پڑی ایک کرسی پر بیٹھ گئی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ اس رات شہر سے باہر ایک گاؤں میں جلسہ تھا۔ اگر وہ وہاں

چلا گیا تو پھر شاید نہ آسکے۔ وہ یہی سوچتی ہوئی صحرائی ماحول میں رچی ہوئی ہواؤں کو محسوس کر رہی تھی۔ ایسے میں گیٹ پر ہلچل ہوئی، گیٹ کھلا اور طاہر کی گاڑی اندر آگئی۔ اس نے پورچ ہی میں گاڑی روکتے ہی آیت کو دیکھ لیا تھا۔ اس لئے وہ پورچ میں گاڑی کھڑی کر کے اس کی جانب بڑھا۔ آتے ہی اس نے پوچھا

''تم سوئی نہیں ابھی تک؟''

''میں تمہارا انتظار کر رہی تھی۔''

''اوہ! میں نے اسی لئے فون نہیں کیا کہ تم کہیں ڈسٹرب نہ ہو جاؤ۔ خود آ گیا تا کہ پتہ کروں اگر تم جاگ رہی ہو......''

''تم شام کو آنے کا کہہ کر گئے تھے، اس لئے میں نے تو انتظار کرنا تھا، چاہئے تم جلسے سے ہو کر رات گئے واپس آتے۔'' آیت نے پرسکون لہجے میں کہا

''تمہیں پتہ ہے میں نے جلسے میں جانا ہے؟''

''ہاں مجھے پتہ ہے، مجھے یہ بھی احساس ہے کہ تم اسی وجہ سے مصروف ہو گے۔''

''بس میں یہی بتانے آیا تھا کہ تم آرام کرو، میں صبح آ......''

''میں بھی چلتی ہوں تمہارے ساتھ۔'' یہ کہتے ہوئے وہ اٹھ گئی۔ اس پر کچھ کہنے کے لئے اس نے لب کھولے پھر کچھ کہے بنا اس نے ساتھ چلنے ہاتھ کا اشارہ کیا۔ وہ دونوں چلتے ہوئے پورچ تک چلے گئے۔

شہر کے ایک پوائنٹ پر جلوس کی صورت میں ایک قافلہ کھڑا تھا۔ وہ جیسے ہی وہاں پہنچے، وہ قافلہ چل پڑا۔ جلسہ گاہ تقریباً دس کلومیٹر کے فاصلے پر تھی۔ وہ گاڑی میں دونوں ہی تھے۔ کچھ فاصلہ طے کرنے تک ان دونوں میں خاموشی رہی۔ تبھی آیت نے دھیمے سے لہجے میں پوچھا۔

''اتنے چپ کیوں ہو؟ کیا بات ہے؟ کوئی پریشانی ہے؟''

''نن...... نہیں تو، پریشانی کوئی نہیں، بس یہی ہے کہ اجنبی لوگوں سے ملنا پڑ رہا ہے، انہیں سمجھنا اور ان سے ووٹ لینا، یہی چل رہا ہے ان دنوں۔ اب ہم جہاں جا رہے ہیں، میں پہلے وہاں کبھی نہیں گیا۔ کیونکہ میں صوبائی حلقے سے باہر نکلا ہی نہیں، یہ قومی......''

''اس میں گھبرانے والی کیا بات ہے۔ پہلی تو بات یہ ہے کہ جہاں ہم جا رہے ہیں، وہاں پہلے ہی کچھ لوگ تمہارے لئے راہ ہموار کر چکے ہیں۔ دوسری بات، انسان کی بنیاد کیا ہے؟ اس کے بنیادی مسائل کیا ہیں، اور اس جگہ کے لوگوں کا بنیادی مسئلہ کیا ہے؟ جب تم ووٹ کی بجائے انسان کو سوچو گے تو سبھی کچھ واضح ہو جائے گا۔''

انہی باتوں میں وہ جلسہ گاہ پہنچ گئے۔ وہاں پر لوگوں کا بڑا جوش وخروش تھا۔ آیت گاڑی ہی میں بیٹھی رہی۔ جہاں سے اسے جلسے کا منظر دکھائی دے رہا تھا۔ اس نے دیکھا، دیگر لوگوں کی تقریروں کے بعد جب طاہر سٹیج پر آیا تو اس میں بلا کی خود اعتمادی تھی۔

الیکشن میں چند دن باقی تھے۔ حالات بالکل واضح ہو چکے تھے۔ انہی دنوں کی ایک شام میں آیت کے گھر میں طاہر کے ساتھ ساجد بھی آیا ہوا تھا۔ پہلی بار ان کا آمنا سامنا ہوا تھا۔ کچھ دیر باتوں کے بعد اس نے آیت کی طرف دیکھتے ہوئے کہا

''طاہر کی ساری الیکشن مہم کو میں ہی دیکھ رہا ہوں۔ میں یہ اعتراف کرتا ہوں کہ آپ کی آمد سے پہلے میں بالکل مایوس تھا۔ لیکن جیسے ہی آپ آئیں، ماحول ہی بدل گیا۔ اسے صرف ہم لوگوں ہی نے محسوس نہیں کیا، ہمارے مخالفین بھی یہ جانتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ آپ نے کبھی الیکشن نہیں لڑا، سیاست کو نہیں دیکھا، یہاں کے ماحول سے بھی واقف نہیں تھیں، پھر یہ سب کیسے ممکن ہوا؟''

''ساجد۔! ہم بالکل سامنے کی چیز پر توجہ نہیں دیتے، جبکہ اصل بات وہی ہوتی ہے۔ ہمارے ہاں کی سیاست میں بنیادی بات کیا ہے؟ کیا آپ اُسے سمجھتے ہو؟'' آیت نے سمجھانے والے انداز میں کہا

''میں سمجھا نہیں۔'' وہ بولا

''ہماری سیاست کی بنیاد میں دولت موجود ہے محض روپیہ، کوئی خدمت خلق نہیں، کوئی ہمدردی نہیں، اگر ایسا نہ ہوتا تو اب تک ہماری قوم خود انحصار ہوتی۔ کرپشن کی سطح اتنی بلند نہ ہوتی، بے روزگاری نہ ہوتی، ہم ایک باوقار قوم کی مانند سر بلند ہوتے، یہ سب...... الیکشن میں پوسٹر چپکانے والوں سے لیکر جلسوں کا اہتمام کرنے والوں تک کے بالکل آخر میں دولت موجود ہے۔ یوں دولت والے ہی ماحول بناتے ہیں۔ یہاں کی بزنس کمیونٹی کو میں نے یہ باور کرایا ہے کہ طاہر کے ممبر بن جانے کے بعد وہ ان کے مفادات کا تحفظ کرے گا تو سب ساتھ ہو گئے۔ ان لوگوں کی یہاں بنیادیں ہیں۔ وہ اپنا کام کر رہے ہیں۔ کیونکہ انہوں نے اس کا ہی ساتھ دینا ہوتا ہے جو ان کے مفادات کا تحفظ کرے گا۔'' آیت نے اسے سمجھایا

''ہاں سیاست بھی تو اب بزنس بن چکی ہے۔'' ساجد نے فیصلہ کن لہجے میں کہا

''طاہر ہے ممبر بننا کتنا مہنگا ہو چکا ہے، غریب آدمی تو افورڈ ہی نہیں کر سکتا۔'' آیت نے حتمی لہجے میں کہا تو طاہر اس کی طرف دیکھ کر بولا۔

''خیر یہ باتیں تو ہوتی رہیں گی، میں تمہیں لینے کے لئے آیا ہوں۔ بابا ملنا چاہتے ہیں تم سے۔''

''میں ان سے ضرور ملوں گی، لیکن تمہاری جیت کے بعد، میں نے ان سے بڑی تفصیلی باتیں کرنی ہے، مگر ابھی نہیں۔'' آیت نے واضح کہہ دیا۔

''دیکھو، میں تمہیں فورس نہیں کر سکتا، یہ تمہاری مرضی ہے لیکن اگر......'' طاہر نے کہنا چاہا تو وہ اس کی بات کاٹتے ہوئے بولی

''ہر کام کا ایک وقت ہوتا ہے، وہ اگر وقت پر ہی ہو تو اچھا لگتا ہے۔''

''مگر کچھ باتیں ایسی جو وہ کرنا چاہتے ہیں، وہ ضروری ہیں۔ اگر سرسری سا مل لو گی تو کیا ہو گا؟'' طاہر نے اصرار بھرے لہجے میں

کہا تو آیت چند لمحے اسے دیکھتی رہی، پھر مسکراتے ہوئے بولی

''ٹھیک ہے چائے پی لو، پھر چلتے ہیں۔''

''او کے۔'' وہ ایک دم سے خوش ہو گیا۔

وہ تینوں ساجد ہی کی کار میں نکلے تھے تاکہ یہ پتہ نہ چلے کہ طاہر جا رہا ہے۔ ساجد ڈرائیونگ کر رہا تھا اور طاہر اور آیت دونوں پچھلی نشست پر بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ رہائشی علاقے میں سے نکل کر بڑی شاہراہ کی جانب جا رہے تھے۔ ابھی رفتار اتنی زیادہ نہیں تھی۔ آیت نے طاہر سے پوچھا

''آخر اتنی ایمر جنسی میں کیوں بلوایا، ایسی کیا خاص بات ہے، کیا تمہیں پتہ ہے؟''

''مجھے اندازہ ہے، لیکن وہ حتمی نہیں ہے۔ لیکن اتنا اندازہ ہے کہ وہ الیکشن کے ہی بارے میں ہے۔'' طاہر نے آیت کے چہرے پر دیکھتے ہوئے بتایا۔ آیت کا رُخ طاہر کی طرف تھا، جس وقت طاہر کہہ رہا تھا، اسی دورانیے میں ایک بائیک کار کے برابر آ چڑھی۔ جو بائیک چلا رہا تھا، اس کے سر پر ہیلمٹ تھا۔ اس کے جو پیچھے بیٹھا ہوا تھا، اس نے کپڑے سے اپنا چہرہ چھپایا ہوا تھا۔ اس نے کار میں جھانکا اور اپنا ہاتھ بلند کیا، آیت کو اس کے ہاتھ میں پسٹل نظر آیا۔ صرف ایک لمحہ تھا، آیت کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا، وہ ذرا سا اوپر ہوئی اور خود کو طاہر کے اوپر گرا دیا۔ یوں جیسے اس نے اپنی عافیت میں لے لیا ہو، طاہر سمجھ ہی نہ سکا کہ ہوا کیا ہے تب تک باہر بائیک پر بیٹھے شخص نے فائر جھونک دیا۔ شیشہ ٹوٹنے کی آواز کے ساتھ ہی آیت کی چیخ بلند ہوئی۔ ساجد کے ہاتھوں کار لڑکھڑائی، بائیک والے سائیڈ لگنے سے گر گئے۔ یہ سب ایک لمحے میں ہو گیا۔

آیت کے منہ سے نکلنے والی چیخ بے ساختہ تھی۔ جس کے ساتھ ہی لہو کی چپچپاہٹ پھیل گئی۔ فطری طور پر ہی طاہر نے دیکھا کہ ہوا کیا ہے۔ آیت کے فائر لگ چکا تھا اور وہ ماہی بے آب کی مانند تڑپنے لگی تھی۔ جیسے ہی اسے صورت حال کا اندازہ ہوا، اس نے چیختے ہوئے ساجد کو ہسپتال کی طرف جانے کا کہا۔ اس نے ایک دم سے رفتار تیز کر دی۔ طاہر نے آیت کو ساتھ لگا کر سنبھالتے ہوئے اپنے حواس بحال کئے اور فون تلاش کر کے خود پر قاتلانہ حملے کی اطلاع اپنے بابا کو دی۔ وہ چاہتا تو خود حملہ کرنے والوں کو پکڑ سکتا تھا، مگر اس پر آیت کی زندگی بچانے کا خیال حاوی ہو گیا تھا۔ ایسا صرف لاشعوری طور پر ہوا تھا۔ آیت کا خون اس کے بدن کو بھگونے لگا تھا۔ وہ اس کے ہاتھوں میں تڑپ رہی تھی۔ جبکہ وہ ہذیانی انداز میں کہہ رہا تھا

''نہیں آیت......تم مجھے چھوڑ کے نہیں جا سکتی......ساجد تیز چلو......بس چند منٹ......سانس لو، لمبے سانس لو......تیز چلو ساجد ......آنکھیں بند نہ کرو پلیز......آنکھیں کھولو......ساجد تیز......''

چند منٹ میں وہ ہسپتال پہنچ گئے۔ ایمر جنسی وارڈ کے سامنے عملہ تیار کھڑا تھا۔ کار رُکتے ہی اگلے چند منٹ میں آیت آپریشن تھیٹر

میں تھی۔اس وقت تک وہ بے ہوش ہو چکی تھی۔

وقت لمحہ لمحہ گذرتا چلا جا رہا تھا۔طاہر پر ہونے والے قاتلانہ حملے کی خبر شہر میں جنگل کی آگ کی مانند پھیلنے لگی تھی۔ایسے میں افواہوں کا بازار بھی گرم ہو جاتا ہے۔لوگ ہسپتال کی جانب بھاگنے لگے۔طاہر کے سٹاف اور اس سے متعلق ہر بندہ وہاں پہنچ گیا تھا۔لیکن طاہر کے بابا سکندر حیات ہسپتال نہیں آئے تھے۔آپریشن تھیٹر میں ڈاکٹر آیت کی زندگی بچانے کے لئے مصروف تھے۔دو گھنٹوں کی مسلسل کوشش کے بعد، آیت کو آئی سی یو میں منتقل کر دیا گیا۔

اس وقت صبح کے آثار نمودار ہو رہے تھے، جب آیت کو ہوش آنا شروع ہوا۔اس نے آنکھیں کھولیں، جن میں کئی سوال مچل رہے تھے۔قریب کھڑی نرس پلٹ گئی۔طاہر اس پر جھک گیا۔

''ربّ تعالیٰ نے تمہیں نئی زندگی دی ہے۔گولی کاندھے میں لگ کر نکل گئی۔تم نے مجھے بچانے کی خاطر خود کو.....'' یہ کہتے ہوئے اس کی آواز بھرا گئی۔اس نے آیت کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیا، اور اپنے لرزتے ہوئے لب اس کی ہتھیلی کی پشت پر رکھ دیئے، جس کے ساتھ ہی دو نرم گرم سے قطرے بھی آ گرے۔آیت کا ہاتھ ویسے ہی ٹھنڈا تھا۔آہٹ پا کر طاہر گھوما تو اس کے پاس ڈاکٹر اور نرسیں تھیں۔وہ فوراً پیچھے ہٹ گیا۔وہ اسے دیکھتے رہے کافی دیر بعد ڈاکٹر نے آیت سے کہا

''اب آپ خطرے سے باہر ہیں۔لیکن اس کا یہ مطلب نہیں آپ ٹھیک ہو گئی ہیں۔ابھی آپ کو تھوڑا رکنا ہوگا۔تھوڑی سی مزید نیند لینا ہوگی۔پھر شام کو فیصلہ کرتے ہیں کہ کیا کرنا ہے۔ٹھیک؟''

ڈاکٹر کے یوں کہنے پر آکسیجن ماسک کے نیچے سے دکھائی دینے والے لبوں پر مسکراہٹ کی رمق نظر آئی، آنکھوں سے مثبت اشارہ دیا تو ڈاکٹر نے نرسوں کو اشارہ دیا۔وہ انجکشن لئے تیار کھڑی تھیں۔

❁.......❁.......❁

دن کا پہلا پہر گزر جانے والا تھا۔سید ذیشان رسول شاہ صاحب ابھی تک اپنے کمرے میں بیٹھے ہوئے تھے۔یہ وہ دن تھا جس دن وہ لوگوں سے گفتگو نہیں کرتے تھے۔تاہم انہیں اسی نوجوان کا انتظار تھا، جو اکثر ان کے پاس آتا تھا۔گزرے دن اس سے بات نہیں ہو سکی تھی۔بہت سارے لوگ آئے ہوئے تھے۔یہاں تک کہ ظہر کا وقت ہو گیا۔شاہ صاحب چاہتے تھے کہ اس سے بات ہو جائے۔لیکن وقت نہیں تھا، سو انہوں نے اگلے دن کا وقت دے دیا تھا۔وہ نوجوان بھی خوشی خوشی واپس چلا گیا تھا۔دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی تو شاہ صاحب نے کلاک پر نگاہ ڈالی۔تبھی دروازہ کھلا اور وہی نوجوان بڑے مودب انداز میں اندر آیا، اس نے بڑے ادب سے سلام کیا۔شاہ صاحب کا اشارہ پاتے ہی وہ سامنے والے صوفے پر بیٹھ گیا۔تبھی شاہ صاحب نے مسکراتے ہوئے کہا

''بھئی ربّ تعالیٰ کا شکر ہے جو آپ سے کیا گیا وعدہ پورا ہو رہا ہے۔''

''جی میں بھی بہت خوش ہوں کہ مجھے یوں پرسکون وقت مل رہا ہے۔'' نوجوان نے خوش ہوتے ہوئے کہا تو شاہ صاحب مسکراتے ہوئے بولے

''فرمائیں، آپ کیا بات کرنا چاہتے ہیں۔''

''حضور، آپ نے فرمایا تھا کہ عشق کوئی ادبی اصطلاح نہیں، تو پھر عشق کے وجود کو کیسے ثابت کیا جا سکتا ہے۔ عشق کی ماہیت کیا ہے؟ دوسرے لفظوں میں یہ صرف شاعروں ادیبوں کا گھڑا ہوا لفظ ہے یا اس کی کوئی حقیقت بھی ہے؟''

نوجوان نے نہایت ادب سے سوال کیا۔ اس پر شاہ صاحب چند لمحے اپنے خیالات کو جمع کرتے رہے پھر بولے

''ربّ تعالیٰ کی جتنی بھی تخلیق ہے۔ ہر تخلیق کی اپنی اپنی فطرت ہے۔ لیکن ہر تخلیق کی انفرادیت ہونے کے باوجود، اس میں مماثلت بھی ہے۔ اس کائنات میں انسان بھی موجود ہے۔ انسان کی اپنی فطرت ہے۔ اگر وہ اپنی ذات میں انفرایت رکھتا ہے، مختلف فطرتوں کا مجموعہ ہو سکتا ہے، کئی ساری خصلتیں اس میں جمع ہیں تو وہ کائنات کے ساتھ بھی پوری ہم آہنگی رکھتا ہے۔ اب ہم بات کرتے ہیں انسان کی۔ انسان کی اپنے ساتھ محبت ایک لازمی امر ہے۔ اسے جو بھی نام دیں، چاہے خصلت کہیں، فطرت کہہ دیں یا جو بھی، جیسا بھی انسان ہوگا، وہ اپنے آپ سے محبت کرتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں انسان خود سے محبت کرنے پر مجبور ہے یا مختار کہہ لیں۔ لیکن وہ اپنے ساتھ محبت کرنے پر پابند ہے۔ ورنہ اس کا وجود خطرے میں پڑ جاتا ہے۔ اپنے آپ سے محبت ایک بات ہوگئی۔ اب دوسری بات یہ ہے کہ کیا عشق کا وجود ہے؟ اس کی دلیل یہ ہے کہ جب تک کوئی چیز اپنا وجود نہیں رکھتی، تب تک وہ افعالی صورت میں ظاہر نہیں ہو سکتی۔ پیار، محبت اور عشق کا وجود ہے تو اس کا اظہار ہوتا ہے۔ انسان میں عشق افعالی صورت میں ظاہر ہونے کا مطلب یہی ہے کہ عشق کا وجود ہے۔ عملی طور پر انسان اپنے آپ سے محبت اس وجہ سے کرے گا۔ اگر محبت اور عشق کا وجود ہے تو پھر اپنے آپ کے ساتھ پیار، محبت یا عشق کرتا ہے۔''

''عشق ہونے کی دلیل کیا ہے؟'' نوجوان نے سوال کیا

''کوئی ذی روح بھی ایسا نہیں ہے جو اپنے آپ کو ناپسند کرنے کو تیار ہو جائے۔ یہ دراصل اثبات کا راز ہے۔ انسان کا ہونا ہی دراصل عشق کے اثبات دلیل ہے۔ انسان کا ہونا ہی عشق پر دلالت کرتا ہے۔ وجود ہوگا تو کچھ کر سکے گا، ویسے کر ہی نہیں سکتا۔ مثلاً پانی ہے تو پیاس بجھا سکتا ہے۔ اب اس میں سب سے اہم ترین شے انسان کا اپنا وجود ہے۔ اس کی ذات چونکہ محبت ہے اس لئے اپنی صفات اور افعال میں محبت ہی لے کر آئے گا۔''

''وہ انسان جو خودکشی کر لیتا ہے، وہ تو خود سے محبت نہیں کرتا۔''

''خودکشی کوئی عام شے نہیں ہے۔ جسے انسان اچھا بھی سمجھتا ہو۔ عالمگیریت میں خودکشی نہیں ہے۔ کیونکہ یہ انسان کے لئے قابل قبول نہیں۔ اب یہ سوال کیا جا سکتا ہے کہ پھر لوگ خودکشی کیوں کرتے ہیں۔ یہ تعداد چاہے معمولی سی کیوں نہیں ہے۔ اگر آپ بہ نظر غائر

دیکھیں، وہ لوگ بھی دراصل اپنی محبت میں خودکشی کرتے ہیں۔ ویسے وہ بھی نہیں کرتے۔ جیسے جاپانی ہاراکاری کو بہت اچھا سمجھتے تھے، کیونکہ یہ بات ان کی سوچ میں بٹھادی گئی تھی لیکن اب کیوں نہیں۔ یہ ایک طویل بحث ہے لیکن آخر میں محبت ہی آئے گی۔ عشق بذاتِ خود ذات ہی ہے۔ انسان اپنے آپ کے ساتھ محبت پر پابند ہے۔''

''عشق کی حقیقت کیا ہے؟''

''چونکہ انسان خود سے محبت کرتا ہے اس لئے صفاتی اور افعالی صورت میں بھی اس کی اپنے آپ کے ساتھ محبت ہوتی ہے۔ لوگ جب یہاں سے راستہ بنا کر گزر جاتے ہیں تو ان کا مزاج بدل جاتا ہے۔ پھر اس کی ذات میں تبدیلیاں آتی ہیں۔ ان کے رویے بدلتے ہیں۔ وہ قربانی دینے کی پوزیشن میں آجاتے ہیں۔ کسی کو بچانے کے لئے اگر انہیں اپنی جان بھی دینی پڑے تو دے دیتے ہیں۔ عشق دراصل اپنی ذات سے ہے اگر ہم اس کی نفی کرتے ہیں تو اصل میں ہم اپنی نفی کرتے ہیں۔''

''عشق کے ظہور کا عمل کیا ہے؟''

''تین چیزیں اہم ہیں، ذات، صفات اور افعال۔ مثال کے طور پر ایک شے ہے، اس فون ہی کو لے لیجئے۔ ہم اسے فون کہتے ہیں۔ یہ اس کی ذات ہے۔ فون بند پڑا ہے، چارج ہے، کھلا ہے، وہ بس فون ہے۔ دوسری چیز یہ ہے کہ اس کی صفات کیا ہیں؟ جیسے جتنا سستا فون ہے اس کی صفات کم ہیں، اور جتنا مہنگا ہوتا جائے گا، اس کی صفات بھی اتنی بڑھتی جائیں گی۔ گویا وہ اپنی صفات کی وجہ سے مہنگا ہے۔ تیسری شے یہ ہے کہ اس کے افعال کیا ہیں۔ اگر عقل ذات ہے تو ذہنی طور پر مفلوج شخص زندہ ہی نہیں رہ سکتا، اب یہاں سے بھی ایک نئی بحث کا آغاز ہو سکتا ہے۔ مگر بات وہیں آجائے گی کہ انسان کی ذات عشق ہے۔ جب اس کے اندر سے دل کی دھڑکن ختم ہوتی ہے تب ہم کہتے ہیں کہ انسان ختم ہو گیا۔ خالی دماغ اس بندے کو زندہ رکھنے کے لئے کافی نہیں ہے۔ اور دل ایسی شے ہے کہ وہ اپنے آپ کے ساتھ محبت کرنے پر مجبور ہے۔ اب دیکھیں، جب چاہت آئے گی تو اپنے آپ ہی سے آئے گی، اندر سے آئے گی۔ میرے اندر محبت ہوگی تو میں کسی سے اس کا اظہار کر پاؤں گا، میرے پاس محبت ہوگی تو میں کسی کو دے پاؤں گا۔''

''اگر انسان کی ذات ہے تو گویا عشق بھی فطرت ہے؟''

''فطرت کی اکائی انسان خود ہے۔ انسان عشق پر کھڑا ہے۔ اگر وہ اپنے آپ کیساتھ عشق چھوڑ دیتا ہے تو وہ انسان خود کو برقرار ہی نہیں رکھ پائے گا۔ گو یہ عشق بہت محدود سطح پر ہے لیکن وہ لازم ہے ہر انسان کے ساتھ۔ انسان کا اپنے آپ کیساتھ عشق ناگزیر ہے۔ جبکہ نیچر بھی محبت پر کھڑی ہے۔ انسان سب سے زیادہ نزدیک خود اپنے آپ سے ہے۔ یہ تو خود ہر انسان یہ فیصلہ دے گا کہ وہ خود سے نفرت نہیں کرتا۔ کبھی بھی کسی بھی صورت میں نہیں کرے گا۔ اگر کسی دوسرے کی نگاہ میں وہ غلط بھی ہوگا لیکن وہ خود کو درست ہی کہے گا۔ اگر غلط بھی سمجھ رہا ہے تو غلطی کی تلافی کرے گا، اپنی ذات کو غلط نہیں کہے گا۔ غلطی کے بارے میں اس کا اپنا ہی فیصلہ ہوگا۔ اپنی ذات کو برا نہیں ٹھہرائے

گا۔ وہ چاہے گا کہ اپنی ذات کے ساتھ اس غلط کو بھی درست کرلے۔ مطلب وہ اپنے عشق پر کاربند رہتا ہے۔ نرگسیت کی ایک نفسیاتی اصطلاح ہے، وہ بھی سننے میں آتی ہے۔''

''کائنات کا انسان سے تعلق اس میں ہے؟''

''ساری کائنات کو دیکھیں۔ انسان کے ساتھ سب سے پہلے جو شے جڑتی ہے وہ ہے، ہَوا۔ دنیا میں آتے ہی سب سے پہلے وہ ہَوا میں سانس لیتا ہے۔ اگر سانس روک بھی لیں تو ہَوا اس چیز کا برا نہیں منائے گی۔ یہ ہم پر منحصر ہے کہ ہم دوبارہ سانس کب لیں گے۔ ہَوا ہمیشہ اپنی محبت پر پکی اور قائم ہے۔ ہمارے ساتھ اپنی محبت کو جاری رکھتی ہے۔ یہاں تک کہ انسان سانس لینا چھوڑ دیتا ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہَوا رک گئی ہے یا ختم ہوگئی ہے یا رُوٹھ گئی یا پھر ہَوا نے انکار کر دیا۔ کوئی بھی شخص جب فوت ہو جاتا ہے وہاں ہَوا اس کے راستے بند نہیں کرتی ایسا نہیں ہوا کہ ہَوا نے اپنا راستہ بدل دیا ہو یا پیچھے ہٹ گئی ہو۔ زندگی کی طاقت کو انسان روکنا بھی چاہے تو قدرت نے ماحول ایسا بنایا ہوا ہے کہ انسان کے ساتھ لازمی طور پر اس کا حصہ بن جاتی ہے۔ اس کی زندگی بن جاتی ہے۔ جیسے آسمانوں میں ستارے اور سیارے گھوم رہے ہیں۔ وہ کیسے گھوم رہے ہیں؟ دیکھنے والی بات تو یہ ہے نا کہ اگر کائنات میں دو جسم آپس میں ٹکرا جائیں تو کیا اس صورت میں کائنات بچتی ہے؟ اگر ان میں تضاد آئے گا تو فوری طور پر آپس میں ٹکرا جائیں گے اگر ان میں محبت ہے تو وہ ایک محور پر چلتے ہیں۔ تو اس کا مطلب ہے کہ وہ ایک دوسرے کو محفوظ بنائے ہوئے ہیں۔ ایک دوسرے کی کشش کے پابند ہیں۔ کسی ایک محور پر چلتے رہنا بھی کشش ہے۔ وہ سب احترام میں ہیں۔ آسمانوں سے ہمیں یہ پتہ چلتا ہے کہ یہ سب محبت پر قائم ہے۔ اگر محبت کو اس میں سے نکال دیا جائے تو کائنات نہیں بچے گی۔ اب نیچر میں جو اہم ترین چیز آ رہی ہے وہ انسان خود ہے۔ اب جو کچھ اس کے درمیان میں، وہ سب درمیان ہی میں ہیں، اس سے ہٹ کر نہیں، یہ جڑے ہوئے ہیں۔ اسی لئے ہم کہتے ہیں کہ نیچر عشق پر کھڑی ہے۔ اگر اس میں سے عشق کو نکال دیں تو زندگی ختم، کائنات ختم۔ سو کشش یا عشق ایک ہی شے ہے۔ معروضی ویلیو کو ہم کشش کا نام دے رہے ہیں، کہہ لیں کہ ادبی اصطلاح میں اسے عشق کہتے ہیں، یا سائنسی زبان میں قوت۔ عشق ایک قوت ہے، جس پر ساری کائنات کھڑی ہے۔ اس وقت کے ختم ہو جانے پر آپ اندازہ لگا لیں کہ پھر کیا ہوگا؟''

''حضورِ مَن کیا ہے؟''

''ایک شخصیت مختلف اجزا کا مجموعہ ہوتی ہے یا مختلف اجزا مل کر ایک شخصیت بنتی ہیں۔ شخصیت کو اجزا میں تقسیم نہیں کیا جا سکتا۔ اب دیکھیں یہ ہاتھ ہیں، ان کا علیحدہ کوئی تشخص نہیں۔ اور نہ ہی وہ حقیقی تشخص سے جُدا ہیں۔ یہی کہا جائے گا نا کہ یہ فلاں کے ہاتھ ہیں۔ اسی طرح دل، دماغ، نظر سب مل کر ایک وجود بنتا ہے۔ اور یہ وجود اپنی شناخت رکھتا ہے۔ اب کوئی ایک جز اہم ہو کر آگے بڑھتا ہے تو اس وجود کی شناخت بن جاتا ہے۔ جیسے ہم ایک اصطلاح سنتے ہیں سراپا دل، سراپا حسن، اس پر حضرت اقبالؒ کا ایک شعر یاد آگیا، سراپا حسن

بن جاتا ہے جس کے حسن کا عاشق...... جب دل کی حکومت پورے وجود پر ہو تو سراپا دِل۔ ایسے ہی وہ لوگ جو سراپا عشق بن کر ظاہر ہوئے وہ بھی تاریخ کا حصہ بنے ہیں۔ عشق ایک ایسی شے ہے جو امر ہے، وہ لوگ جو عشق کے ساتھ تعلق رکھتے تھے، وہ کتابیں، وہ داستانیں سب امر ہو گئے۔ تاریخ سب دکھاتی ہے۔ جس نے اس شے کو اپنے وجود میں اجاگر کر لیا اسے ہی پسندیدہ قرار دیا گیا۔ سو اندر کے ظہور کو من کہتے ہیں۔ وہ کیسا سراپا ہے۔"

"سرکار عشق کا کوئی عملی پہلو بھی ہے؟"

"اس کی یہی عملی دلیل کیا کم ہے کہ جس شے کو زوال نہیں وہ عشق ہے، انسان کی بقا کے لئے کیسے ہے؟ کسی بھی حالت میں چلے جائیں یہ بات سامنے رہتی ہے کہ ہم نے ہر حال میں اپنے آپ کو قائم رکھنا ہے۔ عشق پھر ظاہر ہوتا ہے۔ کسی شے میں سے، عورت سے، وطن سے، کسی مقصد سے ظہور ہوتا ہے۔ یہ اپنی زندگی پر سے حاوی ہوتا ہے تو بندہ جاں سے گزر جاتا ہے۔ تبھی عشق اہم ہو جاتا ہے۔ اب عشق کی حقیقت تبھی جان پاتے ہیں جب ہم اس سے گزرتے ہیں۔ اب بات ہے عشق کے عملی پہلو کی تو خود عشق کریں ورنہ میں وضاحت کروں گا تو یہ باتیں ایک گفتگو تک محدود نہیں رہیں گی بلکہ یہ روحانی اصطلاحات سے بھرا ایک لیکچر بن جائے گا۔ یہ سمجھ میں نہ آنے والی شے بن جائے گی۔ کسی بھی کرامت یا معجزہ کی دلیل ہے سمجھ نہ آنا۔ دوسری بات ہے، کیونکہ یہ احساس کی دنیا نہیں ہے، خیالی نہیں ہے۔ سبق ملا ہے یہ معراج مصطفیٰ ﷺ سے مجھے، کہ عالم بشریت کی زد میں ہے گردوں۔ روحانیت کے علم کو جس علم میں بھی لے جائیں اسے ڈی کوڈ تو کرنا پڑے گا۔ بس یہ سمجھ لیں کسی شے کا تخلیق کرنا عشق کرنے کی عملی پہلو ہے۔"

"بہت شکریہ حضور، آج کے لئے اتنا ہی، آپ آرام فرمائیں۔" نوجوان نے کہا تو شاہ صاحب مسکرا دیئے۔ نوجوان نے اٹھ کر مصافحہ کیا اور کمرے سے باہر چلا گیا، شاہ صاحب پھر سے کتاب کھول کر بیٹھ گئے۔

❁......❁......❁

آیت کو آئی سی یو سے پرائیویٹ روم میں کچھ دیر پہلے ہی منتقل کر دیا گیا تھا۔ وہ کمبل اوڑھے آنکھیں بند کیے پڑی تھی۔ وہ پورے ہوش وحواس میں تھی۔ دائیں جانب میز پر پھول ہی پھول پڑے ہوئے تھے۔ وہ کمرے میں تنہا تھی۔ زیادہ وقت نہیں گزرا تھا کہ طاہر اندر آ گیا۔ آہٹ پا کر آیت نے آنکھیں کھول دیں۔ وہ اس کے قریب جا کر بولا

"میں ابھی ڈاکٹرز سے......"

"سرمد کو میرے بارے پتہ تو نہیں چلا؟" اس نے طاہر کی بات سنی ان سنی کرتے ہوئے دھیمے لہجے میں تشویش سے پوچھا۔ اس پر وہ چند لمحے خاموش رہا، پھر بولا

"نہیں، شاید پتہ نہیں چلا، میڈیا پر تو یہ خبر آئی ہے، اس سے رابعہ کو یقیناً پتہ چل گیا ہو گا، اب اسے سرمد کو نہ بتا دی ہو۔"

''فوراً پتہ کرو، اور اگر سرمد کو پتہ نہیں چلا تو رابعہ سے کہو۔'' آیت نے پریشانی میں کہا

''او کے میں کرتا ہوں، تمہارا سیل فون ہے میرے پاس۔'' اس نے کہا اور اپنی جیب سے فون نکال کر رابعہ کا نمبر دیکھنے لگا، اگلے چند ثانئے میں اس نے کال ملالی۔ بیل جاتے ہی اس نے فون آیت کے کان سے لگا دیا۔ تبھی دوسری طرف سے رابعہ رندھے ہوئے لہجے میں پوچھ رہی تھی

''ہیلو، کیسی ہو تم؟''

''میں ٹھیک ہوں۔'' اس نے اپنی طرف سے پوری قوت سے کہا

''اور وہ جو......'' رابعہ نے کہنا چاہا تو اس نے پوچھا

''سرمد کو پتہ ہے کہ نہیں؟''

''نہیں، میں نے اسے پتہ لگنے ہی نہیں دیا۔'' وہ بولی تو آیت نے سکون کا سانس لیا۔ پھر چند لمحوں بعد بولی، ''ساری تفصیل تمہیں طاہر بتا دیتا ہے۔'' یہ کہتے ہوئے اس نے فون اسے تھما دیا۔ وہ آہستہ آہستہ اس واقعے کے بارے میں بتانے لگا۔ چند منٹ بات کرنے کے بعد اس نے فون بند کر کے جیب میں رکھ لیا۔ تبھی آیت نے اپنے لبوں پر زبردستی مسکراہٹ لاتے ہوئے پوچھا، ''کیسی جا رہی ہے الیکشن مہم؟''

''سب ٹھیک ہے، بس وہ......'' وہ کہتے کہتے رُک گیا۔ اس نے طاہر کے چہرے پر دیکھا، پھر منتشر لہجے میں پوچھا

''یہ کیا کہہ رہے ہو تم؟''

''کہا نا، سب ٹھیک چل رہا ہے، تم پریشان نہیں ہو۔'' طاہر نے گڑبڑاتے ہوئے کہا

''تم کچھ چھپانے کی کوشش کر رہے ہو؟'' اس نے پھر پوچھا

''نہیں، چاہوں بھی تو میں تم سے کچھ چھپا نہیں سکتا، میں تم سے جھوٹ نہیں بول سکتا۔'' وہ بولا

''تو پھر سچ کیا ہے؟'' اس نے پوچھا

''میرا اب الیکشن سے جی ہی اچاٹ ہو گیا ہے، مجھے یہ کھیل ہی نہیں کھیلنا۔'' اس نے اکتاہٹ سے کہا تو آیت چند لمحے خاموش رہی پھر سمجھاتے ہوئے بولی

''محض چند دن ہیں، تمہیں اپنی جیت کو اپنے بابا کی جھولی میں ڈالنا ہے، پھر جو دل چاہے کرنا، یہ وقت ایسا نہیں، جس سے فرار لیا جا سکے۔''

''تم ٹھیک کہتی ہو۔'' اس نے سر ہلاتے ہوئے کہا، پھر چند لمحے رک کر بولا، ''دادا جی نے فون کیا تھا۔ انہیں تمہارے بارے میں پتہ چل گیا ہے۔ میں نے انہیں تفصیل سے بتا دیا تھا۔''

''انہیں کہنا تھا کہ یہاں مت آئیں۔'' آیت نے کہا

''میں ہر گھنٹے، دو گھنٹے بعد انہیں تمہارے بارے میں بتا رہا ہوں۔ میں نے تو بہت کہا، اب وہ کیا کرتے ہیں، میں کچھ کہہ نہیں سکتا۔''

ان دونوں میں خاموشی آن ٹھہری۔ طاہر بہت ساری باتیں کرنا چاہتا تھا، لیکن کر نہیں پا رہا تھا۔ آیت بھی چاہتی تھی کہ یہی وقت ہے جب پوری طرح حوصلہ مند رکھا جائے۔ وہ اپنے اندر ہی اندر قوت جمع کرتے ہوئے لفظوں کی بھی چھان پھٹک کر رہی تھی کہ دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی۔ طاہر نے مڑ کر دیکھا پھر بے اختیار بولا

''بابا جی۔!''

اس کے ساتھ ہی سردار سکندر حیات اندر آ گیا۔ طاہر پیچھے ہٹ گیا۔ وہ آیت کے پاس چلا گیا۔ اس نے آیت کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے پوچھا

''اب کیسی طبعیت ہے بیٹی۔''

''میں بالکل ٹھیک ہوں۔'' یہ کہتے ہوئے اس کے ہونٹوں پر دھیمی سی مسکان آ گئی۔

''تمہارا بہت بڑا احسان ہے مجھ پر بیٹی، ساجد نے مجھے سارا واقعہ پوری تفصیل سے بتایا۔ دشمنوں نے تو پوری کوشش کی مگر ربّ ہی ہے جو بچانے والا ہے۔''

''جی۔'' وہ اتنا ہی کہہ سکی۔

''میں نے کل تمہیں صرف اسی لئے بلایا تھا کہ بتا سکوں۔ مجھے اطلاعات مل رہی تھیں کہ ایسا کچھ ہونے والا ہے۔ طاہر سے میں نے بات کی تھی لیکن میں تم سے بھی یہ بات کرنا چاہتا تھا۔''

''آپ بس طاہر کو بتا دیتے۔'' آیت نے کہا تو وہ تیزی سے بولا

''پہلے مجھے شک تھا، لیکن اس واقعہ کے بعد میں یہ فیصلہ کیا تھا کہ اسی وقت تمہارے سامنے آؤں گا جب تک ان حملہ آوروں کو تلاش نہ کر لوں۔''

''کون تھے وہ؟'' آیت نے پوچھا

''اس حملے کے پیچھے وہی لڑکی جویریہ ہے، جو طاہر کے ساتھ شادی کرنا چاہتی تھی۔ اس نے ہمارے مخالفین کے ساتھ مل کر یہ سازش کی، حملہ آور پکڑے گئے ہیں اور انہوں نے جویریہ کا نام لے دیا ہے۔ اب وہ لوگ اپنی بیٹی کا نام سامنے نہ لانے پر بہت سارے سمجھوتوں پر تیار ہیں۔'' اس نے تفصیل بتائی، آیت نے خاموشی سے سن لیا۔ اس نے کوئی تبصرہ نہیں کیا۔ تبھی سکندر حیات نے کہا، ''بیٹی، میں شرمندہ ہوں کہ میں بروقت حفاظت......''

''آپ ایسا نہ کہیں۔ یہ ہونا ہی تھا۔ آپ الیکشن مہم کا خیال رکھیں۔'' اس نے سکون سے کہا

''میں تمہارا احسان مند ہوں بیٹی۔ بس تم جلدی سے ٹھیک ہو جاؤ، الیکشن بھی دیکھ لیتے ہیں۔'' سکندر حیات نے کہا اور اس کے سر پر ہاتھ اٹھا کر واپس پلٹ گیا۔ طاہر وہیں اس کے پاس رہا۔ کتنے ہی لمحے یونہی بیت گئے۔ دونوں میں خاموشی آن ٹھہری تھی۔ آیت پر غنودگی طاری ہونے لگی تھی۔ وہ طاہر سے بہت کچھ کہنا چاہتی تھی مگر کہہ نہیں پا رہی تھی۔ بڑی مشکل سے اس نے کہا

''طاہر، تمہیں جیتنا ہے۔''

ایسا ہوتا ہے کہ بعض اوقات لفظ اتنی اہمیت نہیں رکھتے جتنا اثر لہجہ کرتا ہے۔ اس کے کہنے ہی میں کچھ اتنا کچھ تھا کہ طاہر کھلی آنکھوں سے اس کی طرف دیکھتا رہ گیا۔ آیت نے آنکھیں موند لیں۔

شام ڈھل گئی تھی جب اس نے آنکھیں کھولیں۔ اس کے پاس دادا بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کے چہرے پر افسردگی تھی۔ اسے اپنی جانب دیکھتا پا کر لپکے۔ اس سے پہلے وہ کچھ کہتے آیت نے نیند بھرے لہجے میں کہا

''دادو، پلیز تھوڑا سا ڈانٹ دیں۔ کتنے دن ہو گئے آپ کی ڈانٹ نہیں کھائی۔''

''میری بچی، میری جان، کوئی بھی جان بوجھ کر موت کو گلے نہیں لگاتا۔ ایسا قسمت میں تھا۔ اب مجھے بتاؤ کیسی ہو تم؟'' انہوں نے نرمی سے اس کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے پوچھا

''دادو میں بالکل ٹھیک ہو۔ بس یہ ڈاکٹر ہی مجھے یہاں سے جانے نہیں دے رہے۔ آپ انہیں کہیں کہ مجھے گھر بھیج دیں۔'' وہ لاڈ سے بولی

''میری بات ہوئی ہے ان سے بیٹا۔ ابھی ایک دو دن مزید ادھر رہو گی۔'' انہوں نے سمجھایا

''نہیں مجھے جانا ہے۔'' اس نے ضد کی

''یہاں تمہارا علاج ہو رہا ہے گھر کیوں جانا چاہتی ہو؟''

''اس لئے کہ آپ سارا دن ادھر رہیں گے۔ آپ تھک جائیں گے۔ آپ.....'' اس نے کہنا چاہا تو دادا نے مصنوعی خفگی سے کہا

''میں آج ہی واپس جانے والا ہوں۔ یہاں نہیں ٹھہرنا مجھے سمجھی۔'' انہوں نے مسکراتے ہوئے کہا پھر سنجیدگی سے بولے، ''کرتا ہوں بات ڈاکٹر سے۔ سارا انتظام گھر پر ہو جائے گا۔''

''یہ ٹھیک ہے۔'' آیت نے کہا اور سکون سے آنکھیں موند لیں۔ کیونکہ اسے پوری طرح یقین تھا کہ جب تک وہ لاہور واپس جانے کے قابل نہیں ہو جاتی، اس کے دادا وہیں رہیں گے۔

طاہر اپنی حویلی کے کاریڈور میں انتہائی مضطرب انداز سے ٹہل رہا تھا۔ یہ حویلی کا وہ حصہ تھا، جسے مردان خانہ کہتے تھے۔اس سے ذرا فاصلے پر زنان خانہ تھا، جو بالکل الگ تھلگ تھا۔ یہاں جمنے والی محفلوں کی آواز بھی زنان خانے میں نہیں جاتی تھی۔انہوں نے جو ڈیرہ بنایا ہوا تھا، وہ کافی فاصلے پر تھا۔شام ڈھل کر رات میں بدل چلی تھی۔ پورے حلقے میں ووٹوں کی گنتی شروع ہو چکی تھی۔اسے بالکل نہیں معلوم تھا کہ کہاں سے جیت ہو رہی ہے اور کہاں سے شکست ملی ہے۔اس کے لوگ الیکشن کیمپ میں بیٹھے یہ گنتی کر رہے ہوں گے۔مگر اُس وقت وہ ہار جیت سے بے نیاز مسلسل آیت ہی کے بارے میں سوچے چلا جا رہا تھا۔

جس دن اس کے بابا سکندر حیات ہسپتال میں جا کر آیت سے ملے تھے، اسی رات آیت نے طاہر سے وعدہ لیا تھا کہ جب تک الیکشن کے نتائج نہیں آجاتے، وہ اس سے نہیں ملے گا۔ وہ پوری توجہ اپنے الیکشن پر لگائے گا۔غرض اس سے نہیں کہ وہ جیتے گا یا ہارے گا، ایشو یہ ہے کہ وہ اپنی آیت کی وجہ سے الیکشن مہم پر توجہ نہیں دے رہا تھا۔ جبکہ یہی چند دن تھے جو اس کی جیت ہار کا فیصلہ کر دینے والے تھے۔آیت نے اسے سختی سے منع کر دیا تھا کہ وہ اس سے نہیں ملے گا۔ پہلے تو وہ بالکل نہیں مانا۔ وہ اُسے کیسے چھوڑ کر جا سکتا تھا۔آیت نے اس کی زندگی بچائی تھی۔ اگر فائر اس کی زندگی چاٹ جاتا تو کیا اب وہ الیکشن لڑ رہا ہوتا؟ مگر آیت نے اس سے وعدہ لیا تھا۔جب تک الیکشن کا نتیجہ نہیں آجاتا وہ اسے دیکھنے نہیں آئے گا۔طاہر کو یہ سب پتہ چلتا رہا کہ وہ کب ہسپتال سے شفٹ ہو کر بہاول پور والے گھر میں چلی گئی ہے۔کون سا ڈاکٹر اس کا علاج کر رہا ہے۔کون سی نرس کس وقت تک اس کے پاس رہتی ہے۔ یہاں تک کہ اس کے کھانے پینے کے بارے میں ساری معلومات تھیں۔اس کی دیکھ بھال کرنے والے بہت سارے لوگ تھے۔طاہر کی اماں اپنی دو ملازماؤں کے ساتھ وہاں اس کے پاس چلی گئی تھی۔ وہ دن بدن ٹھیک ہو رہی تھی۔دادا دو دن رہنے کے بعد واپس لاہور چلے گئے تھے۔اسے سب پتہ تھا لیکن وعدے کے مطابق وہ اس کے پاس نہیں جا سکتا تھا۔

الیکشن کا نتیجہ آنے میں چند گھنٹے رہ گئے تھے۔طاہر بار ہا اپنے اندر کو ٹٹول چکا تھا۔اس نے کئی بار خود سے سوال کیا تھا کہ اسے نتیجہ آنے کی بے چینی ہے یا آیت سے ملنے کی بے قراری؟ ہر بار یہی جواب آتا، بس جلد از جلد آیت سے ملنا ہے۔وہ مضطرب انداز میں ٹہل رہا تھا۔اس کے دل و دماغ پر صرف اور صرف آیت چھائی ہوئی تھی۔ ایسے میں اس کا فون بج اٹھا۔اس نے اسکرین پر دیکھا، ساجد کا نمبر تھا۔

’’ہاں بولو۔!‘‘اس نے پوچھا۔لہجے میں ارتعاش تھا، ساجد نے دبے دبے جوش سے کہا

’’ہم اچھی خاصی لیڈ سے جیت رہے ہیں۔دونوں سیٹوں پر۔‘‘

’’پورا نتیجہ کب آئے گا؟‘‘اس نے اکتاہٹ سے پوچھا تو وہ تیزی سے بولا

’’دونوں حلقوں سے آرہے ہیں، کچھ رہ گئے ہیں۔کچھ دیر میں وہ بھی آجائیں گے۔‘‘

’’یہ کسی طرح جلدی نہیں ہو سکتا؟‘‘اس نے مضطرب لہجے میں پوچھا

''یار تم پہلی بار الیکشن لڑ رہے ہو، آ رہے ہیں نتائج، اتنی بے صبری کیوں؟'' اس بار ساجد نے اپنی حیرت کا اظہار کر دیا تو اسے احساس ہوا کہ اس کا لہجہ عجیب سا ہو رہا ہے، تبھی جلدی سے بولا

''یار یہ سمجھو پہلی بار ہی ہے۔''

''ٹھیک ہے میں سمجھ رہا ہوں صورت حال کو، بس کچھ دیر اور۔'' اس نے دھیمے سے لہجے میں کہا اور فون بند کر دیا۔ تبھی طاہر اپنے سر کو جھٹکتے ہوئے بڑبڑایا

''خاک سمجھے گا تو میری صورت حال کو۔''

وہ کاریڈور سے نکل کر لان کی جانب چل پڑا۔ یہ حویلی کا وہ حصہ تھا، جہاں مکمل خاموشی تھی۔ اس کے بابا باہر ڈیرے پر موجود تھے۔ اماں اس وقت آیت کے پاس تھی۔ ملازم بھی مصروف تھے۔ وہ لان میں تنہا بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے ذہن پر صرف آیت سوار تھی۔

اگر آیت نہ ملتی تو وہ اب تک جویریہ سے شادی کر چکا ہوتا۔ یہ بھی کیسا اتفاق تھا، جس دن اس کے سامنے شادی کرنے کی خواہش آئی تھی، اسی دن آیت سے سامنا ہوا تھا۔ کہیں سے بھی اس نے متاثر نہیں کیا تھا۔ نہ اس کا حسن دل فریب تھا، نہ شخصیت پر کشش تھی، نہ رویے میں خوشگوار جاذبیت تھی۔ مگر پھر بھی وہ ایک عام سی لڑکی، اس کے ذہن پر اپنا نقش یوں چھوڑ گئی کہ وہ بھولنا بھی چاہتا تو نہ بھول سکتا تھا۔ دوبارہ ملنے سے پہلے اس کے گمان میں بھی نہیں تھا کہ وہ آیت کے لئے اتنا بے خود ہو جائے گا۔ اس نے بارہا اپنا تجزیہ کیا تھا کہ اگر وہ ایک دولت مند بزنس وویمن نہ ہوتی تو کیا پھر بھی وہ اس سے اس قدر قربت محسوس کرتا؟ ہر بار یہی جواب ملتا کہ وہ دولت کی وجہ سے نہیں اپنے کردار کے باعث اس کے من میں بس گئی ہے۔ اس کے دل میں جگہ بنی ہی اس لئے کہ وہ کردار کے اس مقام پر ہے، جہاں کسی کو اس نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ وہ ایسا کیوں نہیں دیکھ پایا تھا؟ اس کا ماحول ہی ایسا تھا، جہاں ظاہری چمک ہی کو سب کچھ گردانا جاتا ہے۔ جہاں کسی بھی انسان کو اس کی دولت اور قوت کے مطابق عزت و احترام دیا جاتا تھا۔ پھر زیادہ وقت نہیں گذرا تھا، آیت کی شخصیت کا ایک دوسرا پہلو اس کے سامنے وا ہو گیا۔ یہ پہلو بڑا ہی پر کشش تھا۔ وہ ایک نئی دنیا میں آن پہنچا۔ اسے احساس ہوا کہ زندگی میں خلوص، سچائی اور قربانی جیسے رویے نہ صرف اہمیت رکھتے ہیں بلکہ انسان کو انسان ہونے کے مقام پر بھی فائز کر دیتے ہیں۔ یہ تبدیلی کب اور کیسے آ گئی؟ اسے پتہ ہی نہ چلا۔ اپنائیت کے احساس سے بات قربت کی خواہش تک آن پہنچی تھی۔ یہ کون سی قوت تھی جس نے طویل مسافت کو کم سفر راستے میں بدل دیا تھا؟

خواہشیں ہی خواب کی بنیاد ہوا کرتی ہیں۔ خواہش جیسے مرضی کر لی جائے اور خواب جیسا چاہے دیکھ لیا جائے، اس پر پابندی نہیں ہے۔ اگر اس میں کہیں رکاوٹ پڑتی ہے تو انسان کی اپنی ہی سوچ ہوتی ہے۔ ورنہ یہی خواہشوں اور خوابوں کا تانا بانا ایک نیا جہان تخلیق کر دیتا ہے۔ انسان اپنی پسند کا جہان بنانا چاہتا ہے، جبکہ قدرت نے جہان بنا کر اس کے سامنے رکھ دیا۔ اپنی پسند کا اور قدرت کا عطا کردہ

جہان، یہیں کہیں کشمکش ہے۔ تسخیر اور مسخر کے اس کھیل میں نجانے کتنے انسانی رویوں کے رنگ اسی جہاں پر نقش ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ شاید اسی بارے کہا گیا ہے کہ تمہیں شعور نہیں۔

وہ اپنے طور پر بہت سارے فیصلے کر چکا تھا۔ یہ ارادہ تو اس نے کر لیا تھا کہ شادی اس نے آیت ہی سے کرنی ہے۔ اس کا اظہار اس نے آیت سے کر دیا تھا۔ اپنے عاشق ہونے کا دعویٰ بھی کر دیا۔ اس سب کے پیچھے پہلے پہل تو اپنے مرد ہونے، دولت مند ہونے، مقام و مرتبہ والے ہونے کا بڑا زعم تھا۔ مگر وقت کے ساتھ ساتھ اسے یہ پتہ چلتا گیا کہ آیت کے ہاں ان چیزوں کی نہ وقعت ہے اور نہ ہی کوئی اہمیت۔ ایسا کیوں ہے؟ اسی سوال نے آیت کی شخصیت کے دَر کھولے اور وہ نئی دنیا میں آن موجود ہوا۔ زندگی کے جن رنگوں پر طاہر کو مان تھا، وہ بے وقعت ہو گئے، اس نے ان رنگوں کو خود سے الگ کر کے پھینک دیا۔ یہ وہ مقام تھا جہاں اس کے اندر آیت کے رنگ میں رنگ جانے کی خواہش شدت سے پیدا ہو چکی تھی۔

فون کی آواز نے اسے خیالوں سے نکال باہر کیا۔ اسکرین پر ساجد کے نمبر جگمگا رہے تھے۔ اس نے کال رسیو کر لی۔

”ہاں بول۔“ اس نے اختصار ہی سے کہا تاہم اس سے بھی پہلے وہ بول اٹھا تھا

”مبارک ہو، دونوں سیٹیں جیت گئے ہیں۔ جلدی سے آجا ڈیرے پر۔“

”اچھا۔ آتا ہوں۔“ اس نے کہا تو ساجد نے حیرت سے پوچھا

”یہ تجھے ہوا کیا ہے، اتنی بڑی خبر سن کر بھی تجھے خوشی نہیں ہوئی؟“

”او ہوئی ہے خوشی، کیوں نہیں ہوئی۔“ اس نے تیزی سے کہا

”پر تمہارا لہجہ......او خیر تو ہے نا؟“ ساجد نے تشویش سے پوچھا

”خیر ہے، آ رہا ہوں۔“ اس نے کہا اور کسی نئے سوال سے بچنے کے لئے اس نے کال بند کر دی۔ وہ اٹھا اور تیز تیز قدموں سے پورچ کی سمت گیا، جہاں اس کی گاڑی کھڑی تھی۔ وہ اس میں سوار ہوا اور تیزی سے نکل پڑا۔

تقریباً آدھے گھنٹے میں وہ آیت کے گھر جا پہنچا۔ گیٹ پر کھڑے گارڈ نے فوراً ہی گیٹ کھول دیا۔ وہ گاڑی سیدھا پورچ میں لے گیا۔ چند لمحوں بعد وہ لاؤنج میں تھا۔ وہاں کوئی بھی دکھائی نہیں دیا۔ اس سے پہلے وہ اندر کسی کمرے کی طرف جانے کا فیصلہ کرتا۔ ایک ملازم تیزی سے اندر سے نکلا اور اس کے سامنے آ گیا۔ طاہر نے اس سے پوچھا

”یہ سب لوگ کہاں ہیں؟ آیت بی بی کدھر ہے؟“

”آیت بی بی چلی گئی ہیں نا لاہور، تو باقی بھی چلے گئے۔“ ملازم نے ادب سے کہا

”آیت چلی گئی؟“ اس نے پریشان ہوتے ہوئے پوچھا، پھر لحہ بھر رُک کر بولا، ”کیوں چلی گئی، کس کے ساتھ گئی، اماں کہاں

ہیں؟''اس نے حیرت بھرے لہجے میں ایک ساتھ کئی سوال کر دیئے۔اس پر ملازم ذرا سا گھبرا گیا۔لمحہ بھر کو رکا اور پھر دھیمے سے لہجے میں کہتا چلا گیا۔

''آیت بی بی چند گھنٹے پہلے شام کی فلائیٹ سے گئی ہیں۔انہیں ڈرائیور ائیر پورٹ لے گیا تھا۔وہ لاہور پہنچ گئی تو وہاں سے فون کر کے انہوں نے آپ کی والدہ کو بتایا، تب وہ بھی یہاں سے حویلی چلی گئی ہیں۔''

''اوہ۔!''اس کے منہ سے فقط اتنا ہی نکل سکا۔وہ کچھ ثانیے اسی شاک میں رہا۔اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ آیت اچانک کیوں چلی گئی۔پھر گئی بھی اس طرح کہ اسے پتہ بھی نہیں چلا۔اس نے اپنا سیل فون نکالا، اس نے آیت کا سیل فون نمبر ملانا چاہا لیکن 'خاموشی' پر لگے ہوئے فون پر کالیں آ رہی تھیں۔جیسے ہی ایک کال خاموش ہوئی اس نے کال ملائی۔دوسری طرف سے آیت کا نمبر بند تھا، وہ جھنجلا گیا۔کچھ دیر تک اسے سمجھ ہی نہ آ سکا کہ وہ کیا کرے۔وہ قریب پڑے صوفے پر ڈھے سا گیا۔

❀.......❀.......❀

کھڑکی میں سے صبح کی روشنی جھانک رہی تھی۔باہر نیلگوں روشنی پھیلی ہوئی تھی۔گھر میں مکمل خاموشی تھی۔پرندوں کا شور ہوا کے جھونکے کی طرح اندر آ کر ایک نئے دن کی نوید دے رہا تھا۔کمرے میں سفید بلب روشن تھا۔جس کی دھیمی روشنی میں آیت جائے نماز پر بیٹھی تھی۔اس نے سفید چادر اوڑھی ہوئی تھی۔اس کی بند آنکھیں اور ہلتے لب یہ احساس دے رہے تھے کہ وہ پورے جذب سے ذکر میں مشغول ہے۔کچھ دیر بعد وہ اٹھی اور جائے نماز تہہ کر کے سائیڈ ٹیبل پر رکھی۔

وہ اپنی عادت کے مطابق اس وقت واک پر نہیں جا سکتی تھی۔اس لئے لان میں چہل قدمی کی خاطر وہ اپنے کمرے سے نکلی اور لاؤنج پار کر کے پورچ میں آ گئی۔وہاں کاریڈور میں اُسے دادا نظر نہیں آئے۔اس نے سوچا ممکن ہے وہ ابھی باہر ہی نہ آئے ہوں۔یہی سوچتے ہوئے وہ کسی ملازم کو دیکھ رہی تھی۔ایسے ہی وقت میں گیٹ پر ایک کار آن رُکی۔اس کی توجہ گیٹ پر گئی۔وہاں کھڑے گارڈ نے باہر دیکھا اور پھر گیٹ کھول دیا۔اگلے چند لمحوں میں طاہر کی کار اسے اندر آتے ہوئے دکھائی دی۔آیت نے ایک طویل سانس لیا اور واپس پلٹ کر کاریڈور میں پڑی کرسیوں میں سے ایک پر بیٹھ گئی۔طاہر نے کار پورچ میں روک دی۔وہ کار سے نکل کر اندر جانے کے لئے داخلی دروازے کی جانب بڑھا تو اس کی نگاہ آیت پر پڑی۔وہ رکا اور پھر تیزی سے سیدھا اس کی طرف آ گیا۔وہ شاکی نگاہوں سے اس کی جانب دیکھ رہا تھا۔قریب آ کر اس نے سلام کیا۔آیت نے جواب دیا تو مضطرب سا دائیں جانب پڑی کرسی پر بیٹھتے ہوئے غصے، پریشانی اور بے چارگی کے ملے جلے لہجے میں بولا

''کیوں آ گئی ہو وہاں سے؟''

وہ ہلکا سا مسکرائی، پھر اس کی طرف دیکھ کر بڑے پرسکون لہجے میں بولی

''میں جس مقصد کے لئے وہاں گئی تھی وہ پورا ہو گیا تو پلٹ آئی۔''

''یوں اچانک، مجھے ملے بغیر......''اس نے پھر حیرت سے پوچھا تو وہ بات کاٹتے ہوئے بولی

''اس میں اتنا حیران کی کیا بات ہے؟''

''تم نے رزلٹ کا بھی انتظار نہیں کیا، اور پھر اس حالت میں جب کہ تم سفر نہیں کر سکتی تھی۔''اس نے یوں پوچھا جیسے آیت نے بہت بڑی غلطی کر لی ہو۔ اس پر وہ کچھ نہ بولی، پھر چند ثانئے بعد بولی

''کامیابی مبارک ہو۔''

''یہ میری کامیابی نہیں ہے، میں نہیں مانتا اسے۔''اس نے پھٹتے ہوئے کہا

''ایسے نہ کہو، پتہ نہیں کتنے لوگوں کی امیدیں تم سے وابستہ ہو گئی ہوں گی۔ تمہیں ربّ تعالیٰ نے خدمت خلق کا ایک بہترین موقع دیا ہے۔ اب جتنا کسی کے کام آسکتے ہو، آؤ۔'' وہ اسے سمجھاتے ہوئے بولی

''مجھے ایسی کسی کامیابی کی ضرورت نہیں جس سے میرے اپنے ہی مجھ سے دور ہو جائیں۔ تمہارے اس رویے کو میں کیا سمجھوں، میں تم سے ملنے کے لئے لمحہ لمحہ انتظار کر رہا تھا، کچھ دیر میری خاطر ہی رک جاتیں۔ آخر ایسی کیا جلدی تھی، تم نے ذرا سا بھی وقت نہیں ٹھہری اور فوراً واپس پلٹ آئی؟''اس کی تان وہیں آکر ٹوٹی تو وہ چند لمحے اسے دیکھتی رہی پھر سکون سے بولی

''صرف یہ پیغام دینے کے لئے کہ میں نے جو وعدہ کیا ہے، وہی نبھا رہی ہوں، اس سے ہٹ کر مجھے کوئی دوسرا تعلق نہیں نبھانا اور نہ ہی مجھے اس کی ضرورت ہے۔''

''میں سمجھا نہیں۔''اس نے حیرت اور تشویش سے پوچھا، پھر لمحے سوچتے رہنے کے بعد بولا،''تم جو بھی سمجھو، کسی بھی تعلق رشتے سے انکار کرو، کوئی نام دو یا نہیں لیکن میں تم سے تعلق رکھنا چاہتا ہوں۔''

''یہ تعلق بھی......''اس نے کچھ کہنا چاہا، پھر رُک گئی اور بولی،''خیر۔ ! چھوڑو ان باتوں کو۔ جاؤ فریش ہو جاؤ، پھر ناشتہ کرتے ہیں۔''

''یہ میری بات کا جواب نہیں ہے۔''اس نے ہٹ دھرمی سے کہا

''اچھا جاؤ فریش ہو جاؤ، پھر باتیں بھی ہو جائیں گی۔'' آیت نے دھیمے سے کہا

''جب تک مجھے مطمئن نہیں کرو گی تب تک میں یہاں سے ٹلنے والا نہیں۔'' وہ ضدی لہجے میں بولا

''تم چھوٹے بچے نہیں ہو جو میری بات کو نہیں سمجھ رہے ہو۔ کھانا جاؤ، فریش ہو جاؤ پھر......''اس نے کہنا چاہا تو وہ بات کاٹتے ہوئے شکوہ بھرے لہجے میں بولا

''کیا تم میری حالت کو سمجھ نہیں رہی ہو۔ میں نے جو ایک ایک پل کاٹا تمہارے بغیر، تم نے کہا مجھے رزلٹ کے بعد ملنا، میں نے

مان لیا، کم از کم اسی بات پر پابند رہتی۔"

"میں پھر کہوں گی، مجھے ضرورت نہیں۔" اس بار آیت نے کافی حد تک سختی سے کہا تو اس نے شا کی نگاہوں سے آیت کی طرف دیکھا اور کئی لمحوں تک بے یقینی کی سی کیفیت میں اس کی طرف دیکھتا رہا، جیسے اسکی بات وہ سمجھ ہی نہ پا رہا ہو۔ اس سے پہلے وہ کوئی بات کہتا، اندر سے دادا آ گئے۔ وہ اسے یوں دیکھ کر حیرت اور خوشی کی ملے جلے لہجے میں بولے

"ارے طاہر تم۔! اس وقت یہاں، خیریت تو ہے نا؟"

"جی خیریت ہے۔" اس نے زبردستی مسکراتے ہوئے کہا اور ہاتھ بڑھا کر ان کے ساتھ مصافحہ کرتے ہوئے سلام کہا، وہ سلام کا جواب دے کر بولے

"تمہیں تو اس وقت وہاں ہونا چاہئے تھا، لگتا ہے رات بھر سفر کرتے رہے ہو؟" وہ اسے سر سے پاؤں تک دیکھتے ہوئے پوچھا

"جی، میں دراصل پریشان ہو گیا تھا، یہ آیت بنا بتائے یوں اچانک ......" طاہر نے کہنا چاہا تو دادا کھلکھلا کر ہنس دیئے، پھر مسکراتے ہوئے بولے

"اس کا مطلب ہے تم ابھی آیت کو سمجھ نہیں پائے ہو، خیر آؤ، فریش ہو جاؤ، پھر باتیں کرتے ہیں۔" انہوں نے اشارہ کرتے ہوئے کہا

طاہر اس کی طرف کن اکھیوں سے دیکھتا ہوا دادا کے ساتھ اندر کی طرف چلا گیا۔ وہ پر سکون بیٹھی اس کی طرف دیکھتی چلی جا رہی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ اس وقت طاہر کے من میں کیسے کیسے طوفان اور بگولے اٹھ رہے ہوں گے۔ اس کی الجھی ہوئی سوچوں میں کوئی بھی سرا اسے نہیں مل رہا ہوگا۔ اس کے رویئے پر طاہر کس طرح مضطرب ہوگا۔ وہ اس کی بے چینی کا اندازہ اسی وقت کر چکی تھی، جب وہ تھوڑی دیر پہلے اس کے سامنے آن پہنچا تھا۔ پریشان، مضطرب، الجھا ہوا بے چین، جیسے اپنی کامیابی کا نشہ نہیں تھا، بلکہ اس کی بے رخی پر فکر مند تھا۔ طاہر کی حالت سمندر میں موجود لہروں کی مانند تھی۔ جس میں جوش آتا تو وہ بپھر جاتیں۔ ساحل سے سر پٹختیں اور پھر واپس پلٹ کر دوبارہ اسی جوش سے ساحل کی طرف لپکتیں۔ جبکہ اس کی اپنی حالت ایک پر سکون سمندر کی مانند تھی۔ جو لہروں کی شوریدہ سری سے واقف تھی۔

آیت ان کیفیات سے گذر چکی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ عشق جب من میں سماتا ہے تو من میں ایک جنگ چھڑ جاتی ہے۔ خش و خاشاک جل اٹھتے ہیں۔ جس کا دھواں اور تپش بے چین کر دیتا ہے۔ من میں عشق کے نزول کے ساتھ ہی دیکھنے والی نگاہ ہی بدل جاتی ہے۔ مشاہدات کی ایک نئی دنیا سامنے ہوتی ہے۔ یہ انسانی فطرت ہے کہ جب وہ کوئی نئی چیز دیکھتا ہے تو حیرت میں گم ہو جاتا ہے۔ وہ لاشعوری طور پر اسے سمجھ رہا ہوتا کہ سامنے کا منظر کیوں ہے اور کیسے ہے؟ جب اسے سمجھ آ جاتی ہے تو وہ پر سکون ہو جاتا ہے۔ یہی حال انسان کے اندر کی کیفیات کا ہے۔ عشق کے در آتے ہی ماحول ہی بدل جاتا ہے۔ کیفیات کی اٹھان میں اور سوچوں کے انداز میں تبدیلی سے نگاہ ہی

بدل جاتی ہے۔انسان اسے سمجھنے میں کبھی الجھتا ہے، کبھی سمجھتا ہے اور کبھی نتیجہ اخذ کرتا ہے، ایک نئی دنیا آباد ہوتی ہے۔مشاہدات کا در کھلتا ہے تو جہانِ حیرت وَا ہوتا ہے۔پھر جس طرح وہ شعوری اور لاشعوری طور پر سمجھتا ہے، منظر واضح ہوتے جاتے ہیں۔تب عشق راز کھولتا جاتا ہے۔

وہ طاہر کی جذباتی کیفیت کو سمجھ رہی تھی۔اگرچہ عشق نے اس کے من میں بسیرا کر لیا تھا لیکن ابھی بڑے سارے خش و خاشاک تھے۔اَنا کا محل، چاہے جانے کی راستے، خواہشوں کے باغ، تمناؤں کی فصلیں، اسٹیٹس کا موسم، خود غرضی کا ماحول، امارت کے شجر، لالچ کی چراگاہیں، نفرتوں کے پہاڑ، ابھی من کی وادی میں موجود تھے۔عشق تو ''ہو'' کا عالم چاہتا ہے۔سب کچھ ہونے کے باوجود، کچھ بھی نہیں، بس ایک ہدف، جو عاشق کی نگاہوں کا مرکز ہوتا ہے۔وہی عالم جہاں عاشق خود معشوق ہو جاتا ہے۔یہیں سے انسانیت کے راز کھلتے ہیں۔ طاہر کے من میں عشق آ گیا تو اس کا وجود ہلچل میں تھا۔اب اسے کیسے سنبھالنا ہے، یہ وہ خوب جانتی تھی۔

❁......❁......❁

ناشتے کی میز پر دادا بھی تھے۔وہ طاہر سے اس کی کامیابی کے مختلف پہلوؤں پر بات کرتے رہے۔سیاسی معاملات بھی زیرِ بحث آئے۔اسی دوران آیت اٹھ گئی تھی۔یوں آیت سے طاہر کی کوئی بات نہیں ہو سکی۔ناشتہ ختم کر کے طاہر نے آیت سے ملنا چاہا۔وہ اسے نہ لاؤنج میں دکھائی دی نہ باہر نظر آئی۔ایسے میں ایک ملازم اس کے پاس آ کر بولا

''صاحب، آپ کے لئے کمرہ تیار ہے، آپ آرام کر لیں۔''

''میرے لئے کمرہ تیار کرنے کے بارے میں تمہیں کس نے کہا؟'' اس نے تیزی سے پوچھا

''آیت بی بی نے۔'' ملازم نے دھیمے لہجے میں جواب دیا

''کہاں ہیں وہ؟'' اس نے پھر تیزی سے ہی پوچھا

''وہ تو ابھی کچھ دیر پہلے فارم ہاؤس چلی گئی ہیں۔'' اس نے پھر اسی دھیمے لہجے میں بتایا

''فارم ہاؤس۔!!!'' وہ جھنجھلاتے ہوئے بڑبڑایا

''جی۔'' ملازم نے کہا تو وہ خاموش ہو گیا،

''کچھ اور کہا انہوں نے؟'' اس نے ایک موہوم سی امید سے پوچھا

''انہوں نے جاتے ہوئے آپ کے لئے پیغام دیا تھا۔'' ملازم بولا

''کیسا پیغام؟'' اس نے تیزی سے پوچھا

''یہی کہ آپ آرام کر کے جائیں یا اگر فوراً واپس جانا چاہتے ہیں تو ساتھ میں ڈرائیور کو لازماً لے کر جائیں۔'' ملازم نے پیغام دیا تو وہ سن کر کچھ لمحات کے لئے ساکت ہو گیا۔

اسے سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ آیت کا ایسا رویہ کیوں ہو گیا ہے؟ نہ ہی اسے یہ سوجھ رہا تھا کہ وہ کیا کرے؟ اس کے پیچھے فارم ہاؤس جائے، اس کا انتظار کرے یا پھر یہاں سے واپس چلا جائے؟ کیا کرے؟ اسے یہ پختہ یقین ہو گیا تھا کہ آیت اس سے بات نہیں کرنا چاہتی، ورنہ وہ یہیں رہتی، فارم ہاؤس نہ جاتی۔ اگر وہ اُس کے پیچھے بھی جاتا ہے تو اس نے بات نہیں کرنی۔ ممکن ہے وہ مزید ناراض ہو جائے۔ ابھی اس کا ملنا محال تھا۔ اس کا دماغ اسے بار بار یہی سمجھائے چلا جا رہا تھا کہ ابھی وہ اس سے مل نہیں پائے گا، لیکن دل اصرار کر رہا تھا اس کے پاس جائے، اس طرح کے رویئے کے بارے میں آیت سے بات تو کرے۔ اسے معلوم تو ہو، وہ کیوں ایسا کر رہی ہے؟ اسے کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ اسے یہ بھی احساس نہیں رہا کہ ملازم اس کے جواب کے انتظار میں ہے۔ کچھ دیر بعد اس نے ملازم کی طرف دیکھا، پھر ایک لمبی سانس لے کر بولا

''ڈرائیور کو بھیجو، مجھے واپس جانا ہے۔''

''جی اچھا'' ملازم نے کہا اور پلٹ گیا۔

طاہر کے اندر مایوسیوں کے بادل اٹھنے لگے تھے۔

❁ ❁ ❁

سردار سکندر حیات کی حویلی اور ڈیرے کی وہی رونق بحال ہو گئی تھی جو الیکشن سیٹ چھن جانے سے پہلے تھیں۔ الیکشن میں کامیابی کے جشن منائے جا چکے تھے۔ یہ فیصلہ ہو چکا تھا کہ چھوٹی سیٹ چھوڑ کر بڑی سیٹ رکھنی ہے۔ جس سے سیاسی حلقوں میں یہ سوال اٹھ گیا تھا کہ چھوٹی نشست کے لئے کس کا انتخاب ہوتا ہے۔ سردار سکندر حیات کس پر ہاتھ رکھتا ہے؟ بلاشبہ اسی نے آنے والا ضمنی الیکشن جیت جانا تھا۔ اسی لئے سیاسی لوگ ان سے زیادہ قربت کا اظہار کرنے لگے تھے۔ سردار سکندر حیات کو وہ سب کچھ مل گیا تھا، جس کی اسے تمنا تھی۔ وہ بہت خوش تھا۔ اپنی ناک بچانے کے لئے اس نے کیا کرنا تھا، یہ بھی اس نے سوچ لیا تھا۔ لیکن اس سیاست کی دنیا سے ہٹ کر بھی اس نے بہت سوچا تھا۔

اس دوپہر سردار سکندر حیات اپنی بیگم، بلقیس کے ساتھ گول کمرے میں بیٹھا ہوا تھا۔ دونوں کے درمیان خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ انہوں نے آج طاہر سے بات کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ اس لئے طاہر کو بھی بلوایا تھا لیکن اسلام آباد سے اچانک آنے والے کچھ لوگوں کے ساتھ مصروف ہو گیا تھا۔ اب جیسے ہی انہیں اطلاع ملی کہ وہ ڈیرے سے نکل پڑا ہے، وہ اسی کے انتظار میں بیٹھ ہوئے تھے۔ زیادہ وقت نہیں گزرا تھا کہ وہ گول کمرے میں آن موجود ہوا۔ وہ سلام کر کے ایک طرف صوفے پر بیٹھ گیا تو سردار سکندر حیات نے اس کی جانب دیکھتے ہوئے کہا

''بیٹا۔! میں مجھے یہ تسلیم کرنے میں کوئی عار نہیں کہ میں تمہاری شادی انعام الحق کی بیٹی جویریہ سے کرنے کے معاملے میں غلطی پر

تھا۔ میں نے اسے محض سیاسی انداز میں دیکھا، تمہارے جذبات کو نہیں سمجھا۔“

”کوئی بات نہیں بابا، وقت نے ثابت کر دیا، اب اس کا ذکر کیا کرنا۔“ طاہر نے پرسکون اور مودب لہجے میں کہا تو سکندر حیات بولا

”یہ ذکر اس لئے بیٹا کہ ہم تمہاری شادی کرنا چاہتے ہیں۔ میں نے اور تمہاری اماں نے اس سلسلے میں ایک دوسرے سے بات کی ہے۔ لیکن کسی بھی فیصلے سے پہلے ہم چاہتے ہیں کہ تمہاری رائے ضرور لے لی جائے۔“ سکندر حیات نے ہلکے ہلکے مسکراتے ہوئے سکون سے کہا

”کیسی رائے بابا؟“

”یہی کہ اگر تمہاری کوئی پسند ہے تو ہمیں بتا دو۔ یا پھر ہم کوئی فیصلہ کر لیں۔“ سکندر حیات نے کہا تو اس نے اپنی اماں کی جانب دیکھا۔ تبھی وہ سنجیدہ انداز میں بولیں

”دیکھو، ہم تیرے والدین ہیں، تمہارا بھلا چاہیں گے، میں نے محسوس کیا ہے کہ آیت النساء تم سے کتنی محبت کرتی ہے۔ جو بندہ کسی کے لئے جان تک دینے کو تیار ہو جائے۔ اس کی محبت میں کوئی شک نہیں رہ جاتا، مجھے یہ بھی یقین ہے کہ تم بھی اسے پسند کرتے ہو۔ تو کیا ہم ان سے بات کریں؟“

”بلاشبہ آپ آیت کے دادا جی سے بات کر سکتے ہیں۔ لیکن......“ اس نے کہنا چاہا تو سکندر حیات نے حیرت سے اس کی بات کاٹتے ہوئے پوچھا

”لیکن کیا، کوئی مسئلہ ہے؟“

”نہیں مسئلہ نہیں، میں کہنا یہ چاہ رہا ہوں کہ اگر وہ انکار کر دیں، یا کوئی بھی صورت انکار والی ہو تو آپ نے اُسے اَنا کا مسئلہ نہیں بنانا۔ جوان کی مرضی ہوگی، وہی کرنا ہوگا۔“ طاہر نے مودب لہجے میں بتایا تو سکندر حیات سوچ میں پڑ گیا۔ لیکن اس کی اماں بولیں

”بیٹا، کیا انکار کی بھی کوئی صورت ہو سکتی ہے۔ جبکہ وہ تو......“ وہ کہتے کہتے رُک گئیں۔

”اصل بات کیا ہے؟“ سکندر حیات نے پوچھا

”سچ بتاؤں بابا، میں بھی نہیں جانتا، بس آپ کسی بات کا برا نہیں مانیں گے۔“ طاہر نے دھیمی سی آواز میں کہا تو اس کی اماں بولیں

”بیٹا، ان سے کوئی بات ہو گئی ہے، میرا مطلب وہ تو......“

”کوئی بات نہیں ہوئی۔ آپ پریشان مت ہوں۔ ویسے کب جانا چاہ رہے ہیں آپ؟“ اس نے بات کو دوسرا رُخ دینے کی کوشش کی۔ اس پر سکندر حیات نے کہا

”بس ابھی تھوڑی دیر بعد، شام کی فلائیٹ سے۔“

”اوہ، ٹھیک ہے۔“ اس نے کہا تو اماں نے حتمی لہجے میں پوچھا

''تو پھر ہم کریں بات؟''

''آپ نے فیصلہ کرلیا ہے تو......ٹھیک ہے۔'' اس نے کہا تو اس کے بابا اور اماں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا، جیسے انہیں طاہر کے رویئے کی سمجھ نہ آ رہی ہو۔ان کے درمیان خاموشی در آئی۔ تبھی طاہر کا فون بج اٹھا۔اس نے اسکرین پر دیکھا اور بابا سے بولا،''مزید کوئی بات بابا، وہ ڈیرے پر......''

''ہاں ہاں ٹھیک ہے تم جاؤ۔'' سکندر حیات نے اسے جانے کی اجازت دے دی۔ وہ اٹھ کر چلا گیا تو بلقیس بیگم نے تشویش زدہ لہجے میں کہا

''سردار صاحب، ہو نہ ہو کوئی بات ضرور ہے، اس کا رویہ دیکھا آپ نے؟''

''بات تو ٹھیک ہے تمہاری، لیکن حالات کچھ اور کہہ رہے ہیں۔'' انہوں نے سوچتے ہوئے کہا

''تو پھر کیا کہتے ہیں آپ؟'' بلقیس بیگم نے پوچھا

''چلتے ہیں، بات کرتے ہیں، یوں خاموشی سے بیٹھنا بھی میرے خیال میں مناسب نہیں۔ اگر کوئی ایسی بات ہوئی تو سامنے آ جائے گی۔'' انہوں نے سوچتے ہوئے کہا

''ٹھیک ہے، جیسا آپ کہیں۔'' وہ اٹھتے ہوئے بولیں تو سکندر حیات سوچ میں پڑ گیا۔

شام ڈھل کر رات میں بدل چکی تھی، جب وہ آیت النساء کے ہاں پہنچے۔ دادا ان کے منتظر تھے۔ وہ لاؤنج میں بیٹھنے اور کافی دیر تک ادھر اُدھر کی باتیں کر لینے کے بعد بلقیس بیگم نے پوچھا

''آیت کہاں ہے؟''

''وہ ایک میٹنگ میں ہے، کچھ دیر تک آ جائے گی۔'' دادا نے مسکراتے ہوئے بتایا

''ویسے ہمت ہے آیت بیٹی کی، اتنا بڑا بزنس سنبھالتی ہے۔'' سکندر حیات نے تبصرہ کیا

''ہاں، پہلے پہل میں نے اس پر اعتماد نہیں کیا، لیکن جب اس نے اپنا بزنس شروع کیا اور کامیابی سے چلا بھی لیا تو پھر میں نے سب کچھ اسے سونپ دیا۔'' انہوں نے بتایا

''یہ سب کیسے کر لیتی ہے وہ؟'' بلقیس بیگم نے حیرت سے پوچھا

''یہ تو وہی جانتی ہے۔ نجانے کیسی قوت ہے اس کے پاس۔'' انہوں نے اسی مسکراہٹ سے جواب دیا، پھر لحہ بھر خاموشی کے بعد بولے، ''آئیں، ڈنر لیتے ہیں۔''

''ارے، آیت کو تو آ جانے دیں۔'' بلقیس بیگم نے حیرت سے کہا تو وہ بولے

’’مجھے پتہ ہے وہ ابھی نہیں آنے والی، اسے دیر ہو جائے گی۔‘‘

’’چلیں کچھ دیر انتظار کر لیتے ہیں۔ ممکن ہے وہ تب تک آ جائے، ہم اتنی دیر میں آپ سے بات کر لیتے ہیں۔‘‘ سکندر حیات نے سنجیدگی سے کہا

’’کیسی بات؟‘‘ دادا نے پوچھا

’’وہی جس کے لئے ہم آج خاص طور پر آئے ہیں۔‘‘ اس بار بلقیس بیگم بولیں

’’جی فرمائیں۔‘‘ دادا نے ان دونوں کی طرف دیکھ کر کہا

’’دیکھیں، تمہید باندھنے میں اور پھر اس کے بعد جا کر بات کہنے میں خاصی دیر ہو جائے گی، میں تو سیدھے سبھاؤ آپ سے یہی عرض کرنے آئے ہیں کہ آیت کو ہمارے گھر کی عزت بنا دیں۔‘‘

’’مطلب طاہر کے لئے۔‘‘ بلقیس بیگم نے جلدی سے تصحیح کر دی

’’جس دن طاہر کو بچاتے ہوئے فائر اسے لگا تھا، میں اسی دن سمجھ گیا تھا کہ بہت جلد آپ لوگ اسی سلسلے میں یہاں آنے والے ہیں۔ میں اسی لئے بھی جلدی وہاں سے آ گیا تھا کہ بہن جی نے اسے سنبھال لیا تھا۔ لیکن......‘‘

’’لیکن کیا......؟‘‘ سکندر حیات نے تیزی سے پوچھا

’’ایسی کوئی بات نہیں، مطلب مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔ لیکن بس ایک بار مجھے آیت سے پوچھنا ہے۔‘‘ وہ سکون سے بولے

’’بے شک، زندگی بچوں نے گزارنی ہے۔ ان سے تو پوچھنا ہی ہوگا۔ یہ بھی انہوں نے ہی طے کرنا ہے کہ وہ زندگی کیسے گزاریں گے۔‘‘ سکندر حیات نے کہا

’’بالکل، وہی آپس میں طے کر لیں۔‘‘ دادا نے حتمی لہجے میں کہا

’’ہمیں یہ حق انہیں دینا چاہئے۔‘‘ سکندر حیات نے اس کی تائید کی تو بلقیس بیگم نے پہلو بدلتے ہوئے کہا

’’آپ فون کریں نا آیت کو، اسے بتائیں کہ ہم آئیں ہیں۔‘‘

’’میں نے بتایا تھا اسے، جیسے ہی وہ وہاں سے فری ہوئی، آ جائے گی۔‘‘ دادا نے کافی حد تک دھیمے لہجے میں کہا

’’اچھا کچھ دیر مزید انتظار کرتے ہیں۔‘‘ بلقیس بیگم نے کہا تو ان کے درمیان الیکشن اور اس کے بعد ہونے والی صورت حال کے بارے میں باتیں ہونے لگیں۔ زیادہ وقت نہیں گزرا تھا کہ آیت بھی آ گئی۔ وہ بڑے تپاک اور خوش دلی سے ملی۔ پھر بلقیس بیگم کے پاس بیٹھتے ہوئے بولی

’’سوری مجھے دیر ہو گئی۔ دراصل یا تو مجھے جانا پڑتا یا پھر دادو کو، وہ بڑی اہم میٹنگ تھی۔‘‘

"تو بیٹا، حالات اور وقت تو ایک جیسے نہیں رہتے، زندگی صرف بزنس تو نہیں ہے۔" بلقیس بیگم نے پیار سے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا

"آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں۔لیکن یہ تو کرنا ہے نا۔" وہ مسکراتے ہوئے بولی

"یہ باتیں تو ہوتی رہیں گی، چلیں ڈنر کے لئے۔" دادا نے اٹھتے ہوئے کہا تو سبھی اٹھ گئے۔

ڈنر سے کچھ دیر بعد ہی سکندر حیات اور اس کی بلقیس بیگم چلے گئے۔آیت تھکی ہوئی تھی، سو وہ اپنے کمرے میں جا پہنچی۔

اگلی صبح وہ چہل قدمی کے لئے لان میں گئی تو دادا پہلے ہی سے وہاں موجود تھے۔وہ چھوٹے چھوٹے قدموں سے لان میں پھر رہے تھے۔اس دیکھ کر بڑھ آئے۔قریب پہنچ کر بولے

"آج موسم خاصا خوشگوار ہو رہا ہے۔"

"جی دادو، موسم بدل رہا ہے نا، اس لئے یہ ٹھنڈی ہوا اچھی لگ رہی ہے۔" اس نے آسمان کی طرف دیکھ کر کہا جہاں اودھے رنگ کے بادل ٹکڑیوں میں پھیلے ہوئے تھے جبکہ ابھرتے ہوئے سورج کی روشنی میں وہ کافی حد تک بسنتی رنگ کے ہو رہے تھے۔

"ہاں بیٹا۔! اب موسم بدل ہی جانا چاہئے، جیسے زندگی میں ٹھہرا ہوا ایک ہی موسم اچھا نہیں ہوتا۔" دادا نے کہا تو اس نے سر جھکا لیا۔وہ سمجھ رہی تھی کہ ہو کیا کہنا چاہ رہے ہیں۔وہ خاموش رہی۔تو چند لمحے انتظار کرنے کے بعد بولے "پتہ ہے رات سردار صاحب اور ان کی بیگم کیوں آئے تھے؟"

"کیوں آئے تھے؟" اس نے انجان بنتے ہوئے پوچھا

"وہ تمہاری بات کرنے آئے تھے طاہر کے لئے۔" انہوں نے دھیمے سے لہجے میں بتایا

"تو پھر......؟" اس نے پوچھا

"میں نے تو ہاں تب کرنی تھی، جب تم سے پوچھ لیتا۔اب تم بتا دو۔" اس بار دادا کا لہجہ کافی حد تک جذباتی ہو گیا تھا۔ان کے گمان میں یہی تھا کہ آیت ہاں کر دے گی۔وہ ابھی سے اس کے وداع کر دینے کے احساس سے مغلوب ہو گئے تھے۔آیت کچھ دیر تک دادا کی طرف دیکھتی رہی، پھر ہلکے سے مسکراتے ہوئے بولی

"دادو۔! آپ کو یہ لوگ لالچی نہیں لگے؟"

"نہیں، بالکل بھی نہیں۔" انہوں نے مسکراتے ہوئے کہا

"ایسا کیوں لگا آپ کو؟" وہ نرم لہجے میں بولی

"کیونکہ انہوں نے سب کچھ تم پر چھوڑ دیا کہ جیسا تم چاہو، میرا خیال ہے وہ تم سے ذہنی طور پر مغلوب ہو گئے ہیں۔" دادا نے

مسکراتے ہوئے کہا تو خود کلامی کے سے انداز میں بولی

''ہاں، یہ انسانی فطرت ہے کہ وہ جسے طاقتور سمجھتا ہے، اس کے آگے جھک جاتا ہے۔''

''تم بتاؤ، کیا کہتی ہو۔'' دادا نے جلدی سے پوچھا، انہیں لگا کہ شاید وہ بات بدل دینا چاہتی ہے۔

''میں نے کیا بتانا، وقت خود فیصلہ کر دے گا۔'' وہ ہنستے ہوئے بولی

''میں سمجھا نہیں؟'' انہوں تشویش سے پوچھا

''دادو، بس چند دن، میں بتا دوں گی۔ آپ فکر مند نہ ہوں۔'' وہ عام سے انداز میں بولی تو دادا کے چہرے پر ایک رنگ آ کر گزر گیا۔ وہ توقع نہیں کر رہے تھے کہ آیت کا رویہ ایسا ہوگا۔ وہ کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد سمجھانے والے انداز میں بولے

''بیٹا، کچھ فیصلے ایسے ہوتے ہیں، جو بہت سنجیدگی میں کئے جاتے ہیں، ان میں مذاق کی بالکل گنجائش نہیں ہوتی۔''

''میں کب مذاق کر رہی ہوں، میں بالکل سنجیدہ ہوں۔ بس چند دن، میں بتا دوں گی آپ کو۔'' اس نے مسکراتے ہوئے کہا تو دادا ایک دم سے خاموش ہو گئے۔ وہ مزید کچھ نہ کہہ پائے۔ انہوں نے آیت کی طرف دیکھا اور چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتے ہوئے اندر کی جانب چل دیئے۔ وہ انہیں جاتا ہوا دیکھتی رہی۔

❁ ...... ❁ ...... ❁

وہ ایک روشن دن تھا۔ آیت اپنے آفس پہنچی تو استقبالیہ کے پاس دھرے صوفوں پر اسے طاہر بیٹھا ہوا دکھائی دیا۔ وہ آیت کو دیکھ کر کھڑا ہو گیا تھا۔ وہ اس کے قریب گئی اور بڑے پرسکون لہجے میں پوچھا

''تم، یہاں؟''

''میں تمہارا انتظار کر رہا تھا۔'' اس نے خشمگیں لہجے میں کہا

''یہ کیا بات ہوئی بھلا، تم گھر آتے یا کم از کم آنے سے پہلے مجھے فون کر لیتے، یہ کیا اجنبیوں کی طرح یہاں بیٹھے ہوئے ہو؟'' اس نے دھیمی آواز میں سختی سے پوچھا

''بس میں نے سوچا، خود ہی چلا جاؤں، بس ذرا سی بات کرنا تھی تم سے تو......'' اس نے کہنا چاہا تو وہ اس کی بات کاٹ کر بولی

''آؤ، آفس میں بیٹھ کر سکون سے بات کرتے ہیں۔'' یہ کہتے ہوئے وہ لفٹ کی جانب مڑنے لگی تو وہ تیزی سے بولا

''اگر سکون سے بات کرنی ہے تو پھر یہاں نہیں۔''

''تو پھر اور کہاں؟'' آیت نے مسکراتے ہوئے کہا

''کہیں بھی جہاں ہم سکون سے بات کر سکیں۔'' اس نے آیت کے چہرے پر دیکھتے ہوئے کہا

''چلو پھر تمہارے گھر چلتے ہیں۔'' آیت نے خوشدلی سے کہا تو ایک لمحہ کو طاہر کی آنکھوں میں حیرت لہرائی، پھر اس کے چہرے پر چھایا ہوا سارا تناؤ یکسر ختم ہو گیا۔

''آؤ۔ چلیں۔'' یہ کہہ کر کوئی مزید بات ہونے سے پہلے ہی وہ پلٹ گیا۔ وہ اپنی گاڑی تک پہنچا اور پسنجر سیٹ والا دروازہ کھول کر آیت کی طرف دیکھنے لگا۔ وہ خود کو سنبھالتی ہوئی آئی اور بیٹھ گئی۔ طاہر گھوم کر ڈرائیونگ سیٹ پر آن بیٹھا۔ ان کے درمیان کافی دیر تک خاموشی رہی۔ تبھی آیت ہی نے پوچھا

''الیکشن کے بعد کیسا ماحول ہے وہاں؟''

''مجھے اس سے کوئی غرض نہیں، وہ سب بابا دیکھ رہے ہیں۔'' اس نے لاپرواہی سے کہا

''تمہاری دو سیٹیں ہیں۔ کون سی رکھ رہے ہو؟'' اس نے بات بڑھائی

''کہا نا بابا ڈیل کر رہے ہیں، جو کہہ دیں گے وہی رکھ لیں گے۔'' اس نے عام سے لہجے میں کہا جیسے وہ اس موضوع پر بات ہی نہ کرنا چاہ رہا ہو لیکن وہ بات کرنا چاہتی تھی اس لئے پوچھا

''پھر بھی کوئی خیال تو ہوگا۔''

''ہاں ایک دن بابا کہہ رہے تھے کہ بڑی سیٹ رکھ لیں۔'' اس نے بے دلی سے جواب دیا۔ وہ سوچنے لگی، طاہر کو سیاست سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ اگر ہوتی تو وہ ضرور اپنی کسی کامیابی کی بات کرتا۔ وہ سمجھ رہی تھی کہ اس کا دھیان کس طرف سے ہے۔ تب وہ بھی خاموش ہو گئی۔

طاہر کے گھر میں پہنچ کر لاؤنج میں اطمینان سے بیٹھنے کے بعد اس نے اپنے ملازمین سے چائے کا کہا اور اس کے پاس ساتھ والے صوفے پر بیٹھ گیا۔ تبھی آیت نے طاہر کی طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے ہولے سے پوچھا

''یہ تمہارا کسی اجنبی کے جیسا رویہ، میں پوچھ سکتی ہوں ایسا کیوں؟''

''مجھے خود سمجھ میں نہیں آ رہا مجھے کیا کرنا چاہئے۔ میں اپنے اور تمہارے درمیان الجھ کر رہ گیا ہوں۔''

''میرے اور تمہارے درمیان؟ یہ میں سمجھی نہیں۔'' وہ کافی حد تک تجسس سے بولی

''دیکھو ایک طرف تمہارا رویہ اتنا بڑا، کہ کوئی اس تک نہیں پہنچ پایا، مجھ پر جان تک وار دی، اور دوسری طرف یوں جیسے مکمل اجنبی ہو، مجھے بتاؤ تو سہی آخر وجہ کیا ہے؟'' اس نے تھکے ہوئے لہجے میں پوچھا

''اصل میں تمہارا ایک مسئلہ ہے طاہر، نہ تم خود کو سمجھ رہے ہو اور نہ مجھے جان پائے ہو۔ اگر یہ مان بھی لیا جائے میرے بارے میں کچھ جانتے ہو تو خود سمجھنا نہیں چاہتے ہو، تم صرف اپنی ذات سے آگے نہیں سوچ رہے ہو، تمہیں کسی دوسرے کی پرواہ نہیں۔'' آیت نے

دھیمی آواز میں سمجھانے والے انداز سے کہا

''میں صرف اتنا جانتا ہوں کہ مجھے تم سے محبت ہے۔ میں تمہیں پانا چاہتا ہوں بس۔'' اس نے اعتراف کرلیا

''وہی نا، یہ سوچے بغیر کہ سامنے والا کیا سوچ رکھتا ہے، کیسے جذبات ہیں، اس کے حالات کیا ہیں اور خاص طور پر وہ محبت بھی کرتا ہے کہ نہیں؟'' اس نے سکون سے سوال کیا

''میں جانتا ہوں کہ تم مجھ سے محبت کرتی ہو، کون کسی کے لئے جان دیتا ہے۔ ایسا تو وہی کرسکتا ہے جو کسی سے عشق کرتا ہے۔'' طاہر نے انتہائی جذباتی لہجے میں کہا

''تم نے فرض کرلیا کہ مجھے تم سے عشق ہے؟'' اس نے پوچھا

''تو اور کیا سمجھوں؟'' اس نے جواب دینے کی بجائے سوال کر دیا

''میں نے تمہیں بتا دیا ہے کہ میں عشق کے کس مقام پر کھڑی ہوں۔ پھر بھی تم......'' وہ کہنا چاہ رہی تھی وہ اس کی بات کاٹتے ہوئے تیزی سے بولا

''تو میرا عشق، اس کی کوئی اہمیت نہیں ہے؟''

اس پر آیت دھیرے سے مسکرادی۔ وہ چند لمحے سوچتی رہی پھر بولی

''عام طور پر یہی کہا جاتا ہے، عورت جب حد سے زیادہ مہربان ہوتی ہے تو اپنا آپ سونپ دیتی ہے۔ ہوتا ہوگا، مگر! یہ وہی عام سطحی سی بات ہے، عورت پن کی عام سی بات، میری سوچ اس سے کہیں اوپر انسان سے شروع ہوتی ہے، جہاں نہ عورت ہوتی ہے اور نہ مرد ہوتا ہے، صرف انسان ہوتا ہے۔''

''تم کہنا کیا چاہ رہی ہو؟'' اس نے پوچھا

''میں تمہیں کچھ سمجھانا چاہ رہی ہو اگر تم میری بات پر غور کرو۔'' وہ بولی

''بولو۔'' اس نے آیت کے چہرے پر دیکھتے ہوئے کہا

''ایک وقت تھا، جب میرا عشق بھی محدود تھا۔ میں ایک ہی انسان کو اس کی حدود سمجھتی تھی۔ جیسے جیسے میں اپنے عشق میں آگے بڑھتی گئی، مجھے اندازہ ہوا ایک انسان کی محبت اور پوری کائنات کی محبت ایک ہی شے ہے۔ اس لئے میں نے بھی تمہارے لئے جان کی بازی لگادی۔'' آیت اتنا کہہ کر رک گئی

''مطلب میں ابھی محدود ہوں اپنے عشق میں؟'' وہ سوچتے ہوئے لہجے میں بولا

''عشق کا یہ خاصہ ہے، جو لوگ یہاں سے گزرتے ہیں وہی عشق کی معراج پاتے ہیں، اگر تم میرے عشق کو سمجھنا چاہتے ہو یہاں

سے گزرنا ہوگا۔اگر تم اس مسافت سے گزر گئے یا اسی پر قائم ہی رہ گئے تو تمہیں اس کی حقیقت سمجھ میں آ جائے گی۔'' اس نے لفظ لفظ سمجھاتے ہوئے کہا

''کیا یہ میرے لئے سبق ہے؟'' اس نے پوچھا

''اگر تم عشق کا دعویٰ کرتے ہو، اور خود کی تکمیل بھی چاہتے ہو تو یہ تمہاری تکمیل کے لئے ضروری ہے، نامکمل عشق کا کیا فائدہ جب تک جگر کا خون نہ ہو جائے، نقش نامکمل رہتا ہے۔'' آیت نے سمجھایا

''میں تم سے عشق کرتا ہوں، یہ مجھے پتہ ہے، تم میرے سامنے ہو۔منزل میرے سامنے ہے تو......'' اس نے کہنا چاہا تو وہ بات قطع کرتے ہوئے تیزی سے بولی

''میں تمہاری منزل نہیں، تمہیں اپنی تکمیل کرنا ہے۔''

''تو اس کے لئے کیا کرنا ہوگا مجھے، کیا تم مجھے آزمانا چاہتی ہو؟'' اس نے ایک عزم سے کہا

''تمہارے خیال میں مجھے پالینا ہی عشق کی تکمیل ہے؟'' اس نے پوچھا

''مجھے بس تمہیں پانا ہے، چاہو تو آزمالو؟'' اس نے حتمی لہجے میں کہا

''اگر تمہیں عشق کا دعویٰ ہے تو پھر میں جو کہوں گی مان لو گے؟'' آیت نے سکون سے پوچھا

''ہاں، کہہ کر تو دیکھو'' اس نے صوفے سے ٹیک چھوڑتے ہوئے اشتیاق سے پوچھا

''تو پھر تم رابعہ سے شادی کر لو'' اس نے نہایت سکون سے کہہ دیا۔تو وہ اس کی طرف شدید حیرت سے دیکھنے لگا۔جیسے اس نے کوئی انہونی بات کہہ دی ہو۔ایسی انہونی بات جس کا کوئی جواز ہی نہ ہو۔پھر جیسے وہ کومے سے نکلا ہو، اس نے چیختے ہوئے کہا

''یہ کیا کہہ رہی ہو تم؟ ایسا مذاق مت کرو جو میری برداشت سے باہر ہو۔''

''میں مذاق نہیں کر رہی۔'' اس بار وہ انتہائی سنجیدگی سے بولی

''نہیں، یہ میرا مذاق اڑانے سوا دوسرا کچھ نہیں ہے۔'' وہ رندھے ہوئے لہجے میں بولا

''میں پورے ہوش حواس سے انتہائی ذمہ داری سے یہ بات کہہ رہی ہوں طاہر۔'' اس بار جب اس نے قدرے دبدبے سے کہا تو وہ اس کی طرف حیرت سے دیکھنے لگا۔پھر سر سراتے ہوئے بولا

''یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟''

''میں وہی کہہ رہی ہو، جس کے بارے میں ایک دن تم نے سوال کیا تھا؟''

''میرا سوال، وہ کیا؟'' اس نے انتہائی تجسس سے پوچھا

''کیا تمہیں یاد ہے ایک بار تم نے کہا تھا کہ اگر میں یہ کہوں کہ دو عاشق ایک عشق پر جمع نہیں ہو سکتے؟ اس پر تم کیا کہو گی؟ یاد ہے طاہر؟'' یہ پوچھتے ہوئے وہ ہلکے سے مسکرا دی، پھر اسی سکون سے بولی، ''اور میں نے کہا تھا کہ پہلے تم عاشق تو بن جاؤ، پھر کسی دوسرے کے عشق پر جمع ہونے کی سوچنا۔''

''آں، ہاں، یاد ہے اور میں بولا تھا میں تیار ہوں، مجھے آزما سکتی ہو۔'' اس نے دھیمے سے کہا

''اب تمہیں عشق کا دعویٰ بھی ہے، تو آؤ ایک عشق پر جمع ہوتے ہیں۔'' یہ کہہ کر وہ ایک ثانئے کو رُکی پھر بولی، ''سرمد میرا عشق ہے، میرے عشق سے عشق کر کے دکھاؤ۔'' وہ یوں کہہ رہی تھی جیسے کہیں اندر سے بول رہی ہو، اس کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔

''یہ...... امتحان ہے؟'' وہ ہولے سے بولا

''نہیں، عشق کی راہ دکھا رہی ہوں، چل سکتے ہو تو چلو، ورنہ یہیں سے مڑ جاؤ اپنی دنیا میں۔'' اس نے سکون سے کہا تو وہ یوں بولا جیسے کسی بچے سے کوئی کھلونا چھن گیا ہو۔

''میرا انتظار کرو گی؟''

''مجھے انتظار کرنے کی ضرورت نہیں۔ جہاں میں کھڑی ہوں، یہاں اس مقام تک آنا اب تمہارا کام ہے، میرا نہیں۔ دیر یا وقفہ تمہاری طرف سے ہوگا۔ میری طرف سے نہیں۔ جب بھی اس مقام کو پا لو گے، مجھے اپنا پاؤ گے۔'' وہ سکون سے بولی

''یہ کس مقام پر لا کھڑا کیا ہے تم نے۔'' وہ سوچتے ہوئے بولا

''سوچ لو، اچھی طرح سوچ لو۔ اس راہ میں بڑی دشواریاں ہیں، پلٹ سکتے ہو تو پلٹ جاؤ، ابھی وقت تمہارے ہاتھ میں ہے۔'' اس نے سمجھانے والے انداز میں کہا تو خاموش رہا۔

''ٹھیک ہے میں سوچتا ہوں۔'' اس نے کہا تو آیت اٹھ گئی، پھر باہر کی جانب مڑتے ہوئے بولی

''جب اچھی طرح سوچ لو تو مجھے بتا دینا۔'' یہ کہہ کر وہ باہر کی جانب چل دی۔ اس نے ایک بڑا بوجھ خود پر سے ہٹتے ہوئے محسوس کیا تھا۔

❁......❁......❁

اس دن طاہر کو شدت سے یہ احساس ہو رہا تھا کہ اس نے اب تک سید ذیشان رسول شاہ صاحب سے براہ راست رابطہ کیوں نہیں کیا۔ آیت اس کے لئے جو اک نیا امتحان بن گئی تھی۔ وہ اس کے بارے میں جاننے کے بے تاب تھا۔ وہ فیصلہ کرنا چاہتا تھا کہ وہ کیا کرے؟ وہ اس بات کو تو سمجھ رہا تھا کہ عشق کی روایات میں مشکل ہی مشکل ہے۔ لیکن اس قدر صبر آزما کہ محبوب سامنے رہے اور وہ اس کا نہ ہو؟ وہ ساری الجھنوں کو ختم کرنا چاہتا تھا۔ من میں چھڑی جنگ کو ختم کرنا چاہتا تھا۔ ہار جیت کا فیصلہ چاہے کسی فریق کا ہو، میدان جنگ میں

تباہی ضرور آتی ہے۔وہ اپنے خلوص کے بارے میں پوری طرح جانتا تھا۔عصر کے وقت تک وہ جہاں اس بارے سوچتا رہا، وہاں شاہ صاحب سے رابطہ کرنے کی کوشش میں بھی لگا رہا۔عصر کے بعد اسے ملاقات کی اجازت مل گئی تو وہ وہاں جا پہنچا۔

اس وقت شاہ صاحب کے کمرے کے باہر ٹہلتے ہوئے اسے چند منٹ ہی ہوئے تھے کہ اسے اندر سے بلاوا آ گیا۔خدمت گار نے اسے اندر بلالیا۔شاہ صاحب صوفے پر بیٹھے ہوئے تھے۔اس نے بڑے نودب انداز میں مصافحہ کیا اور سامنے دھرے صوفے پر بیٹھ گیا۔کچھ دیر یونہی الیکشن کی باتوں کے بعد انہوں نے کہا

”جی حکم، کیسے آنا ہوا؟“

”حضور، میں آپ کا زیادہ وقت نہیں لوں گا، بس ایک دو باتیں ہیں، جن کے جواب پر میں کوئی فیصلہ کرنا چاہتا ہوں۔“

”بولیں، بات کریں۔“ انہوں نے نہایت شفقت سے کہا

”حضور یہ عشق آخر چاہتا کیا ہے؟ عشق ہی انسان کی ذات کا مرکز کیوں بن جاتا ہے۔“ اس نے الجھتے ہوئے کہا تو شاہ صاحب مسکرا دیئے۔

”میاں بات یہ ہے، میں ہوں، آپ ہو، ہم اپنی ذات میں انسان ہیں۔ہماری پہچان ہماری صفات سے ہوگی۔اس لئے انسان کہہ دینا ہی کافی ہوگا۔سو ذات نہیں، افعال پر غور کرنا چاہئے۔چونکہ پہچان صفت سے ہے، اس کے لئے صفت کو سمجھنا ضروری ہے۔اب صفت کیا ہے؟“ یہ کہہ کر وہ اس کی طرف دیکھتے ہوئے رُک گئے۔

”یہی کہ کوئی بھی صلاحیت۔“ اس نے الجھتے ہوئے کہا

”چلیں ہم اس کو یوں سمجھتے ہیں کہ صفت ایک مثبت لفظ ہے، اور اس کا متضاد ہوگا خامی ایک منفی لفظ ہے۔ہم کبھی بھی جھوٹ کو صلاحیت نہیں مانتے یا اسے خوبی نہیں کہیں گے۔جبکہ سچ کو خوبی یا صفت تصور کیا جاتا ہے۔اب آپ خود اندازہ لگالیں کہ میں کس تناظر میں بات کر رہا ہوں۔کیا آپ سمجھ رہے ہیں؟“ شاہ صاحب نے سمجھاتے ہوئے پوچھا کیونکہ طاہر بہت بے چین سا ہو رہا تھا۔اس لئے جلدی سے بولا

”جی، جی شاہ صاحب میں سمجھ رہا ہوں۔“

”منفی شے صفت نہیں، صفت کا مطلب ہی مثبت ہے۔سو مثبت صفات کا مجموعہ عشق ہے۔“ یہ کہہ کر وہ لحہ بھر کو خاموش ہوئے پھر بولے۔”جو انسان ذات کی صفات کو مثبت لے رہا ہے، دراصل وہ عام آدمی سے اعلیٰ انسان بن رہا ہے۔عام آدمی سے اعلیٰ انسان تک کا سفر صرف ایک ہی قوت سے ہوتا ہے اور وہ ہے عشق۔“ شاہ صاحب نے سکون سے سمجھایا

”بندہ مخلص بھی ہو، عاشق بھی ہو اور عشق کے سفر پر چل بھی پڑے تو پھر وصال کا خوف کیوں لاحق ہو جاتا ہے کہ میرا محبوب مجھے چھوڑ جائے گا، میرا معشوق مجھ سے دور ہو جائے گا۔“ طاہر نے الجھتے ہوئے پوچھا

''ایک ہوتی ہے محبت اور ایک ہوتی ہے شدید محبت۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ شدید محبت یعنی عشق جب آجاتا ہے تو پھر ہجر و وصال کی کوئی اہمیت نہیں رہ جاتی۔ دیکھیں جیسے ہم رَبّ تعالیٰ کو چھو سکنے کی صلاحیت ہی نہیں رکھتے لیکن پھر بھی شدید محبت کرتے ہیں۔ محبت میں ڈرنا سمجھ میں آتا ہے، پیار میں اگر کوئی ڈرتا ہے کہ میرا محبوب مجھ سے ناراض ہی نہ ہو جائے تو اس محبت کو نبھا ہے رکھنے کی پوری کوشش ہے۔ عشق میں ڈرنا مزید قربت کا باعث ہے۔'' شاہ صاحب نے سمجھایا۔

''ہمیں عشق کا پتہ کیسے چلتا ہے؟'' اس نے پوچھا

''جس طرح صفات پر غور کرنے سے ذات کا علم ہو جاتا ہے، اور جس طرح ساری صفات مثبت پہلو لئے ہوئے ہوں تو اس مجموعے کو عشق کہتے ہیں، اسی طرح عشق کا ظہور صفت سے ہوتا ہے۔ جو عشق صفت سے ظاہر نہیں ہوتا، وہ عشق نہیں کچھ دوسرا ہو سکتا ہے۔'' شاہ صاحب نے جواب دیا

''ہم یہ کیسے جان پائیں گے کہ ہمارے اندر عشق کس حد تک ہے، مطلب کس مقام پر کھڑے ہیں؟'' اس نے پوچھا

''ہمیں اپنا آپ دیکھنے کے لئے آئینے کی ضرورت ہوتی ہے۔ عشق کی شروعات ہمیں سے شروع ہوتی ہے اور ہم عشق کی لامحدود وسعتوں میں خود کو پا لیتے ہیں۔ عشق وہاں سے شروع ہوتا ہے، جب بندہ اپنی جان سے گزرتا ہے۔ عشق کی حقیقت ایک حقیقی زندگی ہے۔ اس کے لئے مصنوعی زندگی کو چھوڑنا پڑے گا۔ اگر نہیں چھوڑے گا تو حقیقت کو نہیں پا سکے گا۔ یہ سب اس کی صفات سے ظاہر ہوگا، جسے کردار کہتے ہیں۔ وہیں سے ہر بات سمجھ میں آتی ہے۔'' شاہ صاحب نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے سمجھایا

''آخر آئینہ ہی کیوں؟ کیا اس طرح انسان محدود ہو کر نہیں رہ جاتا؟'' اس نے پوچھا

''عشق تو لامحدود ہے۔ مثال کے طور پر اگر اپنے آپ سے محبت ایک صفت سمجھ لیں تو انسان نہ صرف دوسرے انسان سے جڑتا ہے بلکہ کائنات تک سے خود کو جڑا ہوا پاتا ہے۔ جس طرح کائنات لامحدود ہے، اسی طرح اپنے آپ سے عشق لامحدود ہو جاتی ہے۔ ہم خود کو دوسرے انسان کے آئینے میں دیکھتے ہیں، کائنات کے آئینے میں دیکھتے ہیں۔ اپنے آپ سے محبت نرگسیت بھی ہے اور یہ ایک بیماری ہے۔ جو ظاہر ہے خامیوں کی طرف لے کر جائے گی۔''

''جی بہت مہربانی، اب مجھے فیصلہ کرنے میں آسانی ہوگی۔'' طاہر نے سکون سے کہا

''رَبّ تعالیٰ آپ کے لئے آسانیاں پیدا فرمائے۔'' شاہ صاحب نے فرمایا تو اس نے اجازت چاہی، جو مل گئی۔ وہ سلام کر کے وہاں سے نکل پڑا۔

❀......❀......❀

اس دن تیز ہوا چل رہی تھی۔ آسمان پر سفید بادل تیرتے ہوئے ایک طرف سے دوسری جانب جا رہے تھے۔ دھوپ اور سائے

کی آنکھ مچولی چل رہی تھی۔ آیت کے آفس میں لنچ بریک ہو چکا تھا۔ وہ اپنے آفس کی کھڑکی سے باہر دیکھ رہی تھی۔ اس کے ذہن پر طاہر کا رویہ چھایا ہوا تھا۔ وہ جانتی تھی کہ اس کا ردعمل کیا ہوگا۔ یہ بڑا نازک مرحلہ تھا۔ بہت سارے سوال پیدا ہو جانے والے تھے۔ وہ اس سے بہت ساری باتیں کرسکتا تھا۔ لیکن وہ پرسکون تھی۔ وہ یہی سوچ رہی تھی اس مرحلے پر اسے سنبھالنا کیسے ہے۔

آفس بوائے سائیڈ ٹیبل پر لنچ کے لئے برتن رکھ رہا تھا۔ وہ اپنی کرسی سے اٹھنے ہی والی تھی کہ انٹر کام بج اٹھا۔ اس نے ریسور اٹھایا تو استقبالیہ سے طاہر کی آمد کی اطلاع تھی۔ وہ وہاں پر رُکا نہیں تھا بلکہ سیدھا لفٹ میں چلا گیا تھا۔ کیونکہ آیت نے اس کے بارے میں استقبالیہ کو ہدایت دے دی ہوئی تھی۔ جہاں سے اسے طاہر کے آنے کے بارے میں اطلاع مل گئی۔ وہ چند منٹ میں اس کے پاس آجانے والا تھا۔ وہ کرسی سے اٹھی اور صوفے کی جانب بڑھ گئی۔

طاہر اس کے سامنے تھا۔ انتہائی ہشاش بشاش، تروتازہ اور چہرے پر ہلکی سے مسکان بکھری ہوئی تھی۔ وہ علیک سلیک کے بعد اس کے سامنے والے صوفے پر بیٹھ گیا۔ آیت کو اس وقت وہ بہت اچھا لگا تھا۔ ایک پیار بھری لہر اس کے اندر سے اُمڈ آئی تھی۔ وہ اس وقت تک خاموش رہا، جب تک آفس بوائے نے کھانا نہیں چن دیا۔ آیت جانتی تھی کہ وہ آیا ہے تو کوئی نہ کوئی بات تو ضرور کرے گا مگر اس نے کہا

''طاہر، بسم اللہ کرو۔''

اس پر وہ ایک لفظ بولے بغیر کھانے میں شامل ہو گیا۔ اس دوران ان میں کوئی بات نہیں ہوئی، جب وہ لنچ لے چکے تو چائے کا سپ لیتے ہوئے طاہر بولا

''آیت میں نے تمہاری بات پر بہت سوچا، مجھے تمہاری بات مان لینے میں کوئی اعتراض نہیں۔ لیکن۔! کچھ باتیں ایسی ہیں جو بہر حال وضاحت طلب ہیں، اور اس کی وضاحت صرف تم ہی کر سکتی ہو۔''

''بولو، کیا کہنا چاہتے ہو۔'' وہ اطمینان سے بولی

''کیا ایسا نہیں ہے کہ میں اپنے عشق پر ثابت قدم رہتا، کوئی سمجھوتہ نہ کرتا، تو ایک سچا عاشق ثابت ہوتا؟ دوسرے لفظوں میں اسے یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ میں نے اگر تمہاری بات مان لی تو میرا یہ عمل خود بتا رہا ہے کہ میں اپنے عشق میں جھوٹا ہوں۔ تمہیں چھوڑ کر رابعہ کی طرف جھک گیا۔ ممکن ہے کل تم ہی کہو کہ میں نے تمہیں چھوڑا اور اس کی جانب راغب ہو گیا۔'' اس نے سمجھانے والے انداز میں کہا

''کیونکہ میں یہ کہہ ہی نہیں، بلکہ عشق میں تمہیں اگلے قدم کی جانب بڑھنے کا راستہ دے رہی ہوں۔'' وہ پھر اسی اطمینان ہی سے بولی

''میں نے مان لی تمہاری بات مگر، مجھے یہ تو سمجھا دو آخر وہ کون سی ایسی چیز ہے جس کی بنیاد پر یہ فیصلہ ہوگا کہ رابعہ سے شادی کرنا عشق میں اگلا قدم ہے۔'' اس کے لہجے میں کافی حد تک طنز تھا جس پر وہ مسکرانے والے انداز میں اس کی طرف دیکھتی رہی پھر بولی

''کوئی بھی محبت ہے اگر اس میں قربانی نہیں تو وہ نری نفسانیت ہے۔ مجھے تمہارے عشق کے دعوی پر بھی کوئی اعتراض نہیں، لیکن تم

اپنی قبول ترین شے قربان کرو۔ میری محبت تمہیں سب سے زیادہ قبول ہے تو اسے قربان کر کے دکھاؤ۔ اگر تم اسے قربان کر سکتے ہو تو میں سمجھو گی کہ تم واقعی مجھ سے محبت کرتے ہو۔ قربانی کے بغیر ممکن ہی نہیں ہے کہ عشق میں ارتقاء پیدا ہو سکے۔''

''قربانی، میں سمجھا نہیں؟'' اس نے تیزی سے پوچھا

''عشق میں قربانی نہ ہو تو ثابت ہی نہیں ہوتا۔ بنا قربانی کے جو بھی، جتنا بھی عشق کا دعویدار ہے وہ غلط ہے۔ اگر قربانی کے مراحل سے نہیں گزرا تو اس کا عشق باطل ہے۔'' اس نے سکون سے سمجھایا۔

''ایسی بھی کیا قربانی آیت، جس میں تیرا اور میرا ملنا محال بلکہ ناممکن ہو جائے۔'' اس نے جھنجھلاتے ہوئے کہا تو وہ خوشگوار لہجے میں بولی

''عشق کی وہی داستان امر ہوئی ہے جس میں قربانی تھی۔ اگر تمہارا عشق سچا ہے۔ تو پھر قدرت ہمیں ملائے گی۔ قدرت اس عمل کو، حالات کو، خود بخود سچائی کی جانب لے کر جائے گی۔ نیچر خود بخود اس کا راستہ بنا دے گی۔ یہ ممکن نہیں کہ ہم پورے خلوص کے ساتھ زمین ہموار کریں، بیج پھینک دیں اور بارش نہ ہو اور پھر فصل نہ اُگے۔'' اس نے پورے جذب سے کہا پھر لمحہ بھر رُک کر بولی، ''تم قربانی کو تو دیکھ رہے ہو، اس کا اصل مقصد جاننے کی کوشش نہیں کر رہے ہو۔''

''کیا ہے اصل مقصد، جبکہ میں......'' اس نے کہنا چاہا تو وہ بات کاٹتے ہوئے بولی

''یہاں تمہارے نفس کی قربانی ہے، کیونکہ نفس کی قربانی دیئے بغیر عشق حقیقی کا حصول ممکن نہیں۔ ہمارے نزدیک عشق کی ضد شرک ہے۔'' یہ کہتے ہوئے وہ جذباتی ہوگئی۔ اس کا چہرہ سرخ ہوگیا

''یہ کیا کہہ رہی ہو تم؟'' اس نے چونکتے ہوئے پوچھا

''نفس سے مانگنا شرک ہے۔ عشق کی ضد شرک ہے، نفرت تو بہت چھوٹا لفظ ہے۔'' یہ کہہ کر وہ لمحہ بھر کو رکی پھر کہتی چلی گئی، ''سنو، ایک آیت مبارکہ کا مفہوم ہے کہ اے محمد ﷺ آپ نے اس شخص کو نہیں دیکھا کہ اس نے اپنی خواہش (نفس) کو اپنا حقیقی معبود بنا لیا۔ اور اللہ نے اسے علم کے باوجود گمراہ کر دیا۔ اور اس کے کانوں پر مہر لگا دی۔ اور اس کے دل پر اور کر دیا پردہ اس کی بینائی پر۔ پس کون ہے جو اللہ کے سوا اسے ہدایت دے۔ کیا تم لوگ پند و نصیحت کو نہیں پکڑتے۔ یہ ہے بات۔''

''یہ تم مذہبی بات کہہ رہی ہو'' اس نے تیزی سے کہا

''تو کیا ہم دین سے الگ ہیں؟ یہی دین ہے جو سکھاتا ہے کہ جینا کیسے ہے؟''

''ٹھیک ہے، میں تمہاری یہ بات بھی مان لیتا ہوں لیکن......'' وہ کہتے کہتے رُک گیا

''لیکن کیا؟'' اس نے پوچھا

''جب تم رہوگی بھی میرے سامنے، الگ بھی نہیں ہوگی، میرے برابر کھڑی ہوگی، تمہارے ہی لفظوں میں ہم ایک ہی عشق پر جمع ہو جائیں گے تو پھر یہ قربانی دینے کا مقصد کیا ہے؟'' اس نے پوچھا

''کیا شرک کرنے کے لئے یا توحید پر قائم رہنے کے لئے کسی دوسرے بندے کی ضرورت پڑتی ہے؟'' اس نے سوال کر دیا تو وہ بولا

''میرا خیال ہے یقیناً نہیں۔''

''ایک شخص چاہے وہ دنیا میں اکیلا ہے، اس کے ساتھ کوئی دوسرا بندہ نہیں ہے، اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ مشرک نہیں ہو سکتا، یا توحید کا ماننے والا نہ ہو۔ سنو۔! نفس کی عبادت شرک ہے، درحقیقت جس شے کو تم عشق کہہ رہے ہو، وہ نفرت ہے، جب تک نفس کی گردن پر چھری نہیں چلے گی، تب تک نفرت ختم نہیں ہوگی۔ یہ نفس قربان ہوگا تو عشق اپنی سچائی کے ساتھ حقیقی صورت میں سامنے آئے گا۔''

''میں کہاں سے نفرت کر رہا ہوں۔'' وہ تیزی اور حیرت سے بولا

''جس طرح ریاکاری، شرک ہے، جھوٹی عبادت کرنے والے لوگ، وہ لوگ جو ریاکاری کا شکار ہیں، وہ خود شکار ہوتا ہے، نفس سے محبت، محبت نہیں، دراصل وہ بدترین نفرت ہے، جو وہ اپنے آپ سے کر رہا ہے۔ اگر کوئی چھپ کر بھی اپنے نفس کی خاطر عبادت کر رہا ہے تو دراصل وہ ریاکاری ہے۔ کیونکہ محبت عین عبادت ہے۔'' وہ سمجھانے والے انداز میں بولی

''میں نے تم سے عشق کیا ہے، اس میں میری ریاکاری کیا ہے؟''

''میری نہیں اپنے عشق کی بات کرو۔ میں اگر کرتی تو کوئی اور بات کہتی۔'' آیت نے مسکراتے ہوئے کہا تو وہ سنجیدگی سے بولا

''میں بھی تو سنوں، تم کیا کہہ سکتی ہو؟''

وہ چند لمحے سوچتی رہی، جیسے خیال جمع کر رہی ہو، پھر بولی

''تم میری کسی بھی بات سے متاثر ہوئے، اسے حسن کہو، روپ کہو یا جو بھی کہو، یا کسی بھی شے سے متاثر ہو کر عشق کے دعویدار ہوئے، مطلب کوئی نہ کوئی صلاحیت، کوالٹی دیکھ کر۔ اگر مجھ سے بہت باصلاحیت یا کوالٹی والی لڑکی تمہیں مل جائے تو کیا تم اس کی طرف ملتفت ہو جاؤ گے؟''

''نہیں، ایسا نہیں، یہ کیا بات کر رہی ہو؟'' وہ ماتھے پر تیوریاں چڑھاتے ہوئے بولا

''فرض کرو، مل جاتی ہے، تو کیا تم اس کی محبت کا دم بھرنے لگو گے۔ خوب سے خوب تر کی تلاش میں بڑے بڑے پھسل جاتے ہیں۔ میرے پاس کوئی تو ایسی کسوٹی ہونی چاہئے مجھے یہ یقین ہو کہ تم مجھے نہیں چھوڑ سکتے۔'' اس نے مسکراتے ہوئے کہا

''میں تمہاری بات بالکل نہیں سمجھ رہا۔'' اس نے بے چارگی سے کہا

''تم مجھ سے عشق کرتے ہو یا میری صلاحیتوں سے۔ اگر تم مجھ سے عشق کرتے ہو تو پھر تمہارے سامنے جتنی مرضی حسین باصلاحیت

لڑکی جلوہ گر ہو جائے تم میرے رہو گے، اس بات کا یقین تمہارا عشق ثابت کرے گا۔ عشق یہ ثابت کرے گا کہ تم حسن سے بھی بے نیاز ہو۔"

یہ بات سن کر طاہر ٹھٹک گیا، وہ سوچنے لگا، پھر دھیمے سے لہجے میں بولا

"یہ بات کہ تم حسن سے بھی بے نیاز ہو...... شاہ صاحب والی نہیں، مطلب تم کہنا چاہتی ہو کہ عشق بے رنگ ہے کہ نہیں؟"

"بالکل، میں یہی کہنا چاہتی ہوں۔" اس نے کہا تو طاہر دبے دبے جوش سے بولا

"آیت میں کس شے سے متاثر ہوا تھا، یہ وقت بتائے گا یا تم خود بتاؤ گی۔ یہ بھی وقت بتائے گا کہ میں کسی سے متاثر ہوا یا نہیں، اور...... میرا عشق کیسا ہے۔ کون سا حسن میرے سامنے آتا ہے اور کس حسن کو میں اپنے سامنے دیکھنا چاہوں گا۔ ڈن ہو گیا۔"

"کیا ڈن ہو گیا؟" اس نے خوشگوار لہجے میں پوچھا

"تم جب چاہے، میرا نکاح رابعہ سے پڑھوا دو۔ مجھے منظور ہے۔" یہ کہہ کر سامنے مگ میں پڑی ٹھنڈی چائے ایک ہی سانس میں پی گیا۔ جبکہ آیت کے چہرے پر ایک الوہی چمک در آئی تھی۔ چائے کا مگ رکھ کر اس نے آیت کے چہرے پر دیکھا، چند لمحے مسکراتے ہوئے اسے دیکھتا رہا، پھر ایک دم اٹھ کر بولا

"میں چلتا ہوں۔ مجھے کال کر دینا۔ اللہ حافظ۔"

"اللہ حافظ۔" آیت نے دھیمے سے لہجے میں کہا تو وہ آفس سے نکلتا چلا گیا۔ آیت اس کی طرف کی دیکھتی رہی، جب تک وہ نگاہوں سے اوجھل نہیں ہو گیا، پھر اس نے صوفے سے ٹیک لگا لی۔ اس نے یوں پرسکون انداز میں آنکھیں بند کر لیں جیسے کوئی بہت بڑا بار اس کے سر سے اُتر گیا ہو۔ وہ کتنی ہی دیر تک آنکھیں موندے یونہی بیٹھی رہی۔ اس نے اس وقت آنکھ کھولی جب آفس بوائے چائے کے خالی مگ اٹھانے آیا۔ وہ اٹھی اس نے میز پر سے پرس اٹھایا، انٹر کام پر ہدایات دے کر چل دی۔

پورچ میں اس کی گاڑی موجود تھی۔ اس نے بیٹھتے ہی ڈرائیور سے فارم ہاؤس چلنے کا کہا تو گاڑی چل دی۔ وہ اپنے خیالوں میں کھو گئی۔ اس کے چہرے پر بشاشت تھی۔ وہ ارد گرد دیکھنے کی بجائے گہرے خیالوں میں کھوئی ہوئی تھی۔ یوں لگ رہا تھا جیسے وہ کسی نامعلوم نکتے پر سوچ رہی ہو یا پھر آنے والے وقت کے مناظر میں کھوئی ہوئی ہو۔ اسے پتہ ہی نہیں چلا وہ کب فارم ہاؤس پہنچ گئی۔

جب تک وہ لاؤنج میں بیٹھی رابعہ بھی کچن میں سے نکل کر وہاں آ گئی۔ آیت چونکہ یونہی اچانک آ جایا کرتی تھی، اس لئے رابعہ نے بڑے نارمل انداز میں پوچھا

"چائے لاؤں؟"

"سرمد کے لئے لنچ تیار ہو گیا ہے؟" اس نے جواب دینے کی بجائے پوچھا

"ہاں، تیار ہے، بس وہ بھی تھوڑی دیر میں آنے والا ہو گا۔ ڈرائیور گیا ہے اسے لینے۔" رابعہ نے بتایا تو وہ سوچتے ہوئے بولی

''اچھا،تم چائے کا کہہ کر آ جاؤ، سرمد کے آنے سے پہلے میں تم سے ایک بہت ضروری بات کرنا چاہتی ہوں،بس جلدی سے آ جاؤ۔'' آیت نے مسکراتے ہوئے کہا تو وہ پلٹتے ہوئے دھیرے سے بولی

''جی اچھا، میں ابھی آئی۔''

رابعہ لاؤنج سے باہر چلی گئی تو آیت صوفے پر سمٹ کر بیٹھے ہوئے پھر خیالوں میں کھو گئی۔ یہاں تک کہ چند منٹ بعد وہ واپس آ کر اس کے پاس صوفے پر آن بیٹھی۔تب آیت نے اس کی طرف دیکھا اور نہایت سنجیدگی سے بولی

''رابعہ۔! میں جو کچھ تمہیں کہنے جا رہی ہوں، اسے غور سے سننا اور کوئی فوری فیصلہ دینے کی بجائے بہت سوچ کر جواب دینا۔''

آیت کے یوں کہنے پر رابعہ نے بڑے غور سے اُس کے چہرے پر دیکھا۔ آیت کے انداز سے وہ سمجھ تو گئی تھی کہ کوئی بہت ہی اہم بات ہے ورنہ اس نے کبھی یوں نہیں کہا تھا۔ بلاشبہ کوئی بہت ہی خاص بات ہے جس کے لئے آیت کو یوں تمہید باندھنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔اس کے ذہن میں کئی سارے خیال گھوم گئے۔ایسا ہوتا ہے نا کہ انسان جب اپنے بارے میں سوچتا ہے، آنے والے وقت کے بارے میں تجزیہ کرتا ہے۔تب بہت سارے مثبت اور منفی خیال آتے ہیں۔ مستقبل کے اچھے اور برے منظر دماغ دکھاتا ہے۔ کمزوریوں اور کوتاہیوں کی بنیاد پر، طاقت اور اچھائیوں کو مرکز بنا کر کھلی آنکھوں سے بہت خواب دیکھتا ہے، بہت سارے منظر نگاہوں کے سامنے آ جاتے ہیں۔ پھر وہی خواب، منظر اور سوچیں بندے کو ڈرا دیتی ہیں اور طاقت ور بھی بناتی ہیں۔ رابعہ ان لمحات میں کسی ایسی ہی الجھن میں جا پڑی تھی۔ پھر جیسے اسے ہوش آ گیا کہ آیت نے اس سے بات کرنی ہے، وہ بات کیا ہے۔اس لئے پوچھا

''ایسی کیا بات ہے آیت، پہلے بھی تم نے اس انداز سے بات نہیں کی؟''

''بات ہی کچھ ایسی ہے۔'' اس نے مسکراتے ہوئے کہا، پھر سنجیدہ لہجے میں بولی ''میں جو کچھ بھی کہنے جا رہی ہو، وہ تمہاری بھلائی کے لئے ہوگا، دوسرا میرے بارے میں ایک ذرا سی بھی بدگمانی نہ کرنا، اس لئے مجھے یہ تمہید باندھنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔''

''بات کیا ہے؟'' اس نے لرزتے ہوئے لہجے میں پوچھا تو چند لمحے اس کی طرف دیکھتی رہی پھر دھیمے سے لہجے میں بولی

''میں تمہاری شادی کر رہی ہوں۔''

اس کے یوں کہنے پر رابعہ ہونق سی ہو گئی۔ جیسے اسے سمجھ ہی نہ آ رہا ہو کہ یہ بات کیا کہہ دی گئی ہے۔ پھر سرسراتے ہوئے لہجے میں بولی

''یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟''

''میں ٹھیک کہہ رہی ہوں۔'' اس نے سنجیدگی سے کہا

''تم نے سوچا، سرمد کا کیا بنے گا؟ اسے کون.....'' رابعہ نے کہنا چاہا تو وہ اس کی بات کاٹتے ہوئے بولی

''اسی کے لئے تو کر رہی ہو۔ میں نہیں چاہتی کہ اس کی زندگی میں کوئی خلا رہ جائے۔''

''میری شادی، سرمد کی زندگی کا خلا، یہ میں نہیں سمجھ سکی تم کہنا کیا چاہ رہی ہو؟'' رابعہ نے حیرت سے پوچھا تو وہ مسکراتے ہوئے بولی

''سرمد بھی تمہارے پاس رہے گا، اور تمہارا ہونے والا شوہر سرمد کا کہیں بڑھ کر خیال رکھے گا، بلکہ تم دونوں کا ہی۔ ایک خاندان کی طرح تم پھر سے جی سکو گی۔''

''کون ہے وہ جو اتنا خیال رکھ سکے گا، میرے سرمد کو بھی قبول کر لے گا، کیا انہونی بات کر رہی ہو؟'' رابعہ نے پھر حیرے زدہ لہجے میں پوچھا

''تمہیں شاید یہ بات انہونی لگے گی، لیکن میرے لئے نہیں ہے۔'' یہ کہہ کر وہ لمحہ بھر کو خاموش ہوئی، پھر سرپرائز دینے والے لہجے میں پوچھا، ''جانتی ہو تمہارا ہونے والا شوہر کون ہوگا؟''

''مجھے یہ سب سمجھ میں نہیں آ رہا اور تم مجھ......''

''میں بتاتی ہوں۔ تمہارا ہونے والا شوہر ہے طاہر حیات۔'' جس طرح ہی آیت کے لبوں سے یہ لفظ نکلے اور رابعہ کے کانوں تک پہنچے تو وہ سکتے میں آ گئی۔ وہ کتنے لمحے اس کی طرف پھٹی پھٹی نگاہوں سے دیکھتی رہی۔ اسے یوں لگ رہا تھا جیسے اسے اپنے کانوں پر یقین ہی نہ ہو رہا ہو۔ اس کی آنکھوں بھر آئیں، پھر یوں بولی جیسے اس کی آواز کسی گہرے کنویں سے آ رہی ہو۔

''میں ایسے کسی مذاق کی توقع کم از کم تم سے نہیں کر سکتی یا مان لو کہ تم آج انہونی باتیں کر رہی ہو۔''

''ایسا کچھ بھی نہیں ہے۔ میں تم سے مذاق نہیں رہی ہوں بلکہ حقیقت بیان کر رہی ہوں۔'' اس نے نہایت تحمل سے کہا تو اس نے قدرے تیکھے لہجے میں پوچھا

''لیکن یہ پوچھے بنا کہ میں اس شادی کے لئے تیار بھی ہو سکتی ہوں یا نہیں؟''

''کیا تم یہ سمجھتی ہو کہ میں تمہارے لئے کبھی غلط یا برا سوچ سکتی ہوں؟'' آیت نے پوچھا

''لیکن کہاں طاہر اور کہاں میں، پہلی بات تو یہ ہے کہ کیا میں اس قابل ہوں؟ دوسری بات کہ میں یہاں سکون سے عزت کے ساتھ رہ رہی ہوں، کیا مجھے وہ عزت......'' اس نے کہنا چاہا لیکن آیت نے اس کی بات پوری ہی نہیں ہونے دی۔ درمیان ہی میں بولی

''تم ایسا کیوں سوچ رہی ہو۔ تم یہ سوچو کہ تم میرے ساتھ جڑی ہوئی ہو۔ تم مجھ سے الگ نہیں ہو۔''

''لیکن پھر بھی وہ......'' وہ کہتے کہتے رُک گئی تو آیت اسے سمجھاتے ہوئے بولی

''جو بھی خدشہ تمہارے ذہن میں اٹھ سکتا ہے، وہ سب میں نے پہلے سوچا ہے۔ تمہاری شادی ہو جانے کا مطلب یہ نہیں کہ میں تم سے جدا ہو جاؤں گی۔ تمہیں وہی عزت اور مقام ملے گا جس کی تم حقدار ہو کیونکہ تم سرمد کی ماں ہو، تم نے پیدا کیا ہے سرمد کو۔ تمہاری عزت

اور مقام کہیں بڑھ جانے والا ہے۔"

"لیکن میری شادی ہی کیوں؟" اس نے انتہائی الجھن میں پوچھا

"سرمد، یہ سب کچھ میں سرمد کے لئے کر رہی ہوں، کیا تم نہیں چاہتی ہو کہ تم سرمد کے لئے کوئی بہت اچھا کرو؟" آیت نے وضاحت کرتے ہوئے پوچھا۔ اس پر رابعہ سر جھکائے چند لمحے سوچتی رہی، پھر معذرت خواہانہ لہجے میں بولی

"ایک بات پوچھو آیت، اگر تم برا محسوس نہ کرو تو؟"

"پوچھو" اس نے مسکراتے ہوئے تحمل سے کہا

"ہم دونوں ہی جانتی ہیں کہ طاہر تم پر ہزار جان سے فدا ہے، وہ تم سے شادی کرنا چاہتا ہے۔ تم کیوں نہیں اس سے شادی کرنا چاہتی ہو؟ اور وہ کیسے مجھ جیسی ایک عام سے عورت سے شادی کرے گا؟"

"میں نے کہا نا، وہ نہ صرف تم سے شادی کرے گا، بلکہ تمہیں وہ عزت و احترام دے گا، جو تمہارا حق ہے، اور جس کے بارے میں تم نے کبھی سوچا بھی نہیں ہوگا۔ یہ کیسے کیوں سب مجھ پر چھوڑ دو۔" آیت نے پھر اسے تحمل سے سمجھایا

"مگر میری بات تم پھر گول کر گئی ہو کہ وہ تم سے شادی کیوں نہیں کرنا چاہتا یا تم اس سے کیوں نہیں؟" رابعہ نے اسے یاد دلایا

"کچھ باتیں ایسی ہوتی ہیں، جنہیں کہا نہیں جاتا، بس تم اس سے شادی کرلو۔" آیت نے حتمی لہجے میں کہا، اس سے پہلے کہ رابعہ کوئی جواب دیتی یا کوئی نیا سوال پوچھتی، پورچ میں کار رکی اور اس کے ساتھ ہی سرمد اندر آ گیا۔ اسے باہر کھڑی ہوئی گاڑی سے اندازہ ہو گیا تھا کہ آیت آ گئی ہوئی ہے۔ جیسے ہی سرمد کی نگاہ آیت پر پڑی وہ بھاگتا ہوا اس کے پاس آ کر سینے سے لگ گیا۔ آیت نے اسے یوں بھینچ لیا جیسے اسے ملے ہوئے برسوں بیت گئے ہوں۔ اس نے سرمد کے ماتھے پر بوسہ دیا۔ تب اس نے الگ ہوتے ہوئے پوچھا

"بڑی اماں آپ کب آئے؟"

"ابھی تھوڑی دیر پہلے۔ تم نے فون کیا تھا نا کہ میں آؤں تو آ گئی۔" آیت نے بچوں کی طرح خوش ہوتے ہوئے کہا تو سرمد بولا

"میں نے صبح فون کیا تھا۔" اس نے یوں کہا جیسے اسے یاد آ گیا ہو

"ہاں نا، میں نے سوچا تم اسکول سے ہو آؤ، میں ذرا دفتر میں تھوڑے کام نمٹا لوں، پھر میں آ جاؤں گی تمہارے پاس۔ اب بولو کیا بات ہے؟" اس نے سرمد کے چہرے دیکھتے ہوئے کہا۔ اس دوران ڈرائیور نے سرمد کا سکول بیگ ایک صوفے پر رکھا اور واپس پلٹ گیا۔ رابعہ ان دونوں کو دیکھ رہی تھی۔ سرمد اس سے الگ ہو کر اس کے ساتھ ہی صوفے پر بیٹھ گیا۔ پھر سوچتے ہوئے اداس لہجے میں بولا

"کچھ نہیں۔"

"یہ کیا بات ہوئی بھلا، بولو بات کرو۔" آیت نے تڑپ کر پوچھا

''نہیں میں نہیں۔'' سرمد نے روٹھے ہوئے انداز میں کہا

''اچھا، میں سمجھ گئی، اب اگر میں تمہیں سرپرائز دوں تو؟'' آیت نے خوشگوار لہجے میں پوچھا

''سچ میں......'' وہ کھل اٹھا تو آیت انتہائی خوشدلی سے بولی

''بالکل، آپ کہو اور میں نہ مانوں۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔''

''تو پھر کیا ہے سرپرائز بڑی ماما؟'' اس نے اشتیاق سے پوچھا

''آپ مجھ سے پوچھتے رہتے ہو نا کہ میرے پاپا کیوں نہیں ہیں۔'' اس نے خوشگوار انداز میں کہا

''ہاں بڑی ماما۔'' اس نے حیرت اور اشتیاق سے کہا

''تو پھر آپ کے پاپا، آ گئے ہیں اور وہ بہت جلد تم سے ملنے والے ہیں۔'' اس نے ڈرامائی انداز میں کہا تو وہ انتہائی خوشی سے اچھلتے ہوئے بولا

''سچ بڑی ماما؟''

''پہلے کبھی آپ کی بڑی ماما نے جھوٹ بولا ہے؟'' وہ پیار سے سرمد کے بال سنوارتے ہوئے بولی

''نہیں بڑی ماما، آپ نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔'' سرمد نے آنکھیں پٹپٹاتے ہوئے کہا

وہ اس کے چہرے پر دبی خوشی کا اظہار دیکھتی رہی اپنے ساتھ لگاتے ہوئے بولی

''بس پھر، ایک دو دن کی بات ہے۔ آپ کے پاپا آ جائیں گے۔''

اس پر سرمد اس سے الگ ہوتے ہوئے جوش سے بولا

''تو میں نا، اپنے کلاس فیلوز کی طرح اپنے پاپا کے ساتھ باہر سیر کرنے جایا کروں گا، فاسٹ فوڈ کھانے جاؤں گا، وہ مجھے سکول لینے آئیں گے، مجھے سکول بھی چھوڑا کریں گے۔ میں ان کے ساتھ گیم بھی کھیلوں گا، نئے کارٹون بھی لوں گا ان سے۔ کتنا مزہ آئے گا نا''

سرمد کے لہجے میں جوش، خواہش اور شوق امنڈتا چلا آیا تھا۔ اس پر آیت نے سامنے بیٹھی رابعہ کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھیں بھیگی ہوئی تھیں۔ کچھ کہے بنا وہ اثبات میں سر ہلانے لگی تو آیت نے سرمد سے کہا

''بالکل ایسا ہی کرنا، بلکہ جو دل چاہے کرنا، اب جاؤ چینج کرو، پھر لنچ کے بعد باتیں کرتے ہیں۔''

''جی بڑی ماما'' اس نے کہا اور اندر کی جانب چل پڑا۔ رابعہ بھی اٹھ کر اندر کی طرف چلی گئی۔ آیت نے طویل سانس لیا اور صوفے کے ساتھ ٹیک لگا کر آنکھیں بند کر لیں۔

اس دن ذیشان رسول شاہ صاحب کے کمرے کا ماحول خوشبوؤں میں بسا ہوا تھا۔ دودھیا روشنی میں کمرے کی ہر شے روشن تھی۔ وہ صوفے پر براجمان تھے۔ ان کا چہرہ بہت تروتازہ تھا۔ بالکل سامنے کے صوفے پر طاہر بیٹھا ہوا تھا۔ طاہر کی حالت کوئی اتنی اچھی دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ یوں لگ رہا تھا جیسے وہ بنا تیاری کیے یونہی اٹھ کر آ گیا ہو۔ اس کے چہرے پر وہ بشاشت نہیں تھی جو اس کی وجاہت کا خاصہ تھی۔ شاہ صاحب اس کی طرف دیکھ کر لبوں میں مسکرا دیئے تھے۔ ان کے درمیان اِدھر اُدھر کی باتیں چل رہی تھیں۔ ان باتوں میں ایک طویل وقفہ آ گیا تو خاموشی چھا گئی۔ تب شاہ صاحب نے فرمایا

''سنائیں کیا احوال ہیں آپ کے، لگتا ہے کوئی الجھن میں ہیں آپ؟''

''جی الجھن میں تو ہوں، میں حتمی فیصلہ بھی کر چکا ہوں لیکن کہیں اندر سے مطمئن نہیں ہو پا رہا نہ جانے کیوں؟'' اس نے صاف کہہ دیا

''میں آپ کی الجھن نہیں پوچھتا اور نہ ہی ہم اس پر بات کریں گے کہ فیصلہ درست ہے یا غلط، ہاں اگر اس بارے کوئی بات کرنا چاہیں تو ہم بات کر سکتے ہیں۔'' انہوں نے متانت اور سکون سے فرمایا

ان کے یوں کہنے پر طاہر ذرا سا کسمسایا اور پھر دھیمے سے لہجے میں بولا

''کیا مستقبل میں جھانکا جا سکتا ہے؟''

''بالکل دیکھا جا سکتا ہے۔'' انہوں نے سکون سے کہا

''میں اپنے مستقبل میں دیکھنا چاہتا ہوں، کیا مجھے آپ دکھا سکتے ہیں؟'' اس نے تیزی سے پوچھا تو شاہ صاحب انتہائی سنجیدگی سے اس کی طرف دیکھنے لگے پھر لمحہ بھر بعد ہی مسکراتے ہوئے بولے

''میں دکھا سکتا ہوں یا نہیں، یہ بات اپنی جگہ لیکن آپ ایسا کیوں چاہتے ہیں؟''

''میں سمجھنا چاہتا ہوں، جو میں نے فیصلہ کیا ہے اس کے بارے میں تصدیق بھی چاہتا ہوں۔'' طاہر نے تذبذب میں کہا تو شاہ صاحب چند لمحے سوچتے رہے پھر بولے

''میں آپ کی حالت کو سمجھ گیا ہوں، کیوں نا آپ کے سوال کا جواب دینے سے پہلے ہم تھوڑی باتیں کر لیں۔''

''جی بالکل۔'' اس نے تیزی سے کہا تو شاہ صاحب بولے

''جس طرح بہت سارے پروفیشن ہیں، مطلب وکالت، تدریس، انجینئرنگ، ڈاکٹری وغیرہ یہ سارے ضرورت کے تحت وجود میں آئے۔ بحث یہ نہیں کہ یہ فطری پروفیشن ہیں یا غیر فطری، کسی بھی پروفیشن کے بارے میں حتمی نہیں کہا جا سکتا۔ لیکن۔! یہ پروفیشن اپنا وجود رکھتے ہیں اور ان کی ضرورت ہے۔ حیرت انگیز بات ہے کہ یہ کبھی نہیں ہوا کہ مدرس کی لائن کو وکیل سمجھ رہا ہے یا وکیل کے پیشے کو ڈاکٹر

جانتا ہے یا ڈاکٹر کا کام انجینئر کو آتا ہے۔ یہ سبھی ڈگری ہولڈر ہیں۔ پڑھے لکھے تعلیم یافتہ ہیں۔ لیکن، جب بھی عدالت کا کام ہوگا تو وہاں وکیل کی ضرورت پڑے گی، اس سے بھی زیادہ پڑھا لکھا پروفیسر وہاں کھڑا نہیں ہو سکتا۔ بندہ بیمار ہو جائے تو وہاں ڈاکٹر نے کام کرنا ہے، وکیل کچھ نہیں کر سکتا۔ یہ ایک نظام ہے جو قدرت کی منشاء سے بن گیا ہے۔ اس سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ بظاہر ایسا لگتا ہے کہ انسان تمام علوم پر قادر نہیں ہے۔''

''جی ایسا تو ہے۔ چاہے انسان میں باوجود تمام صلاحیتیں جو انسان کے اندر ہیں اور تربیت سے انہیں اجاگر کیا جا سکتا ہے، مگر پھر بھی وہ سارے کام نہیں کرتا۔'' اس نے سکون سے کہا

''جی بالکل، اب ہر پروفیشن بنیادی طور پر ایک ضرورت کے ساتھ جڑا ہوا ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ہر علم کی انتہا ایک جیسی ہے۔ مختلف علوم ہیں اور ان کی مختلف شاخیں ہیں۔ ایک علم کی منتہا دوسرے علم سے الگ ہے۔ دیکھیں۔! ہر انسان ایک خیال لے کر آتا ہے۔ لیکن ایسا کیوں نہیں ہے کہ ہر شخص اس خیال کی گہرائی تک پہنچ سکے؟ اب جیسے آنے وقت کا ادراک ہی لے لیں، وہ نہیں کھلتا۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ کچھ مخصوص لوگ ہیں، وہ دیکھ سکتے ہیں۔ مستقبل کے بارے میں کہی ہوئی بات پوری کی پوری سچ ثابت ہوتی ہے۔ ہمیں یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ یہ ایک مخصوص میدان ہے۔ اس مخصوص میدان میں جائے بنا اُس کی حقیقت کو نہیں پا سکتے، کیونکہ اس کا تعلق آسمانی علم سے ہے۔'' شاہ صاحب نے کہا اور چند ثانئے کو رک گئے تو اس نے سر ہلاتے ہوئے کہا

''جی بالکل، ایسا تو ہے۔''

''اب سمجھنے والی بات یہ ہے کہ جس طرح تمام علوم کی بنیاد حروف تہجی ہی سے ہوتی ہے۔ ہر زبان کی اپنے ابتدائی حروف ہیں۔ علم کی بنیاد وہیں سے شروع ہوتی ہے اور پھر آگے جا کر اس کے مفاہیم اور اصطلاحات وغیرہ بن کر مختلف ہو جاتے ہیں۔ ان کی اپنی ایک منزل بن جاتی ہے۔ جیسے ایک ڈاکٹر بننا چاہتا ہے، وہ الف بے ہی سے شروع ہوگا اور پھر وہ میڈیکل کی جانب چلا جائے گا۔ دوسرا انہی حروف کی بنیاد پر پڑھے گا اور وکیل بن جائے گا۔ بالکل ایسے ہی روحانیت یا مراقبہ ہے۔ یہ ایک ایسا علم ہے جس میں جائے بناء، اپنائے بناء اس کا حصول ناممکن ہے۔''

''اسے مشاہدہ بھی کہا جا سکتا ہے؟'' طاہر نے کہا

''جی، کہہ سکتے ہیں۔'' یہ کہہ کر وہ لمحہ بھر کو رک کے پھر کہتے چلے گئے ''علوم کے بارے میں ایک بات مزید عرض کرتا چلوں۔ وہ علوم جن کا تعلق واحد ایک علم توحید سے ہے، اس کی صورت نزول سے ہے۔ یعنی اوپر سے نیچے کی جانب۔ اور باقی کا تعلق چونکہ زمین سے ہے اس لئے وہ نیچے سے اوپر کی طرف جاتے ہیں یعنی وہ صعودی ہیں۔ یہ علوم مادی حالات میں ضرورت کے تحت پیدا ہوتے ہیں۔ یوں ان کا رُخ زمین سے اوپر کی جانب بنے گا۔ جبکہ علم توحید اوپر سے نیچے کی جانب ہے۔ یہاں میں پورے وثوق اور ذمے داری سے یہ بات کر رہا

ہوں کہ محبت اور عشق آسمانی ہیں۔اب یہ واضح ہے کہ توحید کو بیان کرنے والی صرف ایک قوت ہے اور وہ ہے عشق۔ یہ صرف زبانی نہیں بلکہ کردار سے ظاہر ہوتا ہے۔ جب عشق کے ساتھ توحید کو کردار کے ساتھ بیان کیا جائے گا تو یہ بھی آسمانی ہے۔''

''میرا سوال کچھ دوسرا تھا۔''اس نے بے چینی اور تذبذب سے کہا تو شاہ صاحب نہایت تحمل سے بولے

''یہ انسانی فطرت ہے کہ جب وہ کسی نئے سفر کا آغاز کرتا ہے تب شعوری اور لاشعوری طور پر بڑی الجھن کا شکار ہوتا ہے، بڑی کنفیوژن ہوتی ہے اُسے۔ وہ فوراً منزل کو پالینا چاہتا ہے۔ یا کم از کم اس بارے میں اطمینان حاصل کر لینا چاہتا ہے۔اور کچھ بھی نہ ہو تو وہ راہ کے بارے میں ضرور جاننے کی کوشش کرتا ہے، کسی سہولت کا متلاشی رہتا ہے۔اسی طرح جب وہ کسی نئی شے کو پاتا ہے تو اس کے بارے میں جاننے کی کوشش کرتا ہے۔ جب وہ جان لیتا ہے تو اس کی کیفیت ختم ہو جاتی ہے۔ یہ فطری بات ہے لیکن اس سے حاصل کچھ نہیں۔''

''میں سمجھا نہیں۔''اس نے الجھتے ہوئے کہا

''اصل بات یہ ہے میاں، جو شے ماضی، حال اور مستقبل پر برابر گرفت رکھتی ہے، وہی شے تینوں زمانوں میں جھانک سکے گی۔ وہی شے استعمال کریں گے تو وہ ہمیں ماضی میں بھی لے جائے گی اور مستقبل کا احوال بھی بتا دے گی۔اب دیکھنا یہ ہے کہ کون سی شے امر ہے، ہمیشہ اور قائم و دائم رہی ہے۔ جو شے ان تینوں زمانوں کا احاطہ کرتی ہے اور اگر اس بندے کو اس پر دسترس بھی ہے تو بندہ ایسی طاقت رکھتا ہے کہ وہ مستقبل میں جھانک سکے۔''

''اب وہ شے کیا ہے؟''اس نے تجسس سے پوچھا

''ہر شے میں تخریب، توڑ پھوڑ، الجھن، خلفشار ہوتا ہے۔اب دو چیزیں، مطلب زماں اور مکاں، ہم نے اسی میں ہی اسے دیکھنا ہے۔ایک شے ہے نیچر کی بارآوری، اس میں چاہے زمان و مکاں کے ساتھ تباہی بھی آجائے، تو وہ پھر بارآور ہو جاتی ہے۔ دوبارہ پیدا ہو جاتی ہے۔ جیسے انسان کا تسلسل، اشجار کا تسلسل، چیزیں تباہ بھی ہو رہی ہیں اور بن بھی رہی ہیں۔ یہ عمل کیا ہے؟ اس کی بنیاد کیا ہے؟ جو چیز اس کی بنیاد میں پڑی ہے وہ تباہ کیوں نہیں ہو رہی؟''

یہ کہہ کر شاہ صاحب نے طاہر کی جانب دیکھا تو اس نے ہولے سے کہا

''کیوں نہیں ہو رہی؟''

''اس میں جو شے پڑی ہے وہ ختم ہونے والی نہیں، وہ محض تعمیر ہے۔ نیچر کا نظام تباہ نہیں ہوتا۔ نیچر میں جو پیداوار ہے، جو بارآوری ہے وہ تباہ ہوتی ہے۔اس کی معمولی سی مثال سمجھنے کے لئے۔ ٹی وی برقرار رہتا ہے لیکن اس میں پروگرام، فلمیں بدلتی رہتی ہیں۔ زمانہ وہی ہے، زمانے کے مناظر بدلتے جا رہے ہیں۔ مناظر کے بدلنے کے ساتھ کچھ لوگ دھوکے میں ہیں کہ زمانے کی جو حقیقت ہے وہ حادثاتی ہے۔ یہ جھوٹ ہے۔ جو چیز بھی پیدا ہو رہی ہے، جس کی بھی افزائش ہو رہی ہے، وہ عشق کی وجہ ہی سے ہو رہی ہے۔ اس قوت کو آ

گے چلانے والا عشق ہے۔ عشق ہی ماضی، حال اور مستقبل پر برابر دسترس رکھتا ہے۔ اور یہ طاقت صاحبِ دل اور صاحب عشق کے پاس ہی ہوتی ہے۔ سو پہلے صاحب عشق ہونا لازم ہے۔"

"یہاں یہ بات پیدا ہو سکتی ہے دسترس رکھنے والا کوئی تبدیلی بھی کر سکتا ہے؟"

"جو شے ماضی، حال اور مستقبل کو گرفت میں رکھے ہوئے ہے، اس میں یہ اہلیت ضرور ہوتی ہے کہ وہ جزوی تبدیلی کر سکے۔ بزرگوں کی زبان میں اسے "امر" کہتے ہیں۔ کیونکہ وہ تینوں زمانوں پر حاوی ہے اس لئے اہلیت ہے۔ یہاں پر آ کر اگر آپ صاحب عشق ہو جاتے ہو تو آپ کی خواہش پوری ہو جائے گی۔ وہ تقدیر انسان کے ہاتھ میں جاتی ہے، جس کا امر ربّ تعالیٰ نے انسان کو دیا ہے۔ جس پر قلندر لاہوریؒ نے فرمایا ہے نا کہ تقدیر کے پابند نباتات و جمادات، مومن ہے فقط تقدیرِ الٰہی کا پابند۔ اگر آپ کچھ حاصل کرنا چاہتے ہیں تو صاحب عشق بنیں۔ آپ بھی مستقبل پر دسترس پا جائیں گے۔ اس وقت تمہارا مقصد تمہارے ہاتھ میں ہوگا۔ ہمت ہے تو پیدا کر فردوس بریں اپنا۔"

"کیا اس طرح سب دیکھ جا سکتا ہے؟"

"ایک کمرے میں کسی ایک شے کو دکھانے کے لئے صرف اسی پر روشنی نہیں کرتے بلکہ پورے کمرے کو روشن کرتے ہیں۔ ایک چیز کو دکھانے کے لئے پورا کمرہ روشن کرنا پڑتا ہے۔ جب تک عشق کا نور نہیں چمکتا، اس وقت تک ایک خاص شے کو نہیں دکھایا جاتا۔ یہ ایک تکنیکی بات ہے۔"

"اس طرح میں ابھی کچھ نہیں دیکھ سکتا؟"

"انسان کے بارے میں ربّ تعالیٰ نے ایک بات یہ بھی فرمائی ہے کہ وہ جلد باز ہے۔ فرض کریں میں آپ کو آپ کا مستقبل دکھا دوں، اور اس میں آپ اپنا من پسند منظر نہیں دیکھ پاتے، تب کیا آپ اپنے مقصد سے ہٹ جائیں گے۔ کیا عشق کی راہ سے ہٹ جائیں گے، اپنے ہتھیار پھینک دیں گے؟ آپ کو اپنی منزل درکار ہے یا آپ فقط قوت چاہتے ہیں، جس کے بل بوتے پر دوسرے انسانوں کو زیر کر سکیں۔ اگر آپ قوت پیدا کرنا چاہتے ہو تو اس کی نیت کیا ہے؟ اس میں نفس پڑا ہے، نفس کی گردن پر چھری نہیں پھری تو یہ پھر نری ریاکاری ہے، عشق نہیں۔"

"یہ نفس کی قربانی کیا ہے؟" اس نے سوچتے ہوئے پوچھا

"نفس کا دائرہ کار جسم سے ہے۔ مادہ اور اس کا حصول دوسرے لفظوں میں لذت۔ جب یہ کہا جائے کہ نفس کی قربانی دیدو تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ کوئی جسم کے ساتھ ہی محبت کرنے تک محدود ہے۔ اس لئے نفس کی قربانی دے کر آگے نکلنا ہے، جہاں اسے سکون کا زادِ راہ مل جائے گا، جس کی وجہ سے اسے اپنی منزل مل سکتی ہے۔"

"یہ کیسے ہوگا؟ کیا یہ مشکل نہیں ہے؟" اس نے کہا

''دیکھیں ہم نے قربانی کرنا ہوتی ہے نا تو ایک ایسا جانور لیتے ہیں جو بہت خوبصورت ہوتا ہے۔ کسی بھی خامی سے مبرا ہونا ہی قربانی کے لئے جائز سمجھا جاتا ہے۔ جس وقت ہم جانور خرید رہے ہوتے ہیں تو اس وقت ہمارے اندر کا خلوص ظاہر ہوتا ہے کہ ہم کتنے خلوص سے قربانی کا جانور لے رہے ہیں۔ کس قدر محبت سے جانور تلاش کر رہے ہوتے ہیں۔ ایک طرف رقم ہے، دوسری طرف خوبصورت جانور لینے کی نیت۔ اسی سے پتہ چل جائے گا، دراصل ہم کیا چاہ رہے ہیں؟ ہماری ترجیح کیا ہے؟ جب خوبصورت جانور کی تلاش ہوگی تو وہاں اہم رقم نہیں، بلکہ جانور کی خوبصورتی اہم ہوگی۔ ہمارے بزرگ فرماتے ہیں کہ جانور کو بھی علم ہوتا ہے کہ وہ رب تعالیٰ کے راستے میں قربان ہونے جا رہا ہے۔ وہ سمجھ بھی رہا ہوتا ہے کہ وہ درست راستے پر جا رہا ہے۔ خیر۔! اتنے اہتمام کے بعد جب ہم جانور کو قربان کرتے ہیں تو وہ تڑپتا ضرور ہے۔ کیونکہ یہ فطرت ہے۔ نفس بھی ایک خوبصورت جانور کی مانند ہے۔ تڑپتا تو ہے۔''

''جی تڑپتا تو ہے، میری کیفیت اس وقت ایسی ہی ہے، اور میں اسی الجھن کی وجہ سے ہی تو پھنسا ہوا ہوں۔'' طاہر نے تڑپتے ہوئے اپنے بارے میں بتایا تو شاہ صاحب مسکرا دیئے پھر بولے

''چلیں آپ کی الجھن دور کر دیتے ہیں۔ کیا اس طرح آپ کا تڑپنا ختم ہو جائے گا۔''

''جی بالکل، لگتا تو ہے۔'' اس نے مسکراتے ہوئے کہا

''تو پھر سوچیں، اپنی زندگی کا کوئی اہم ترین واقعہ، جس نے آپ کو بہت زیادہ متاثر کیا ہو؟'' شاہ صاحب نے کہا تو اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ اس کے ذہن کی اسکرین پر واقعہ ابھر آیا۔ تب شاہ صاحب کہنے لگے،''تم کار لئے جا رہے ہو۔ یہ وہ کار ہے جو تمہاری پسندیدہ تھی۔ اسے تم نئے اپنے بابا سے ضد کر کے لی تھی۔ سڑک ہے، دو رویہ جس پر آپ جا رہے ہو۔ تبھی سامنے سے ایک چرواہا سڑک کے دائیں جانب سے سامنے آتا ہے۔ آپ ڈرائیونگ کرتے ہوئے لڑکھڑا جاتے ہو۔ اور بھیڑ بکریوں کے اس ریوڑ پر آکے کار چڑھ جاتی ہے۔ آپ کار پر قابو نہیں رکھ سکتے ہو، اور آپ کی کار ایک درخت سے جا لگتی ہے۔ آپ بے ہوش نہیں ہوتے۔ آپ کو وہی چرواہا کار سے نکالتا ہے۔ آپ کار سے نکلتے ہو۔ جب سامنے بھیڑ بکریں خون آلود دیکھی تو آپ بے ہوش ہو گئے۔'' یہ کہہ کر شاہ صاحب رُکے تو طاہر نے آنکھیں کھول دیں۔

''بالکل ٹھیک فرمایا آپ نے۔''

''پھر آپ کو جب ہسپتال میں ہوش آیا تو وہ چرواہا بھی وہیں تھا۔ پتہ ہے آپ نے پہلا فقرہ کیا کہا تھا۔'' شاہ صاحب بولے تو اس نے تیزی سے کہا

''بس سرکار، بس میں نے جان بھی لیا اور سمجھ بھی گیا۔''

''تو پھر جھانکنا ہے مستقبل میں؟'' شاہ صاحب نے مسکراتے ہوئے پوچھا اور لمحہ بھر رُک کر اس کے چہرے پر دیکھتے رہے، کوئی جواب نہ پا کر بولے،''کیونکہ پھر اس کے لئے آپ کو اپنے عشق سے دستبردار ہونا پڑے گا۔''

”نہیں سرکار، مجھے میرا عشق چاہئے۔“ اس نے بھی مسکراتے ہوئے کہا

”جائیں پھر، آپ کا عشق سلامت ہے۔“ وہ بہت پیار اور خلوص سے بولے۔ تب طاہر اٹھ گیا۔ اس نے سلام کیا نکلتا چلا گیا۔ اس کے چہرے پر دبا دبا جوش جھلک رہا تھا۔

❁......❁......❁

عصر کا وقت تھا۔ فارم ہاؤس کے لاؤنج میں آیت النساء صوفے پر بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کے ساتھ ہی امبرین کا شوہر عدنان بیٹھے ہوئے تھے۔ جبکہ امبرین اندر کہیں رابعہ کے پاس تھی۔ اگلے صوفے پر آیت النساء کا مینجر اپنی بیوی کے ساتھ براجمان تھا۔ ایک الگ صوفے پر ایک مولانا صاحب تشریف فرما تھے۔ آیت نے سرمد کو اپنے ڈرائیور کے ساتھ بھیج دیا تھا۔ اسے ہدایت کی گئی تھی کہ وہ اسے گھمائے پھرائے، فاسٹ فوڈ کھلائے اور پھر مغرب ہوتے ہی واپس لے آئے۔ وہ نہیں چاہتی تھی کہ اس کے سامنے نکاح کی یہ تقریب ہو۔ ورنہ کتنے ایسے سوال تھے، جن کا سب کو سامنا کرنا پڑتا۔ طاہر سامنے والے صوفے پر بیٹھا تھا۔ اس کے ساتھ اس کے دونوں دوست ساجد اور منیب اس کے ساتھ ہی بیٹھے ہوئے تھے۔ انہیں آئے کچھ دیر ہی ہوئی تھی۔ ایسے انتظار کے لمحات میں امبرین اپنے ساتھ رابعہ کو لے وہیں آ گئی۔ امبرین نے اسے تھوڑا بہت تیار کر دیا تھا، ورنہ رابعہ ایسا بالکل بھی نہیں چاہ رہی تھی۔ اس نے رابعہ کو طاہر کے ساتھ بٹھایا تو آیت نے مولانا صاحب کی طرف دیکھ کر کہا

”بسم اللہ کیجئے مولانا صاحب۔“

اس کے یوں کہتے ہی لاؤنج کی فضا بدل گئی۔ ایجاب وقبول ہو گیا۔ اس سے پہلے کسی بھی شرط وغیرہ کے بارے میں مولانا صاحب نے تصدیق کر لی۔ خطبہ نکاح کے بعد دعا ہوئی۔ رابعہ یوں طاہر کے عقد میں آ گئی۔ دبی دبی مبارک سلامت ہوئی۔ نکاح نامے میں اندراج ہوا۔ رابعہ کی طرف سے مینجر اور عدنان، جبکہ طاہر کی طرف سے ساجد اور منیب گواہ ہوئے۔ اس کے ساتھ ہی امبرین نے سب کو لان میں چلنے کا کہا تو وہ اٹھ گئے۔ رابعہ اور طاہر بھی انہی کے ساتھ باہر چلے گئے۔

شام اُتر چکی تھی۔ لان میں آیت بیٹھی ہوئی سرمد کا انتظار کر رہی تھی۔ طاہر اپنے دوستوں کے ساتھ چلا گیا تھا۔ جبکہ رابعہ اندر تھی۔ تمام مہمان چلے جانے سے اب تک وہ وہیں بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ بڑے سکون سے آنے والے وقت کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ اسے احساس تھا، کہاں پر کیا ہونے والا ہے۔ یہ انسانی فطرت ہے کہ وہ اس وقت اپنے بارے میں بہت زیادہ سوچتا ہے، جب وہ تنہائی محسوس کرتا ہے۔ اس وقت اگر کوئی دوسرا اس کے بارے میں سوچتا تو نجانے کیا کیا خیال سامنے لاتا، مگر وہ اندر سے پر سکون تھی۔ اس کی نگاہ دور مین گیٹ پر تھی، جہاں سے فارم ہاؤس میں داخل ہوا جاتا تھا۔ ایسے میں طاہر کی کار آتی ہوئی دکھائی دی۔ اگلے چند منٹوں میں وہ کار پورچ میں روک چکا تھا۔ وہ کار سے اترا اور اس کی جانب دیکھنے لگا۔ ایک لمحے کو لگا جیسے وہ اس کی طرف آئے گا، مگر اگلے ہی لمحے وہ اندر کی جانب

چل دیا۔ وہ شاید اس پر سوچتی لیکن انہی لمحوں میں اس کی گاڑی گیٹ میں داخل ہوئی۔ وہ اٹھ کر پورچ کی جانب بڑھ گئی۔ جب تک وہ پورچ میں گئی، تب تک گاڑی بھی وہیں آ کر رک گئی۔ سرمد باہر نکلتے ہی بولا

''بڑی ماما، بڑی ماما، میں نے بہت سیر کی، بہت مس کیا آپ کو؟''

''کتنا مس کیا؟'' اس نے پیار سے مسکراتے ہوئے پوچھا تو وہ دونوں بازو پوری طرح پھیلا کر بولا

''اتنا!!!......''

''واؤ......اتنا مس کیا۔'' اس نے حیرت سے کہا

''جی بڑی ماما، آپ ہوتی نا تو بہت مزہ آتا۔'' اس نے جوش سے کہا

''میں نے آپ کے ساتھ ہی جانا تھا، لیکن مجھے کسی کا انتظار تھا، اس لئے رُک گئی تھی۔'' یہ کہہ کر وہ لمحہ بھر کو رکی، پھر بولی،''پتہ ہے، کس کا انتظار تھا؟''

''نہیں تو، کس کے؟ اس نے معصومیت سے پوچھا

''آپ کے پاپا کے۔'' اس نے یوں کہا جیسے اس نے کوئی بڑا راز کھول دیا ہو

''سچ میں؟ کہاں ہیں میرے پاپا؟'' اس نے یوں پوچھا جیسے اسے یقین ہی نہ آ رہا ہو۔

''اندر ہیں، لیکن جیسے میں نے کہا، سب یاد ہے نا؟'' اس نے پوچھا

''بالکل یاد ہے بڑی ماما، آئیں نا۔'' اس نے کہا اور انتہائی اضطراب میں اس کا ہاتھ پکڑ کر اندر کی جانب جانے لگا۔ وہ بھی اس کے ساتھ اندر چل دی۔

لاؤنج میں بالکل سامنے کے صوفے پر طاہر بیٹھا ہوا تھا۔ جیسے ہی سرمد لاؤنج میں داخل ہوا، وہ تیزی سے اُٹھ کر اس کی جانب بڑھا۔ سرمد بھی تیزی سے اس کی جانب گیا۔ بالکل قریب آ کر طاہر نے اپنے گھٹنے قالین پر ٹکا دیئے اور سرمد اس کے گلے لگ گیا۔ چند لمحے یونہی لگے رہنے کے بعد وہ الگ ہوتے ہوئے بولا

''پاپا، پتہ ہے، میں نے آپ کو کتنا مس کیا، پتہ ہے؟''

''ہاں، بیٹا، مجھے سب پتہ ہے، لیکن میں کیوں نہیں آ سکا، یہ ایک لمبی کہانی ہے۔ میں سب کچھ تمہیں سکون سے بیٹھ کر بتاؤں گا۔'' اس نے پیار سے اس کے چہرے پر دیکھتے ہوئے کہا

''اب تو آپ نہیں جائیں گے نا؟'' سرمد نے لرزتے ہوئے لہجے میں پوچھا

''بالکل بھی نہیں۔'' اسنے اپنے کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے کہا

''پرامس۔'' سرمد نے ہاتھ آگے بڑھاتے ہوئے کہا

''بالکل پرامس۔'' طاہر نے اس کا ننھا سا ہاتھ تھام کر اسے اپنے ساتھ لگا لیا۔ تب سرمد کہتا چلا گیا

''پتہ ہے، میرے سب دوستوں کے پاپا ہیں۔ وہ سب اپنے پاپا کی باتیں کرتے ہیں، ان کے پاپا انہیں لینے آتے ہیں، انکے ساتھ کھیلتے ہیں، انہیں باہر لے جاتے ہیں، انہیں پیار کرتے ہیں اور میں......''

''اب میں آ گیا ہوں نا، اب نہیں......'' یہ کہتے ہوئے طاہر کا لہجہ بھیگ گیا۔ آیت نے دیکھا، اس کی آنکھوں میں نمی تھی، جسے وہ چھپانے کی کوشش کر رہا تھا۔ دوسری جانب رابعہ کھڑی یہ سب دیکھ رہی تھی۔ سرمد کی جیسے ہی نگاہ رابعہ پر پڑی تو تیزی سے بولا

''ماما، اب پاپا کہیں نہیں جائیں گے۔ مجھ سے پرامس کیا ہے۔''

''ہاں، وہ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔'' رابعہ نے زبردستی مسکراتے ہوئے کہا تو سرمد نے آیت کی جانب دیکھ کر خوشی سے کہا

''تھینک یو بڑی ماما، آپ نے میرے پاپا لے کر آئے۔''

''ویلکم بیٹا۔'' اس نے خوشدلی سے کہا۔ پھر مسکراتے ہوئے بولی، ''ارے آپ کے پاپا یونہی بیٹھے ہیں، ان کے ساتھ جا کر صوفے پر بیٹھو، انہیں بتاؤ، آج کہاں گئے تھے۔''

''ہاں پاپا، آج بہت مزہ آیا۔'' سرمد نے طاہر کی طرف دیکھ کر کہا تو طاہر نے اسے اٹھایا اور ایک صوفے کی جانب بڑھ گیا۔ تب آیت نے رابعہ کی طرف دیکھا اور اس کے پاس چلی گئی۔ اس نے رابعہ کو ساتھ لیا اور باہر چل دی۔ باہر آ کر بولی

''دیکھا، سرمد کتنا خوش ہے؟''

''ہاں، بہت خوش، آج مجھے......'' اس نے کہنا چاہا لیکن آیت نے اس کے ہونٹوں پر ہاتھ رکھ دیا، پھر نرم لہجے میں بولی

''نہیں، ایسا نہیں، میں نے سمجھایا ہے نا تمہیں۔''

اس کے یوں کہنے پر رابعہ خود پر قابو پاتی رہی، پھر اپنے آنسو صاف کر کے مسکراتے ہوئے بولی

''تمہارا بہت شکریہ، تم نے سرمد کو یوں مانوس کر دیا، ورنہ میں شاید ایسا نہ کر سکتی۔''

''تمہیں فکر کرنے کی ضرورت نہیں، میں سب سنبھال لوں گی۔'' آیت نے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ اس نے سر جھکا کر اثبات میں سر ہلا دیا۔

❁......❁......❁

فارم ہاؤس پر سناٹا طاری تھا۔ رات کا پہلا پہر گذر چکا تھا۔ رابعہ اپنے کمرے میں تھی۔ وہ بیڈ کے ایک کونے میں سمٹ کر بیٹھی ہوئی تھی۔ وہاں کی ہر شے کل ہی آیت کے کہنے پر بدل دی گئی تھی۔ جس طرح اس کی زندگی کے حالات بدل گئے تھے۔ اس نے کبھی سوچا

بھی نہیں تھا کہ وقت یوں اسے اس طرح کے موڑ پر لے آئیں گے جہاں اُس کی سوچیں تک تبدیل ہو کر رہ جائیں گی۔ اس نے کب سوچا تھا کہ وہ شادی کرے گی یا پھر طاہر جیسا نوجوان ہی اس سے شادی کرے گا۔ وہ عمر میں چاہے اس کے برابر تھی لیکن عام حالات میں ایسا ممکن ہی نہیں تھا۔ یہ سب آیت ہی کی وجہ سے ہوا تھا۔ وہ آیت کے احسانوں تلے دبی ہوئی تھی۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ اس نے انہی احسانوں کا بدل لیا تھا۔ وہ جانتی تھی اور سمجھتی بھی تھی کہ آیت کا سرمد سے عشق کی حد تک تعلق ہے۔ ساری دنیا ایک طرف اور سرمد کی خواہش ایک جانب، وہ ہر حال میں اسے پورا کرتی رہی تھی۔ یہ ممکن ہی نہیں تھا کہ وہ سرمد کی کوئی خواہش ٹال سکے۔ اس وقت بھی سرمد اس کے پاس دوسرے کمرے میں تھا۔ وہ نجانے اُسے کون کون سی کہانیاں سنا رہی تھی۔ وہ اس کے ساتھ بالکل بچہ بنی ہوئی تھی۔

ڈنر کے بعد طاہر نجانے کہاں نکل گیا تھا۔ تب تک رابعہ بھی انہی کے پاس بیٹھی رہی۔ جیسے ہی پتہ چلا کہ طاہر آ گیا ہے اور لاؤنج میں بیٹھا ہوا ہے۔ اسی وقت آیت نے رابعہ کو اپنے کمرے میں جانے کا کہہ دیا تھا۔ رابعہ کے لئے اپنے ہی کمرے تک کا سفر ایک نئے جہاں تک جانے کا سفر لگا تھا۔ اس کی بھی بالکل وہی حالت تھی جو کسی انجان مسافر کو کسی نئے راستے پر سفر کرنے سے ہوتی ہے۔ وہ خود میں انتہائی بے بسی محسوس کر رہی تھی۔ ایسا صرف اس وجہ سے تھا کہ ایک انجانا خوف اس پر مسلط تھا۔ نجانے میں اس سفر پر چل بھی سکوں گی یا رستے ہی میں ڈھیر ہو جاؤں گی۔ میں اگر خود ہی ساتھ نہ دے سکی تو کیا سوچا جائے گا؟ ایسے بے شمار خیال اُسے گھیرے ہوئے تھے۔ وہ چونکی اس وقت جب دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی۔ پھر دروازہ کھلا اور طاہر اندر آ گیا۔ وہ دھیمے قدموں سے چلتا ہوا بیڈ کے دوسرے کونے پر بیٹھ گیا۔ وہ مزید سمٹ گئی۔ اسے گھبراہٹ ہونے لگی۔ یہ احساس اس پر چھانے لگا کہ میں کہاں اور طاہر کہاں؟

''کیسی ہیں آپ؟'' طاہر کی آواز نے خاموشی کو توڑ کر رکھ دیا۔ وہ چند لمحے سمجھ ہی نہ سکی، پھر جب سمجھ تو تیزی سے بولی

''مم...... میں...... ٹھیک ہوں۔''

''دیکھیں رابعہ! نکاح سے پہلے آپ جو بھی تھیں، لیکن اس وقت یہ حقیقت ہے کہ آپ میری بیوی ہو، میری عزت، میری شریک حیات۔'' یہ کہہ کر وہ چند لمحے خاموش رہا پھر کہتا چلا گیا ''ہماری شادی جن حالات میں ہوئی، جیسے بھی ہوئی، وہ اب ماضی ہے۔ اب ہمیں مستقبل میں جانا ہے، اور ہم نے آگے ہی کے بارے میں سوچنا ہے۔ میں جانتا ہوں کہ آنے والے وقت میں بہت ساری مشکلیں ہو سکتی ہیں۔ لیکن جو بھی مشکل ہو گی اسے اب ہم دونوں نے مل کر ہی آسان بنانا ہے۔''

''جی بالکل۔'' اس نے سر نیہوڑے جواب دیا

''میں پوری کوشش کروں گا کہ آپ کو وہ عزت، مان اور احترام دے سکوں جو میری بیوی ہونے کے شان شایان ہے۔ وقت کا کوئی بھروسہ نہیں، کب کیسا آ جائے۔ اب ہمارے دکھ اور سکھ سانجھے ہیں۔ میں پوری کوشش کروں گا کہ آپ کو خوشیاں دے سکوں۔'' اس نے دھیمے لہجے میں کہا تو رابعہ کے من میں کہنے کے لئے بہت کچھ ہونے کے باوجود وہ کچھ نہیں کہہ پا رہی تھی۔ بہت حوصلہ کر کے اس نے

اٹکتے ہوئے کہا

''میں بھی...... پوری کوشش کروں گی...... آپ کو کسی قسم کی کوئی......شکایت نہ ہو۔''

''آپ کوئی جواب دہ نہیں ہو میرے سامنے، بس یہی کہ شوہر اور بیوی کے حقوق کو سامنے رکھتے ہوئے، ہمارے درمیان کوئی الجھن نہ ہو، بس اتنا ہی۔''اس نے کہا

''جی بالکل۔''رابعہ پھر اسی دھیمے سے لہجے میں بولی

تبھی ان دونوں کے درمیان خاموشی آ گئی۔ چند منٹ یونہی گزر گئے۔ تبھی طاہر نے اپنی جیب سے نفیس قسم کی دو سرخ رنگ کی ڈائریاں نکالیں۔ ایک ڈائری اس نے اپنے پاس رکھی اور دوسرے اس کی جانب بڑھاتے ہوئے کہا

''رابعہ۔! یہ محض ایک ڈائری نہیں، بلکہ اپنے احساس کا وہ آئینہ ہے، جس میں ہم نے اپنے آپ کو خود دیکھنا ہے۔''

''وہ کیسے؟''رابعہ نے ڈائری پکڑتے ہوئے پوچھا

''یہ اس وقت بالکل کوری ہے، اس پر کچھ بھی نہیں لکھا ہوا، ایک لفظ بھی نہیں لکھا ہوا اس پر لیکن۔! اگر آپ کے من میں، میرے بارے میں کوئی بھی منفی احساس ابھرے تو اس پر لکھ دیں۔ لکھا ہوا یہ احساس صرف آپ ہی کے دیکھنے کے لئے ہوگا، میں اسے کبھی نہیں دیکھوں گا۔ ایسی ہی دوسری ڈائری میرے لئے ہے۔''طاہر نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا

''یہ ایسا کیوں؟''اس نے جھجکتے ہوئے پوچھا، اسے سمجھ ہی نہیں آئی تھی۔

''میں نے کہا نا کہ یہ محض ڈائری نہیں، بلکہ ہمارے احساس کا وہ آئینہ ہوگا، جس میں ہم نے اپنے آپ کو خود دیکھنا ہے۔''طاہر نے بات دہرائی تو اس نے کچھ سمجھتے اور کچھ نہ سمجھتے ہوئے ڈائری پکڑتے ہوئے کہا۔

''جی جیسا آپ کہیں۔''

''میں کوئی بھی دعوی یا وعدہ نہیں کرتا یہ وقت بتائے گا، میں یہ ڈائری خالی رکھنے کی کوشش کروں گا، جسے میں نے کبھی نہیں دیکھنا۔''طاہر یہ کہتے ہوئے اٹھ گیا۔ اس نے اپنا کوٹ اتار کر ادھر اُدھر دیکھا تو رابعہ نے اٹھ کر وہ کوٹ لے لیا تاکہ رکھ سکے۔

❁......❁......❁

طاہر کی شادی اور وہ بھی رابعہ جیسی عورت سے؟ یہ اطلاع سن کر سکندر حیات کی حیرت کا کوئی ٹھکانہ ہی نہیں رہا تھا۔ وہ سرتاپا غصے میں لرز رہا تھا۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ جو اس نے سنا ہے وہ جھوٹ ہو جائے۔ اس حقیقت کو نہ اس کا دل مان رہا تھا اور نہ ہی دماغ تسلیم کر رہا تھا۔ مگر طاہر کی شادی، ایک اٹل حقیقت کی طرح اس کے سامنے تھی، جسے وہ جھٹلا ہی نہیں پا رہا تھا۔ وہ سنسناتے ہوئے دماغ اور اتھل پتھل ہوتے ہوئے دل کے ساتھ حویلی کے پچھواڑے کاریڈور میں بڑے اضطراب میں ٹہل رہا تھا۔ اس کے دماغ میں صرف یہی سوچ تھی

کہ طاہر نے یہ کیا کر دیا؟ یہ خبر گویا سکندر حیات کے لئے ایسی ناکامی تھی، جس سے اس کا سارا سنگھاسن ہی ڈول گیا تھا۔ چاہے تھوڑے سے علاقے پر ہی سہی اس کے راج پاٹ کی باگ ڈور اسے ہاتھ سے کھسکتی ہوئی محسوس ہوئی۔ اس نے جو اپنا رعب داب قائم کر رکھا تھا، وہ سرے سے ختم ہوتا ہوا دکھائی دے رہا تھا۔ وہ پھر بھی ٹوٹ گیا تھا جو رکنیت ختم ہو جانے کے باوجود بھی قائم تھا۔ اس کا دماغ ماؤف ہو گیا تھا۔ اسے سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے؟ یہی سوچ سوچتے ہوئے دن کا پہلا پہر گذر گیا تھا۔

''سردار صاحب۔! یہ چائے ہی پی لیں۔'' بلقیس بیگم کی آواز پر اس نے مڑ کر دیکھا، اس کے ہاتھ میں ایک ٹرے پکڑی ہوئی تھی، جس میں چائے کے ساتھ کافی لوازمات تھے۔ ایک ثانئے کو اسے سمجھ ہی نہیں آیا کہ کہا کیا گیا ہے، وہ خاموش رہا تو وہ بولی، ''آپ نے صبح سے کچھ نہیں کھایا، پلیز۔'' اس بار اس کے لہجے میں لجاجت تھی۔ سکندر حیات نے یوں سنا جیسے یہ بات کسی دوسرے کو کہی گئی ہو۔ وہ مڑا اور قریب پڑی بید کی کرسی پر ڈھیر ہو گیا۔ وہ اضطرابی انداز میں اپنا ماتھا مسل رہا تھا۔ بلقیس بیگم نے اپنے ہاتھ میں پکڑی ہوئی ٹرے پاس دھرے میز رکھی اور خود دوسری کرسی پر بیٹھتے ہوئے بولی، ''آپ نے ملازموں کو کئی بار منع کیا، باہر کیا تاثر جا رہا ہوگا، میں خود اس لئے لے کر آئی ہوں کہ......''

''بیگم یہ سوچو، جب یہ خبر پورے علاقے میں پھیل جائے گی تو کیا ہوگا۔ تب لوگ کیا کہیں گے۔ دو، دو ٹکے کے لوگ، تھڑوں پر، دکانوں پر، کھیتوں میں، تھانے کچہریوں میں، سڑکوں پر۔ محفلوں میں نجانے کہاں کہاں ہمارے بارے میں کیا کیا باتیں کریں گے، اس وقت کی سوچو۔ کیا عزت رہ جائے گی ہماری؟'' سردار سکندر حیات جیسے پھٹ پڑا تھا۔ بلقیس بیگم چند لمحے خاموش رہی پھر بڑے تحمل سے بولی

''آپ کچھ بھی کھائیں پئیں گے نہیں تو کیا ہونی کو ٹال لیں گے؟ کیا اس طرح مسئلہ حل ہو جائے گا؟ کیا حقیقت بدل جائے گی؟''

''کیا کروں میں......؟'' اس نے انتہائی مایوسانہ لہجے میں کہا

''آپ کچھ بھی نہ کریں، فی الحال آپ تھوڑا کھائیں پئیں، پھر میں آپ کو بتاتی ہوں کہ کرنا کیا ہے۔'' بلقیس بیگم نے لوازمات سے بھری پلیٹ اٹھا کر سکندر حیات کی جانب بڑھائی۔ اس نے پلیٹ میں سے ایک بسکٹ لے لیا۔ اس دوران بلقیس بیگم نے چائے پیالی میں ڈال رہی تھی کہ سکندر حیات نے کہا

''کوئی حل ہے تمہارے پاس؟''

''بتاتی ہوں نا۔'' یہ کہتے ہوئے اس نے پیالی اسے تھما دی۔

''کہو؟'' وہ بے چینی سے بولا

''دیکھیں۔! یہ اطلاع آپ کو ساجد نے دی ہے، اور اس نے یہ کہا ہے کہ یہ بات انہی چند لوگوں تک محدود ہے، جو اس نکاح میں شامل تھے۔ مطلب بات ابھی اپنے ہاتھ ہی میں ہے۔'' بلقیس بیگم نے بڑے سکون سے کہا تو اس نے تیزی سے پوچھا

''یہ تم کیسے کہہ رہی ہو؟''

''میں نے ساجد سے بڑی تفصیل کے ساتھ بات کی ہے۔اس سے سب پوچھا ہے اور اسے تلقین بھی کر دی ہے کہ یہ بات کسی سے مت کہے، بلکہ دوسروں کو بھی سمجھا دے۔'' بلقیس بیگم نے تحمل سے کہا

''اس سے کیا ہوگا؟'' اس نے پوچھا

''اس سے یہ ہوگا کہ بات نکلے گی نہیں، انہی چند لوگوں تک محدود رہے گی۔تب تک اس مسئلے کا کوئی نہ کوئی حل تو نکل آئے گا۔'' بلقیس بیگم نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا

''کیا حل نکلنا ہے؟ کیا ہو سکتا ہے اب؟ وہ......'' سکندر حیات نے غصے میں لرزتے ہوئے کہا

''اس سے تو پوچھیں، ایسی کیا افتاد پڑ گئی تھی اسے، کیا ہوا؟ کچھ اس کی بھی سن لیں؟'' اس بار بلقیس بیگم نے ذرا سے سخت لہجے میں کہا تو سکندر حیات چند لمحے خاموش رہا، پھر بولا

''اسے کیا مجبوری ہو سکتی تھی؟''

''میں نے طاہر کو بلوایا ہے، وہ ابھی آنے والی فلائٹ میں یہاں آ رہا ہے، میرا اس سے مسلسل رابطہ ہے۔اس سے بات کرتے ہیں، مجھے یقین ہے کوئی نہ کوئی راستہ نکل ہی آئے گا۔'' اس نے تحمل سے بتایا

''اس سے بات کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا بلقیس بیگم،اس نے اگر ہماری بات رکھنا ہوتی تو یہ کام ہی نہ کرتا۔جس سے ہماری جگ ہنسائی ہونے والی ہے۔'' اس بار اس کا لہجہ مایوسانہ تھا

''بات کرتے ہیں ابھی، لیکن آپ ذرا اپنے غصے پر قابو رکھئے گا۔آپ بھی جانتے ہیں کہ اس طرح کے معاملات میں کتنا تحمل اور برداشت سے کام لیا جاتا ہے۔'' بلقیس بیگم نے دبے ہوئے لہجے میں سمجھاتے ہوئے کہا تو سکندر حیات نے سوچتے ہوئے اس کی طرف دیکھا، کچھ کہنا چاہا لیکن خاموشی سے دیکھتا رہا۔یہی وہ لمحات تھے، جب وہ اٹھ گئی۔اسے اپنے شوہر کی طبیعت کا اندازہ تھا۔

سکندر حیات تنہا بیٹھا سوچتا رہا۔وہ سوچ کا ایک سرا پکڑتا اور دور تک چلا جاتا۔کوئی سرا ابھی ایسا نہیں تھا جہاں بچاؤ کی کوئی صورت ہوتی۔ ہر ایک سرے کے آخر پر اسے یہی لگتا کہ رابعہ نہیں ہونی چاہئے۔رابعہ کا وجود اسے اپنے لئے تباہی لگ رہا تھا۔ایسی تباہی جس میں اسے اپنا سب کچھ ختم ہوتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔وہ انہی سوچوں میں الجھا ہوا تھا کہ بلقیس بیگم کے ساتھ طاہر آتا ہوا دکھائی دیا۔طاہر نے سلام کیا، جس کا جواب سکندر حیات نے نہیں دیا۔وہ گھورتی ہوئی نگاہوں سے طاہر کو دیکھتا رہا۔وہ دونوں خاموشی سے آ کر پاس دھری کرسیوں پر بیٹھ گئے تو سکندر حیات نے اس کی طرف دیکھا اور بڑے گھمبیر لہجے میں پوچھا

''طاہر۔! کیا میں یہ سمجھ لوں کہ اب تمہیں میری ضرورت نہیں رہی؟''

''میں سمجھا نہیں آپ یہ کیا کہہ رہے ہیں؟'' اس نے نہایت مودب لہجے میں جواب دیا

''تمہیں اگر ہماری ضرورت ہوتی تو کم از کم ایک گھٹیا سی کم ذات عورت کے ساتھ شادی کرنے سے پہلے ایک بار پوچھ ہی لیتے۔ یہ کیا تماشا کھڑا کر دیا ہے تم نے؟ اگر شادی ہی کرنا تھی تو کسی معقول لڑکی سے کرتے، یوں ایک کم ذات سی بیوہ عورت سے کرنے کا مطلب کیا ہے؟'' سکندر حیات گویا پھٹ پڑا۔ جس پر طاہر نے ساری بات خاموشی اور سکون سے سنی، پھر اسی مودب لہجے میں بولا

''کیا رابعہ کا کم ذات ہونا، بیوہ ہونا ہی آپ کے معیار پر نہیں اترا؟''

''تم پاگل ہو؟ کیا تمہارے لئے رشتوں کی کمی تھی، آیت النساء جیسی لڑکی تمہیں مل سکتی تھی؟ تم احسان فراموش، اگر اس کے ساتھ شادی نہیں کرنا تھی تو کوئی اور اچھے خاندان کی، اچھی لڑکی سے شادی کرتے، اس سے شادی کی ہمارے ہی ملازمین کی ایک بیوہ عورت ہے؟'' وہ غصے میں کہتا چلا گیا تھا۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ ہوا پنے غم و غصے کا کیسے اظہار کرے۔ جس پر طاہر نے پرسکون لہجے میں کہا

''بابا۔! ہر کسی کے لئے اپنا اپنا بہترین معیار ہوتا ہے۔ رابعہ ایک انسان ہے، باقی ساری ہماری سوچیں ہیں۔ وہ میرا بہترین معیار بن گئی اور میں نے اس سے شادی کر لی۔''

''ایک بیوہ سے جس کا ایک بیٹا بھی تمہیں جہیز میں ملا؟'' سکندر حیات نے نفرت سے کہا

''بیوہ سے شادی کرنا، کیا ہمارے دین میں منع ہے؟ کیا یہ ہمارے نبی ﷺ کی سنت پاک نہیں؟ باقی رہی ذات پات کی، تو یہ بھی ہم نے بنائے ہیں، ہمارے دین میں تو اس کی کوئی گنجائش نہیں، وہ دین جو انسانیت کی بنیاد پر کھڑا ہے، وہ انسان میں نفرت کیسے پیدا کر سکتا ہے۔'' طاہر نے مودب اور پرسکون لہجے میں جواب دیا

''اب تمہارے پاس اپنی بے وقوفی کا کوئی جواز نہیں رہا تو تم مذہبی باتوں کا سہارا لے رہے ہو، ایسا وہ لوگ کرتے ہیں، جن کے پاس اپنے کسی عمل کی کوئی دلیل نہیں ہوتی۔ اور پھر میں تمہاری دلیلیں کیوں سنوں؟ مجھے میرے سوال کا جواب دو کہ تمہیں اب ہماری ضرورت نہیں رہی؟'' سکندر حیات نے انتہائی غصے میں حقارت سے کہا تو بلقیس بیگم نے دبے سے لہجے میں بات کو سنبھالا دیتے ہوئے کہا

''سردار صاحب۔! آپ اس سے یہ تو پوچھیں آخر کیا مجبوری تھی، جس کی وجہ.....''

''مجھے کوئی مجبوری نہیں تھی۔ یہ شادی میں نے اپنی مرضی سے کی ہے۔'' وہ سکون سے بولا

''کیوں؟ ایسا کیوں کیا؟'' بلقیس بیگم نے پوچھا

''مجھے کوئی مجبوری نہیں تھی اور مجھے نہ کسی کا دباؤ، یہ میرا اپنا ذاتی فیصلہ ہے۔ اور میں اپنے اس فیصلے پر بہت خوش ہوں۔'' وہ مطمئن انداز میں بولا تو سکندر حیات غصے کی انتہا میں بھڑک اٹھا

''یہ کیا کہہ رہے ہو تم؟ تمہارے اس ذاتی فیصلے سے کیا کچھ ہونے والا ہے، کیا تم اس کا تصور کر سکتے ہو، ہم نے عوام کے سامنے جانا ہے، ایک اسٹیٹس ہے تمہارا، تم جذباتی فیصلے نہیں کر سکتے ہو، یہ جانتے ہو تم؟ ہمارا سب کچھ ختم ہو جائے گا، سیاست تو جائے گی بھرم بھی ختم

ہو جائے گا۔''

''یہ اگر ہم چاہیں گے تو، ورنہ کسی کو ہمارے ذاتی فیصلوں سے کیا غرض۔''اس بار طاہر نے لاپرواہی سے کہا تو بلقیس بیگم بولیں

''ایسے نہیں طاہر بیٹا، تم یوں خاندان کی مٹی نہیں رول سکتے، کبوتر کی طرح آنکھیں بند کر کے خطرے کو نہیں ٹال سکتے ہیں۔ ہونا وہی ہے، جو تمہارے بابا کہہ رہے ہیں۔ نجانے تمہاری سوچنے سمجھنے کی صلاحیت کیوں کھو گئی ہے۔''

''اماں مجھے کچھ بھی نہیں ہوا، اور نہ ہی ایسی ویسی بات ہو گی۔ ہماری کسی سیاست کو کوئی خطرہ نہیں ہو گا، آپ اطمینان رکھیں۔ خواہ مخواہ پریشان نہ ہوں۔''اس نے تسلی دیتے ہوئے کہا

''بیگم۔! یہ کیا ہمیں سبق پڑھا رہا ہے؟ من مانی کرنے کا مطلب یہ نہیں کہ تم خاندان کی ناک ڈبو دو، کچھ بھی ہے، تم فوراً اس عورت کو طلاق دو، یہ میرا حکم ہے؟''سکندر حیات نے غصیلے لہجے میں حتمی انداز میں کہا

''نہیں بابا آپ ایسا مت کہیں، میں نے اس سے شادی اس لئے نہیں کی کہ اُسے طلاق دے دوں، اس سے شادی کرنا میری مرضی تھی، اس کی نہیں۔ ایسا نہیں ہو سکتا۔''اس نے انکار میں سر ہلاتے ہوئے کہا

''تو پھر ہمارا تم سے کوئی تعلق نہیں ہے۔''اس نے انتہائی غصے میں حقارت سے کہا

''سردار جی یہ کیا کہہ رہے ہیں، آپ؟ ایسا ممکن......''بلقیس بیگم نے کہا تو وہ بولا

''ہر شے ممکن ہے، میں مرا نہیں ابھی سنبھال لوں گا سب کچھ، جاؤ تمہاری کوئی ضرورت نہیں۔''اس نے انتہائی دکھ سے کہا اور اٹھ کر وہاں سے چل دیا۔ بلقیس بیگم ہونقوں کی مانند اسے دیکھتی ہی رہ گئی۔ کافی دیر بعد جب اسے ہوش آیا تو طاہر کی جانب دیکھ کر بولی

''اب بھی وقت ہے، منالو اپنے بابا کو، ورنہ سب ختم ہو جائیگا۔''

''کچھ نہیں ہو گا۔ میں رابعہ کو نہیں چھوڑ سکتا۔ بابا کو سمجھائیں وہ ضد نہ کریں۔ میں دیکھ لوں گا سب۔'' طاہر نے سکون سے کہا

''نہیں بیٹا، تمہیں رابعہ کو چھوڑنا ہی ہو گا۔ جاؤ اسے طلاق دو، پھر ہم سے ملنا۔''بلقیس بیگم نے دل کڑا کر کے اسے کہا اور آنکھوں میں آئے آنسو پونچھتے ہوئے اٹھ گئی۔

''اماں آپ تو......'' طاہر نے کہنا چاہا مگر وہ سنی ان سنی کرتے ہوئے چلی گئی۔ طاہر بھی اٹھ گیا۔ اس نے اسی فلائٹ سے واپس جانے کا فیصلہ کر لیا، جس میں وہ آیا تھا۔

❁......❁......❁

شام ہونے کو تھی۔ سورج مغرب میں چھپ جانے کو بے تاب تھا۔ زرد کرنیں پورچ میں پڑ رہی تھیں۔ دادا لان میں بیٹھے کافی دیر سے آیت کا انتظار کر رہے تھے۔ انہیں یہ تو پتہ چل گیا تھا کہ وہ دفتر سے نکل آئی ہے۔ مگر ابھی تک وہ پہنچ نہیں پائی تھی۔ اس وقت وہ یہی سوچ

رہے تھے کہ فون کر کے پتہ کریں، انہی لمحات میں آیت کی کار پورچ میں آ کر رکی۔ وہ اٹھ کر اس کی جانب چل دیئے۔ ڈرائیور کے دروازہ کھولنے سے پہلے ہی وہ کار سے باہر آ گئی۔ سارا دن آفس میں مصروف رہنے کے باوجود وہ فریش لگ رہی تھی۔ اس کی نگاہ دادا پر پڑی، جو اس کی جانب بڑھتے چلے آ رہے تھے، وہ رُک گئی۔ قریب آتے ہی اس نے سلام کیا تو دادا نے سلام کا جواب دینے کے بعد پوچھا

''اتنی دیر کر دی آج؟''

''بس دادو، کچھ کام ایسے تھے، بس کل سے بڑی فرصت ہوگی۔'' اس نے خوش ہوتے ہوئے کہا

''کل ایسا کیا ہے؟'' دادا نے پوچھا تو آیت نے ان کا ہاتھ تھام کر اندر کی جانب بڑھتے ہوئے کہا

''یہ کل ہی بتاؤں گی۔ پھر آپ کے ساتھ بہت سارا وقت گذرا کرے گا۔ بلکہ میں خود آپ کو کھانے بنا بنا کر کھلایا کروں گی۔''

''یہ تو بڑی بات ہے۔ میری بیٹی مجھے اتنا وقت دے گی۔'' وہ خوشی سے بولے۔ لاؤنج میں آ جانے کے بعد دادا جی ایک صوفے پر بیٹھ گئے تو آیت اندر جانے لگی۔ تب انہوں نے کہا، ''بیٹا میرے پاس کچھ دیر بیٹھو، میں تم سے بات کرنا چاہ رہا ہوں۔''

''جی دادو، کہئے کیا بات ہے۔'' وہ اسی لمحے صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولی تو چند لمحے خاموش رہنے کے بعد بولے

''آیت بیٹا۔! میں جتنا اس بات پر خوش تھا کہ تمہاری شادی طاہر سے ہونے والی، اب طاہر کی رابعہ سے شادی ہو جانے کے بعد مجھے بہت زیادہ دکھ ہوا ہے، یوں سمجھو شاک لگا ہے۔''

''آپ کو ایسا نہیں سوچنا چاہئے دادو۔'' اس نے نرمی سے کہا

''بہت سارے رشتے آئے، بات ہوئی، بات ختم ہو گئی، وہ سب روٹین میں تھے، لیکن تمہارے طاہر سے تعلق کے بارے میں جان کر، ان کے والدین کا ہمارے ہاں آنا، یہ سب بہت دُکھ دے رہا ہے۔'' ان کے لہجے میں حد درجہ غم چھلک رہا تھا۔ وہ یہ سب سن کر اٹھی اور ان کے پاس چلی گئی۔ پھر ان کا ہاتھ تھام کر بولی

''دادو، میرا اور طاہر کا تعلق، صرف اتنا ہے کہ ہمارے درمیان ایک اچھا تعلق ہے۔ اس کے سوا کچھ نہیں۔ رابعہ سے شادی میری مرضی سے ہوئی۔ میں نے اسے کہا۔ وہ تو مجھ سے شادی کرنا چاہتا تھا، میں یہ بات اس لئے بتا رہی ہوں کہ آپ کو غلط فہمی نہ ہو۔''

''میں جانتا ہوں، مجھے سب پتہ چل گیا ہے۔ میں وہ وجہ بھی سمجھ سکتا ہوں، جس کی وجہ سے تم نے رابعہ کا گھر بسا دیا۔ لیکن بیٹا، اس کے لئے اور بہت اچھے لوگ مل سکتے تھے۔'' دادا نے اپنی بات کہی

''دادو آپ وہ باتیں نہیں سمجھ سکیں گے۔ خیر آپ پریشان نہ ہوں۔ میں......'' اس نے کہنا چاہا تو دادا نے انتہائی حسرت سے پوچھا

''بیٹا کیا میرا پریشان ہونا فطری نہیں ہے؟''

''ہے، مگر جب میں مطمئن ہوں تو......'' اس نے کہتے ہوئے اپنی بات اُدھوری چھوڑ دی

''نہیں بیٹا، میں انسان ہوں، میں سوچتا ہوں، میرے بھی جذبات ہیں، احساس ہیں۔'' انہوں نے دکھی انداز میں کہا تو آیت چند لمحے سر جھکائے خاموش رہی پھر ایک دم سے ہنستے ہوئے بولی

''تو پھر آپ ایسا کریں، پھر سے ایک نیا رشتہ تلاش کریں۔ مجھے یقین ہے کہ اس بار ہماری بات بن جائے گی۔''

آیت نے ان کا موڈ ٹھیک کرنے کے لئے ایک کوشش کی تھی جو بار آور ثابت نہ ہو سکی۔ دادا نے اس کی طرف دیکھ کر کہا

''میری ایک بات مانو گی بیٹا؟''

''بالکل، کیوں نہیں، آپ کہیں۔'' اس نے جلدی سے کہا

''پہلے وعدہ کرو کہ مانو گی؟'' انہوں نے زور دیتے ہوئے کہا

''بالکل، سو فیصد پکا، بالکل مانوں گی، آپ بولیں۔'' اس نے یقین دلاتے ہوئے کہا

''ٹھیک ہے، میں کل بتاؤں گا، جب تم مجھے یہ بتاؤ گی کہ اب تمہیں بالکل فرصت ہے، ٹھیک؟'' انہوں نے کہتے ہوئے پوچھا تو آیت ان کے ساتھ لگ کر بولی

''بالکل ٹھیک۔''

''چلو جاؤ، فریش ہو جاؤ، پھر ڈنر لیتے ہیں۔'' دادا نے کہا تو وہ اٹھ کر اندر کی جانب چل دی۔ دادا اسے جاتے ہوئے دیکھتے رہے پھر گہری سوچ میں کھو گئے۔

اگلی صبح آیت النساء بڑے مطمئن انداز میں آفس کے لئے پہنچی تھی۔ اس کا ذہن ہر طرح کی سوچوں سے آزاد تھا۔ صرف ایک ہلکی سی الجھن تھی جو گذشتہ شام دادا جی سے باتیں کرتے ہوئے اس میں دماغ میں کہیں پھر رہی تھی۔ اسے دادا جی کی اس بات سے اتنا تجسس نہیں تھا کہ وہ اپنی کون سی بات منوانا چاہ رہے تھے بلکہ اس پر تھوڑی الجھن تھی کہ وہ اس کی وجہ سے دُکھ محسوس کر رہے ہیں۔ انہیں ایسا نہیں سوچنا چاہئے تھا۔ وہ جانتی تھی دادا کیا سوچ رہے ہیں۔ اس نے ارادہ کر لیا تھا کہ وہ اپنے دادو کو خوش رکھنے کی کوشش کرے گی۔ وہ یہی سوچتی ہوئی اپنے آفس میں آ کر صوفے پر بیٹھ گئی۔ اس نے وال کلاک پر نگاہ ڈالی۔ ایسے میں آفس بوائے اس کے سامنے آ گیا۔ تبھی آیت نے اس سے کہا

''اچھی سی چائے بناؤ۔''

''جی بہتر۔'' یہ کہہ کر وہ واپس پلٹ گیا۔

ابھی اسے گئے چند منٹ ہی ہوئے ہوں گے کہ طاہر اس کے آفس میں آ گیا۔ اس کے چہرے پر دھیمی سی مسکراہٹ، چال میں تمکنت اور انداز میں بردباری تھی۔ اس نے سیاہ شلوار قمیص کے ساتھ براؤن کوٹ پہنا ہوا تھا۔ وہ علیک سلیک کرتے ہوئے ساتھ پڑے صوفے پر بیٹھ گیا۔ تبھی آیت نے عام سے انداز میں پوچھا

''کل تم اچانک بہاول پور چلے گئے، خیریت تو تھی؟''

''کچھ خاص نہیں، بابا نے بلایا تھا، خیر تم کہو خیریت تھی جو یوں بار بار کال کر رہی تھی؟'' اس نے ساری بات کو چھپاتے ہوئے بڑے نارمل انداز میں پوچھا تو آیت نے مسکراتے ہوئے کہا

''ہاں وہ کہتے ہیں نا کوئی کام ادھورا نہیں کرتے، اس لئے میں نے بلایا تھا کہ وہ کام پورا کرو۔''

''کون سا ادھورا کام جو پورا کرنا ہے؟'' اس نے بھنوئیں اُچکاتے ہوئے پوچھا

''جب رابعہ اور سرمد کی ذمہ داری تم نے لے لی ہے تو اب اس کا بزنس بھی سنبھالو، سرمد کا بزنس، جسے میں اب تک دیکھ رہی ہوں۔'' آیت نے سکون سے کہا

''سرمد کا بزنس، میں سمجھا نہیں؟'' اس نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے پوچھا

''اس میں نہ سمجھنے والی بات کیا ہے۔ یہ بزنس سرمد کا ہے۔'' آیت نے سمجھانے والے انداز میں کہا، اس پر طاہر نے ایک طویل سانس لی، پھر نرم لہجے میں بولا

''وہ ایک چھوٹا سا معصوم بچہ، اس نے کب بزنس شروع کیا؟ ہاں البتہ اس کے نام سے جو تم نے بزنس شروع کیا، وہ بزنس تو تمہارا ہی ہے نا۔''

''یہ بات درست ہے کہ یہ بزنس اس کے نام پر میں نے شروع کیا لیکن وہ بزنس میرا نہیں، اسی کا ہے۔ جو سرمایہ لگا وہ واپس بھی دے دیا۔'' آیت نے اسے بہت تھوڑے لفظوں میں بات سمجھائی

''تم اپنے اخراجات کہاں سے پورے کرتی ہو؟'' اس نے حیرت سے پوچھا

''میں دادو کے بزنس میں ایک تنخواہ دار ملازم ہوں۔ وہاں سے مجھے اتنا مل جاتا ہے کہ مزید کی ضرورت نہیں رہتی۔ خیر۔! میری بات چھوڑو اور سرمد کا بزنس سنبھالو۔ اب یہ تمہاری ذمہ داری ہے۔'' آیت نے نہایت ملائمت سے کہا تو وہ اس کی طرف دیکھتا رہا، چند لمحے خاموش رہنے کے بعد بولا

''میرا خیال ہے جیسے تم یہ سب کر رہی ہو، کرتی رہو، میرے پاس اتنا کچھ ہے کہ میں انہیں ایک شاندار زندگی دے سکتا ہوں۔ میرے پاس اتنا کچھ ہے کہ میں......''

اس نے کہنا چاہا لیکن آیت نے اس کی بات قطع کرتے ہوئے کہا

''لیکن وہ سب تمہارا نہیں، تمہارے بابا کا ہے، اگر تمہارا ذاتی ہو، خود کمایا ہو تو مجھے اعتراض نہیں۔''

''یہ تم کیا کہہ رہی ہو، وہ سب میرا......'' یہ کہتے ہوئے وہ ایک دم سے ٹھٹک گیا، یوں جیسے کسی طاقتور خیال نے اسے جکڑ لیا ہو۔ وہ

حیرت سے آیت کی طرف یوں دیکھنے لگا جیسے اسے کل والی سب باتوں کے بارے میں علم ہو گیا ہو۔ بلاشبہ یہ طاہر کی انا ہونی چاہئے تھی کہ اگر وہ بابا کی بات نہیں مانتا تو پھر اسے بابا کا ایک پیسہ بھی نہیں کھانا چاہئے۔ وہ ایسی صورت حال میں پھنس گیا جہاں وہ اقرار نہ کرنے کے لئے دلائل دے رہا تھا اور نہ انکار کر سکتا تھا۔ وہ ہاں اور ناں کی صلیب پر لٹک گیا۔ اسے آنے والے وقت کا شدت سے احساس ہو گیا تھا۔ اسے لگا جیسے آیت النساء نے یہ سب پہلے ہی سے سوچ رکھا ہو۔

''کیا سوچنے لگے ہو طاہر؟'' آیت نے پوچھا

''کچھ نہیں۔'' اس نے اپنے خیالات سے نکلتے ہوئے کہا

''تو پھر اتنے خاموش کیوں ہو گئے؟ تم اگر یہ بزنس نہیں بھی سنبھال سکتے، تب بھی ذمہ داری تمہاری ہی ہے۔'' یہ کہہ کر وہ ایک لمحہ کے لئے رکی اور پھر بولی، ''وہ سامنے میز پر سب پڑا ہے۔ اسے دیکھو، جس کی سمجھ نہ آئے مجھ سے پوچھ لو۔ ہیوائے سیٹ پلیز (Have a seat please)'' آیت نے سامنے میز کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا تو چند لمحے سکون سے بیٹھا رہا پھر اٹھ کر میز کے ساتھ دھری کرسی پر جا بیٹھا۔ آیت اسے دیکھ کر مسکرا دی۔ انہی لمحات میں آفس بوائے چائے کی ٹرے لے آیا۔ اس نے ٹرے میز پر رکھا تو آیت نے اس سے کہا، ''پہلے میڈم فرخندہ کو بلاؤ پھر آ کے چائے بنانا۔''

''جی بہتر۔'' اس نے کہا اور تیزی سے واپس سے پلٹ گیا۔ طاہر ایک ٹک آیت کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس پر وہ مسکراتے ہوئے بولی

''یوں ڈرے ہوئے سے میری طرف کیوں دیکھ رہے ہو؟''

''میں ڈرا ہوا تو نہیں ہوں۔'' اس نے انتہائی سنجیدگی سے کہا

''مت گھبراؤ، اسی بلڈنگ میں۔ یہیں ساتھ میرا آفس ہے۔ کیوں پریشان......'' اس نے ڈھارس دینے والے انداز میں کہا تو وہ بولا

''خدا کے لئے چپ ہو جاؤ۔''

اس پر آیت فقط مسکرا کر رہ گئی۔ اگلے چند منٹ میں آفس بوائے واپس آ کر چائے بنانے لگا۔ تبھی میڈم فرخندہ آ گئی۔ اس نے غور سے طاہر کی طرف دیکھا، پھر آیت کی جانب دیکھ کر بولی

''جی میڈم۔''

''بیٹھو، ان سے ملو یہ اب آپ کے نئے باس ہیں۔''

''اچھا۔'' یہ کہتے ہوئے وہ صوفے پر بیٹھ گئی۔ آفس بوائے انہیں چائے سرو کرنے لگا۔

معمول کے مطابق اس دن بھی سید ذیشان رسول شاہ صاحب صوفے پر نیم دراز تھے۔ان کے سامنے والے صوفے پر طاہر حیات بیٹھا ہوا تھا۔جس کے ساتھ ہی نوجوان خاموشی سے بیٹھا ہوا تھا۔ان کے درمیان حال احوال والی باتیں چل رہی تھیں۔باتوں میں ذرا وقفہ آیا تو نوجوان نے پوچھا

”سرکار، ذات اور فطرت کا تعلق کیا ہے؟“

”ربّ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی ہر شے فطرت پر ہے۔ربّ تعالیٰ کی تخلیق باطل نہیں ہو سکتی اور نہ ہی وہ غلط پیدا کی گئی ہے۔“ یہ کہہ کر وہ لمحہ بھر کو رکے، پھر کہتے چلے گئے،”انسان، ربّ تعالیٰ کا شاہکار ہے۔یہی انسان اس کائنات کا مرکز ومحور ہے۔انسان مرد ہے یا عورت دونوں اصناف ہی میں اہم ہیں۔یہی دو اصناف زندگی کا اہم ترین محور ہیں۔یہی انسان مل کر ایک معاشرہ تشکیل دیتے ہے۔ربّ تعالیٰ نے جہاں اپنی تخلیق فطرت پر پیدا کی ہے تو وہاں اسے افعال سے بھی نوازا ہے۔جب تک خلق کے اعمال فطرت کے مطابق رہتے ہیں، تب تک وہ ربّ تعالیٰ کی توحید کے ساتھ جڑا ہوا ہے۔لیکن جیسے ہی انحراف کرتا ہے، وہ شرک کا مرتکب ہو جاتا ہے۔دوسرے لفظوں میں جو شے بھی ربّ تعالیٰ کی مخالفت میں آئے گی، وہ شرک کے زمرے میں چلے جائے گی۔اس کی وجہ یہ ہے کہ ربّ تعالیٰ نے کوئی شے باطل پیدا نہیں کی۔کوئی شے فی نفسہ باطل نہیں، ہر شے کو نور سے پیدا کیا گیا ہے، عمل ایک ایسی شے ہے، جس سے ظلمت کی طرف بھی جایا سکتا ہے اور نور کی جانب بھی بڑھا جایا جا سکتا ہے۔یہ افعال ہیں جو حقیقی نہیں ہیں، ذات کا اظہار حقیقی ہے۔ذات اور فطرت کا تعلق وہی ہے جو خالق اور مخلوق کا ہے۔“

”انسان اپنی فطرت میں کیا ہے، کیا بنی نوع انسان کی فطرت ایک ہی ہے؟“ نوجوان نے سوال کیا

”فطرت اپنی زبان حال سے بتا رہی ہے کہ بنی نوع انسان ایک ہی فارمیٹ پر ہے، ایک ہی پیٹرن پر ہے، جو فطرت سلیمہ پر ہے۔ذہن ایک ہے، مثلاً پوری دنیا میں مختلف قومیں ہیں، ملک ہیں، وہ جب قانون بنائیں گے تو کہیں بھی ایسا نہیں ہے کہ جھوٹ کو اچھا کہا گیا ہو۔کہیں نہیں کہا جائے گا کہ سچ نہ بولا جائے۔کہیں بھی جھوٹ کو قانون کا درجہ نہیں دیا گیا۔پھر جب قانون بنے گا تو وہ ہر ملک کا قانون دوسرے ملک میں تسلیم کیا جائے گا۔اگر کہیں کوئی خامی رہ گئی ہے تو اسے درست کر کے انسانی حقوق پر لایا جائے گا۔یعنی اپنے فارمیٹ یا پیٹرن کے مطابق ایک ہی نکتے پر جمع ہو جائیں گے۔مسائل وہاں سے جنم لیتے ہیں جہاں سوچ کو جدا جدا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔اور وہاں آ کر انسان مجبور ہو جاتا ہے۔“ شاہ صاحب نے وضاحت کی

”پھر جو اس قدر خون ریزی ہے، جنگ و جدل، یہ سب کیوں ہے؟“ نوجوان نے ذرا تیکھے انداز میں سوال کیا تو شاہ صاحب نے سنجیدگی سے فرمایا

”دراصل یہ انسان کا ٹکراؤ نہیں سوچوں کا تصادم ہے۔میں آپ کو ایک مثال سے سمجھاتا ہوں۔ہم ایشیاء میں رہ رہے ہیں۔یہاں ہر طرح کی تقسیم ہے، ذات پات، سے لے کر ہر طرح کی عصبیت جو پورے خطے میں پھیلی ہوئی ہے۔کہیں زبان، کہیں صوبائیت، قوم

پرستی، کہیں مذہب، اور ہر مذہب میں ذیلی فرقے اور نجانے کیا کیا، اور کیسی کیسی تقسیم موجود ہے۔ نتیجہ کیا؟ وہ میں عرض کرتا ہوں۔" یہ کہہ کر وہ چند ثانیئے کے لئے رُکے اور پھر کہتے چلے گئے۔ "دیکھیں، تقریباً کم وبیش پانچ سو سال پرانی تاریخ ہے موہنجوداڑو کی، وہاں جو وہاں نظام تھا، کیا ہمارے ہاں وہی نظام نہیں ہے رہنے سہنے کا؟ کتنی ترقی کی؟ لیکن اس کے مقابلے میں بہت سارے خطے اور ممالک ایسے ہیں جہاں کی دنیا ہی مختلف ہے؟ رہنے سہنے کے نظام سے لے کر ذہنی وسعت تک۔ ایسا کیوں ہے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ جو سوچ فطرت کے عین مطابق ہو گی، وہی کامیاب ہوگی۔ جب تک سوچ میں یکسوئی ہے، تب تک مادی ترقی بھی ہے اور روحانی ترقی بھی۔ اور اگر ان میں تقسیم آ جاتی ہے تو نہ صرف ترقی رک جاتی ہے، بلکہ تنزلی کا عمل شروع ہو جاتا ہے۔ اگر ہم ان حقائق کو تسلیم نہیں کرتے جن پر کائنات کا نظام قائم ہے، صاف ظاہر ہے ہمارا ارتقاء بھی رک جائے گا۔ ہماری ظاہری ترقی بھی اور باطنی ترقی بھی رک جائے گی۔ ایشیاء کا ذہنی ارتقاء کیا ہے؟ ہم پاکستان ہی کی بات کر لیتے ہیں، کیوں لوگ ایسے زندگی گذار رہے ہیں، جیسے وہ آج بھی موہنجوداڑو کے دور میں ہوں؟ پاکستان سے کہیں کم وسائل والے ممالک میں لوگ خوشحال ہی نہیں ذہنی وسعت بھی رکھتے ہیں۔ ان کا زیادہ آئی کیو ہے، نوبل پرائز وہاں ہیں، وہ ہر معاملے میں آگے جا رہے ہیں، ہمارے ہاں ہی ایسا کیا قحط الرجال ہے کہ کوئی بین الاقوامی سطح کا کام ہی نہیں ہو رہا ہے، ہمارے تعلیمی ادارے ایسے نہیں، کیوں؟"

"کیوں ہے ایسا؟ سرکار آپ فرمائیں۔" اس بار طاہر نے دلچسپی سے پوچھا تو وہ بولے

"جہاں سوچوں کا زیادہ ٹکراؤ ہوگا۔ وہاں مسائل زیادہ بڑھ جائیں گے۔ جہاں سوچوں کا ٹکراؤ کم ہوگا وہاں ہر طرح کی ترقی ہے۔ پیداواری صلاحیت زیادہ ہے، عام انسان کہیں زیادہ وسعت پذیر ہے۔ دیکھیں قانون قدرت عشق ہے۔ اگر تو معاشرہ عشق پر کھڑا ہے اور اس نے اپنے آپ کو عشق کے آگے جھکا دیا ہے وہ کامیاب ہیں، کیونکہ فطرت کے ساتھ جڑنا ہی عشق ہے۔ جو اپنی سوچ فطرت کے ساتھ جوڑ لیتے ہیں، وہ کامیاب ہیں۔ سوچوں کی تفریق فطرت نہیں۔ انسان جہاں اس حقیقت سے ٹکرایا وہیں نزاع پیدا ہوا۔ اگر انسان حقیقت کے ساتھ چل پڑتا ہے تو اس میں کامیابی ہے۔"

"تو پھر یہ مسلمانوں کی زبوں حالی سوچ کی وجہ سے ہے؟" نوجوان نے پوچھا

"اسلام نے ملت واحدہ کا درس دیا ہے۔ ہم اگر ملت واحدہ بنانے میں زور لگاتے تو صورت حال آج والی نہ ہوتی۔ ہم اس کے الٹ چل پڑے ہیں۔ دیکھ لیں بات کہاں سے کہاں تک جا پہنچی ہے۔ اسلام میں داخل ہونے کی کوئی شرط نہیں ہے، ماسوائے ربّ تعالیٰ کی توحید کا اور نبی آخرالزماں ﷺ کی نبوت کا اقرار۔ اگر اسلام میں داخل ہونے کی کوئی شرط رکھی ہوتی کہ اس میں فلاں آ سکتا ہے اور فلاں نہیں آ سکتا تو ہم کہہ سکتے تھے کہ اسلام میں کہیں تفریق ہے۔ اسلام نے اپنا دروازہ کھولا اور اس میں کسی قسم کی کوئی تفریق نہیں کی۔ اسلام تفریق کے خلاف ہے۔ جبکہ ہمارے ہاں بہت سارے مسائل بنے ہوئے ہیں۔ ذات پات، قومیت، مسلک، صوبائیت، اور نجانے کیا کیا۔ ایسی باتیں بھی ممکن ہیں یہاں، جن کا اسلام سے کہیں دور کا بھی واسطہ نہیں۔ ان پر رشتے تک ٹوٹ جاتے ہیں۔ اسلام کو دیکھنے کا آ

یئنہ بے رنگی ہے۔اس میں آگے بڑھنے کی کوئی شرط نہیں ماسوائے عشق کے۔یہی وہ شے ہے جو انسان میں ارتقاء اور ترقی پیدا کرتی ہے۔نئی سوچیں، نئے خیال، نئے علوم پیدا ہوتے ہیں۔ہم موہنجوداڑو کے دور میں کیوں پھنسے ہوئے ہیں؟ کس نے ہمیں پھنسا دیا؟ یا ہم خود ہی پھنسے ہوئے ہیں۔ہماری پوری تاریخ میں اولیاء اللہ کا ایسا کام دکھائی دیتا ہے، جس میں انسانیت کے لئے کوئی نیا پن تھا۔ورنہ تو انسان جکڑا پڑا ہے اور ہماری قوم اس سے باہر ہی نہیں آنا چاہتی۔'' انہوں نے سمجھایا

''یہ تفریق آ کہاں سے گئی؟'' طاہر نے سوال کیا

''چند لوگوں نے یا مضبوط طبقات نے پورے معاشرے کو تقسیم کر کے رکھ دیا ہے۔رَب تعالی کا پیغام علیحدہ علیحدہ نہیں ہے۔وہ انسانوں میں تفریق نہیں کرتا۔انبیاء کی تعلیمات کو خود انسان نے ہی بدل کر رکھ دیا، جبکہ وہ تعلیمات ہی انسان کو جوڑنے ہی کی تھیں۔'' انہوں نے عام سے انداز میں کہا

''انسان کو انسان کے ساتھ جوڑنا اتنا ہی ضروری کیوں رہا؟'' اس نے مزید سوال کیا

''لوہا اور مقناطیس کو لے لیں، لوہے میں اس وقت مقناطیسی خصوصیت پیدا ہو جائے گی، جب لوہا اور مقناطیس جڑ جائیں گے۔اس کشش میں ایک راز یہ ہے کہ وہ دوسری شے میں اپنی صلاحیت پیدا کر دیتا ہے۔یہی راز محبت والی شے میں ہے کہ وہ نفرت کو بدل دیتی ہے۔'' شاہ صاحب نے اس کی طرف غور سے دیکھتے ہوئے جواب دیا جیسے یہ بات وہ اسے سمجھا دینا چاہتے ہو۔

''مقناطیس اور پیتل، سونا، یہ تو ایسا نہیں ہوگا؟'' اس نے دھیمے لہجے میں مزید سوال کیا

''ہر دھات کا اپنا مقناطیسی نظام ہے۔ان کی اپنی پروڈکشن کا ایک سسٹم ہے۔جو ایک کشش کے ہی تابع ہے۔اگر یہ کشش کا نظام نہ ہوتا تو مٹی سب کھا جاتی۔ہم دیکھتے ہیں ان کی پرڈکشن مسلسل ہو رہی ہے۔زمین میں بنتے رہنے کی کوئی وجہ تو ہے۔وہ کون سی وجہ ہے کوئلے کو ہیرا بنا دیتی ہے۔یا کوئلے سے ہیرے تک کا سفر کیسے ہو رہا ہے۔جیسے پارس کسی بھی چیز کو چھو جاتا ہے تو وہ سونا بن جاتا ہے۔بنیادی طور پر یہ بھی ایک نظام کے تحت ہے۔جو اس کشش میں آ گیا اس میں کچھ پیدا ہو جائیگا، عربوں میں ایسا کیا نسخہ کیمیا آ گیا تھا کہ وہ سب بدل گئے، یہ سب پارسائی کی وجہ سے تھا۔پارسائی جب اپنی مکمل صورت پر پہنچتی ہے تو پارس بن جاتی ہے، جو ہر شے کو سونا بنا دیتی ہے، اسی کو عشق کہتے ہیں۔'' انہوں نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

''عشق کا فارمیٹ کیا ہے؟'' طاہر نے دھیمی مسکان کے ساتھ پوچھا

''عشق ایک لامحدود قوت ہے۔اس کو جس فارم یا فارمیٹ میں لے جائیں گے اس نے اپنی حیثیت برقرار رکھنا ہے۔کیونکہ اس نے کائنات کو چلانا ہے۔جب مقناطیس لوہے کو پکڑتا ہے نا تو پھر اس میں دوئی نہیں ہوتی۔یعنی دونوں ہی ایک دوسرے کو اپنا آپ دے دیتے ہیں۔تبھی ایک دوسرے کی خصوصیات منتقل ہوتی ہیں۔'' شاہ صاحب نے فرمایا

''عشق کا ہدف کیا ہوتا ہے؟'' نوجوان نے انتہائی سنجیدگی سے پوچھا تو انہوں نے کہا

''عشق کا ہدف اعمال ہیں۔فرق پیدا کرنے سے انسان میں کیا تبدیلی آتی ہے اور فرق مٹانے سے کیا ہوتا ہے، یہ سب پلس مائنس ہے۔روحانی اعتبار سے بھی اور مادی لحاظ سے بھی۔عشق کے سامنے جو شے بھی آئے گی وہ جھوٹ ہو جائے گی، شرک بن جائے گی۔عشق اپنے آپ میں ایک ذات ہے۔اس کے سامنے جتنی بھی صفات آ جائیں وہ سجدے میں گر جائیں گی۔کیونکہ عشق کے سامنے صرف عشق ہی قائم رہ سکتا ہے۔کہنے والے کہہ گئے ہیں کہ عشق کی سمجھ عشق ہی عطا کرتا ہے۔اب ترقی مقام در مقام ہے۔اعمال سے صفات میں وسعت پیدا ہوتی ہے اور انسان ترقی کرتا ہے۔''

اس سوال کے ساتھ ہی ان میں خاموشی چھا گئی۔شاہ صاحب نے کلاک کی طرف دیکھا۔اس پر نوجوان سمجھ گیا کہ آج کی ملاقات کا وقت ختم ہو گیا۔طاہر نے بھی جان لیا۔وہ دونوں اٹھے، انہوں نے شاہ صاحب سے مصافحہ کیا اور باہر کی طرف چل دیئے۔

❀.....❀.....❀

دن کا دوسرا پہرا بھی ختم نہیں ہوا تھا جب آیت النساء کی گاڑی گھر کے پورچ میں آ رکی۔یہ وقت دادا جی کے آرام کا تھا۔وہ لاؤنج میں آئی تو گھر کی ملازمہ فوراً آ گئی۔آیت نے اسے دیکھتے ہی پوچھا

''دادو اپنے کمرے میں ہیں؟''

''جی، آرام کر رہے ہیں۔''

''ٹھیک، تم میرے لئے چائے لے آؤ۔'' یہ کہتے ہوئے وہ اپنے کمرے میں چلی گئی۔

ڈریسنگ ٹیبل پر اپنا پرس رکھ کر وہ ایزی چیئر پر آن بیٹھی۔وہ خود کو بہت ہلکا پھلکا محسوس کر رہی تھی۔اسے لگا جیسے صدیوں کا بوجھ اس کے ذہن سے اتر گیا ہو۔رابعہ کی سپاٹ زندگی اور سرمد کی زندگی کا سب سے بڑا خلا اس نے پر کر دینے کی کوشش کی تھی۔اس نے پورے خلوص سے سرمد کے نام پر جو کمایا تھا، وہ سب اس نے طاہر کو دے دیا تھا۔وہ ذمہ داری جو اس نے خود ہی اپنے ذمہ لے لی تھی، وہ پوری کر دی تھی۔اب اس کا یہ مطلب نہیں تھا کہ وہ ان سے غافل ہو جاتی۔ایک دریا پار کرنے کے بعد ایک نیا دریا اس کے سامنے آ گیا تھا۔اب اس کی ذمہ داری کہیں زیادہ بڑھ گئی تھی۔اسے طاہر سے امید تو نہیں تھی کہ کچھ غلط کرے گا لیکن آخر وہ انسان تھا، کسی بھی وقت کچھ بھی سوچ سکتا تھا۔وہ جانتی تھی کہ طاہر کس طرح کے مرحلے سے گذر رہا تھا۔وہ اپنے بارے میں جانتی تھی کہ وہی بزنس دیکھنا، وہی صبح و شام اور اپنے من میں ڈوبے رہنا۔وہ یہ بات بھی اچھی طرح جانتی تھی کہ دادو کو ایک شاک لگا ہے لیکن انہوں نے اپنی محبت میں اسے ایک لفظ تک نہیں کہا تھا۔اب اسے دادو کا کہیں زیادہ خیال رکھنا تھا۔اس کے ذہن میں تھا کہ دادو اس سے کوئی بات کرنا چاہتے تھے لیکن کسی وجہ سے نہیں کر پائے تھے۔اسے پورا یقین تھا کہ سوائے اس کی شادی کے ان کے پاس کوئی موضوع نہیں تھا۔جو بھی ہو گا وہ ان کی بات تسلیم کرے

گی۔انہوں نے اپنے شاک کا جس طرح اظہار کیا تھا، وہ اس پر غصہ کر سکتے تھے، مگر انہوں نے کچھ بھی نہیں کہا۔ یہ ان کی محبت کا ثبوت تھا۔ یہ سوال اپنی موجود تھا کہ باوجود شاک لگنے کے، دُکھ ہونے کے، انہوں نے آیت کو کچھ نہ کہا۔اس کی آخر وجہ کیا ہے؟ ان کے ذہن میں کیا ہے؟ جو بھی ہوگا بہر حال سامنے آ جائے گا۔ وہ جو کہیں گے چپ چاپ خاموش سے مان لے گی۔ یہی وہ رویہ تھا، جس سے وہ دادا جی کا مان رکھ سکتی تھی۔

''بی بی جی چائے۔''

ملازمہ نے اس کے پاس آ کر کہا تو وہ اپنے خیالات سے نکل آئی۔تبھی اس نے سائیڈ ٹیبل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''یہاں رکھ دو۔''

ملازمہ چائے رکھ کر پلٹی تو آیت نے کہا

''جیسے ہی دادو لان میں جائیں، مجھے بتانا۔''

''جی بی بی جی۔'' ملازمہ نے دھیمے سے کہا اور کمرے سے نکلتی چلی گئی۔

آیت نے چائے کا کپ اٹھا کر ہلکا سا سپ لیا تو اس کا دھیان پھر سے رابعہ، سرمد اور طاہر کی طرف چلا گیا۔ اچانک ہی پرانی یادیں پھر سے مہکنے لگیں۔ دل چاہ رہا تھا کہ ان یادوں کے سفر میں کھو جائے لیکن دماغ نے بگٹٹ گھوڑے کی لگامیں تھام لیں۔ اسے لگا اس سفر میں سوائے تلخیوں کے مزید کچھ بھی نہیں ہے۔ اس نے ریموٹ اٹھایا اور ٹیلی وژن آن کر دیا۔ وہ چائے پینے کے کافی دیر بعد تک چینل بدلتی رہی۔ دھیرے دھیرے وہ نارمل ہوتی چلی گئی۔ وہ اٹھی اور کچن میں چلی گئی۔ اس کا من چاہ رہا تھا کہ آج وہ کچھ بنائے گی۔ وہ کچن میں جا کر ایسی کھوئی کہ وقت گذرنے کا احساس تک نہیں ہوا۔

کھانے کی میز پر جب وہ آئی تو دادو اس سے پہلے ہی موجود تھے۔ وہ ساتھ والی کرسی پر بیٹھتے ہوئے خوشگوار لہجے میں بولی

''دادو، آپ کو پتہ آج میں ایک نہیں دو ڈشیں بنائی ہیں۔''

''تو اس کا مطلب ہے آج میں بھی معمول سے کچھ زیادہ ہی کھا لوں گا، کہاں ہیں؟'' وہ بھی خوش کن لہجے میں بولے

''وہ صفیہ لا رہی ہے۔'' آیت نے کہا

''گڈ۔'' وہ سر ہلاتے ہوئے بولے

''دادو، آپ نے کل کہا تھا کہ آج آپ کوئی بات کریں گے، کیا ہے وہ؟''

''لیکن پہلے یہ تو بتاؤ، اب تمہیں فرصت ہے نا؟'' انہوں نے تصدیق طلب لہجے میں پوچھا

''یہ جو میں نے کھانے بنائے ہیں، اس سے آپ کو اندازہ نہیں ہوتا۔'' اس نے مصنوعی حیرت اور خوشگوار لہجے میں کہا، پھر لمحہ بھر

رک کر بولی، ”میں نے سرمد کا سارا بزنس طاہر کے حوالے کر دیا ہے۔ وہ جانے اور اس کا کام، اب میں ہوں اور آپ کا بزنس......بس۔“

”میرا سب کچھ تمہارا ہے بیٹا، یہ تو بزنس کمیونٹی میں نام اور ساکھ کا معاملہ ہے۔ خیر، میں نے تم سے جو کہنا ہے وہ کھانے کے بعد ہی کہوں گا۔“ اس نے مسکراتے ہوئے کہا

”دادو آپ کہہ دیں۔ کوئی بات نہیں، میں کھانا چھوڑ کر نہیں جاؤں گی۔“ اس نے ہنستے ہوئے کہا

”اچھا تو پھر سنو۔“ وہ اس کے چہرے پر دیکھ کر بولے

”سنائیں۔“ اس نے ہمہ تن گوش ہوتے ہوئے کہا

”آج کل جس طرح کا دور چل رہا ہے، اس میں تو لگتا ہے کہ ہر دوسرا بندہ کسی نہ کسی نفسیاتی الجھن کا شکار ہے۔ اچھا بھلا بندہ بھی کس نہ کسی نفسیاتی عارضے کا شکار ہو جاتا ہے۔“ وہ دھیمے سے لہجے میں یہ کہہ کر نئے بھر کوڑ کے پھر بولے، ”بیٹا میں یہ نہیں کہتا کہ تم خدانخواستہ بیمار ہو، لیکن نجانے مجھے کیوں لگتا ہے کہ تمہیں کچھ وقت کسی سائیکاٹرسٹ کے ساتھ گذارنا چاہئے، اور کچھ نہیں تو میری تسلی ہو جائے گی۔“

بہت نرم لہجے میں انہوں نے ایسی بات کہہ دی تھی، جس پر آیت یا کوئی بھی نارمل انسان بہت کچھ کہہ سکتا تھا۔ وہ دلائل دے سکتی تھی کہ وہ بالکل ٹھیک ہے۔ اسے کسی سائیکاٹرسٹ کی ضرورت نہیں۔ مگر وہ چند لمحے بھی خاموش نہ رہی بلکہ فوراً ہی کاندھے اچکاتے ہوئے لاپرواہی سے بولی

”جیسے آپ چاہیں دادو، مجھے کوئی اعتراض نہیں۔“

”مطلب تم سائیکاٹرسٹ کے پاس جانے پر راضی ہو۔“ دادا جی نے یوں پوچھا جیسے انہیں یقین نہ آ رہا ہو

”آپ اگر کہہ رہے ہیں تو ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ کب جانا ہوگا؟“ اس نے سکون سے کہہ دیا تو دادا جی چند لمحے خاموش رہے پھر خوش ہوتے ہوئے بولے

”پتہ ہے وہ سائیکاٹرسٹ کون ہے؟ تم اس سے مل کر ویسے بھی بہت خوش ہوگی۔“

”کون ہے؟“ آیت نے دادا کا دل رکھنے کے لئے تجسس بھرے انداز سے پوچھا

”شکیل احمد، وہی میرے دوست احمد دین کا پوتا اور اقبال حسن کا بیٹا۔“ دادا نے خوشی سے بتایا

”ہاں، مگر وہ تو کئی سال پہلے امریکہ چلا گیا تھا۔“ آیت نے سوچتے ہوئے کہا

”کئی کتنے سال، یہی چھ سات سال پہلے تو پڑھنے گیا تھا۔ اب آ گیا ہے واپس۔ یہیں رہے گا اب، ملنے آیا تھا مجھے۔“ دادا نے خوشگوار لہجے میں کہا تو وہ ہنستے ہوئے بولی

”اچھا، مطلب اب پریکٹس بھی یہیں کرے گا اور لگتا ہے پہلی مریضہ میں ہی ہوں گی۔“

''ایسے نہیں کہتے بیٹا، تم مریض نہیں ہو، میں تو......'' دادا نے کہنا چاہا لیکن اتنے میں صفیہ اور اس کا شوہر کھانا لا کر میز پر رکھنے لگے تو انہوں نے کہا، ''خیر پہلے ڈنر پھر بعد میں باتیں ہوتی رہیں گی۔''

''جی بسم اللہ کریں۔'' آیت نے کہا اور کھانے کی جانب متوجہ ہو گئی۔

شکیل احمد اور آیت النساء ایک ہی سکول میں پڑھا کرتے تھے۔ ان کے دوسرے کزن بھی اسی سکول ہی میں پڑھنے جاتے تھے۔ چونکہ ان کے گھر ایک دوسرے کے انتہائی قریب تھے، اس لئے اکثر کھیلتے بھی اکٹھے ہی تھے۔ جہاں ان میں لڑائیاں چلتیں، وہاں ایک دوسرے کے بنا رہ بھی نہیں سکتے تھے۔ ایک یہی شکیل تھا جوان میں تیز طرار ہوا کرتا تھا۔ وقت گزرتا گیا۔ کالج لائف میں جہاں ان کے ساتھ بدل گئے، وہاں انہوں نے گھر بھی بدل لئے۔ آیت النساء اپنی فیملی کے ساتھ پوش علاقے میں آ کر آباد ہو گئی۔ پھر گاہے بگاہے ان کی ملاقات تو رہتی لیکن درمیان میں وقت کے فاصلے بھی بڑھتے گئے۔ پھر ایک دن پتہ چلا کہ شکیل پڑھنے کے لئے امریکہ جا رہا ہے۔ وہ ان سے ملنے بھی آیا تھا لیکن شاید وہ گھر پر نہیں تھی۔ یوں شکیل سے ملے اسے برسوں بیت چکے تھے۔ اسے یہ گمان بھی نہیں تھا کہ وہ اس کا علاج کرے گا؟ آیت النساء یہ بات اچھی طرح جانتی تھی اسے کوئی نفسیاتی عارضہ نہیں ہے لیکن دادا جی کی مرضی تھی، ان کا اطمینان تھا، اس لئے وہ چاہتی تھی دادا اپنے طور پر مطمئن ہو جائیں۔ ایسا وہ فقط اپنے دادا جی کی خوشی کے لئے کرنا چاہتی تھی۔

❁......❁......❁

آیت النساء بڑے سکون سے ڈرائیونگ کرتے ہوئی آفس سے فارم ہاؤس کی طرف جا رہی تھی۔ سرمد سے ملنے کے لئے اس کا دل شدت سے چاہا تھا۔ آخری بار وہ طاہر اور رابعہ کے نکاح والے دن ملی تھی۔ پھر اس کے بعد وہ اپنے ہی معاملات میں پھنس گئی تھی۔ اس دن ذرا وقت ملا تو وہ فارم ہاؤس کی جانب چل دی۔ دن کا دوسرا پہر ڈھل گیا تھا جب وہ فارم ہاؤس پہنچی۔ پورچ میں کار کھڑی کر کے جب وہ لاؤنج میں گئی تو وہاں کوئی بھی نہیں تھا۔ جیسے ہی وہ جا کر صوفے پر بیٹھی، وہاں کی ملازمہ آ گئی۔ تبھی اس نے ادھر اُدھر دیکھتے ہوئے عام سے لہجے میں پوچھا

''سرمد کہاں ہے؟''

''جی وہ تو طاہر صاحب کے ساتھ گئے ہیں۔'' ملازمہ نے جواب دیا

''کہاں؟'' اس نے پوچھا

''وہ شاپنگ کے لئے گئے ہیں، رابعہ بی بی بھی اُن کے ساتھ ہیں۔'' ملازمہ نے بتایا

''اوہ!'' اس کے منہ سے بے ساختہ نکلا، پھر چند لمحے سوچتے رہنے کے بعد بولی، ''واپسی بارے کچھ بتایا تھا رابعہ نے؟''

''نہیں، بس اتنا کہا کہ وہ ڈنر باہر ہی کر کے آئیں گے، آپ فون کر کے......''

''نہیں، فون نہیں۔ مطلب وہ دیر سے آئیں گے۔ چلو ٹھیک ہے۔'' یہ کہتے ہوئے وہ اٹھ گئی تو ملازمہ نے تیزی سے کہا

''آپ بیٹھیں میں آپ کے لئے......''

''کچھ بھی کھانے پینے کو جی نہیں کر رہا ہے۔ بس میں اب چلتی ہوں۔'' یہ کہتے ہوئے وہ باہر کی جانب چل دی۔

واپس کار میں بیٹھتے ہوئے اس نے من کو ٹٹول کر دیکھا۔ کہیں بھی دور دور تک نہ کوئی منفی جذبہ تھا اور نہ کوئی مثبت۔ بس ایک خوشگواریت سے بھرا پھیلا ہوا احساس تھا، جس سے اس کی روح سرشار رہتی تھی۔ ایک پھیلے ہوئے وسیع سمندر کی طرح، جو دیکھنے میں طمانیت دیتا ہے۔ اس کی تہوں میں جتنے بھی ہنگامے ہوں، جتنی بھی ہلچل ہو، سطع سمندر اور آسمان کا ملتا ہوا کنارا ہی ایک الوہی تاثر رکھتا ہے۔ ویسا ہی سب ہو رہا تھا، جیسا اس نے چاہا تھا۔ وہ سکون سے واپس چل دی۔ اس وقت سورج ڈھلنے کو تھا جب اس نے اپنے گھر کے پورچ کار روکی۔ اس نے یونہی عادتاً گردن گھما کر لان کی طرف دیکھا۔ دادو شام کے وقت اکثر وہیں ہوتے تھے۔ اس دن وہ وہاں نہیں تھے۔ وہ اندر چلی گئی۔

لاؤنج میں داخل ہوتے ہی اس کی پہلی نگاہ ایک وجیہ اور سمارٹ سے جوان پر پڑی۔ بلیک سوٹ، گرے شرٹ پر گہری نیلے رنگ کی ٹائی، نفاست سے سنوارے ہوئے بال، بھاری مونچھیں، گول سرخ وسفید چمکتا ہوا چہرا، اسے دیکھتے ہی اٹھ کھڑا ہوا، وہ دراز قد تھا۔ وہ پورے قد سے کھڑا، بہت پرکشش دکھائی دے رہا تھا۔ اس کے بائیں ہاتھ میں پکڑے ہوئے قیمتی سیل فون کی اسکرین روشن تھی۔ وہ اس کی طرف بڑی پرشوق نگاہوں سے دیکھتے ہوئے مونچھوں تلے مسکرا رہا تھا۔ وہ اسے دیکھتے ہوئے اس کے بالکل قریب جا پہنچی۔ تب اس نے انتہائی تجسس اور پرجوش لہجے میں پوچھا

''آیت النساء......؟''

''ہاں اور تم......شکیل احمد؟''

''بالکل درست، مجھے پورا یقین تھا کہ تم مجھے پہچان لوگی، کیونکہ میں ہی وہ واحد ہستی ہوں جس نے تمہیں سب سے زیادہ ستایا تھا، تمہیں تو بہت غصہ ہوگا مجھ پرنا'' اس نے دھیمے سے ہنستے ہوئے خوشگوار لہجے میں کہا تو آیت اسے بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے خود بھی بیٹھ کر بولی

''تمہیں ابھی تک یاد ہے کہ تم مجھے ستایا کرتے تھے، جبکہ میں تو سب بھول بھی گئی۔''

''بالکل بھی نہیں، جب مجھے نہیں بھولی ہو تو میری شرارتیں کیسے......'' اس نے کہنا چاہا تو وہ بات قطع کرتے ہوئے بولی

''ہاں تب غصہ آتا تھا لیکن اب بچپن کو یاد کر کے بہت اچھا لگتا ہے۔''

''بہت اچھا لگا تمہیں پھر دیکھ کر، میں نے تو سوچا تھا کہ تمہاری شادی ہوگئی ہوگی، بچے ہوں گے اور تمہارے شوہر کے ہوتے ہوئے اتنی بے تکلفی کبھی نہ دکھا سکتا، اب یہ مت کہنا کہ میں ویسے کا ویسا ہوں۔'' وہ خوشگوار لہجے میں بات کرتا ہوا ایک دم سے اداس ہوگیا۔

''مطلب اب ویسے اچھے نہیں ہو؟ سادہ سے، شرارتی، ہمدرد؟'' آیت نے پوچھا

''زندگی بہت کچھ چھین لیتی ہے آیت۔'' اس نے اُداس لہجے میں کہا تو وہ بولی

''دوسرے نکتہ نگاہ سے یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ زندگی دیتی بھی بہت کچھ ہے۔''

''اوہ۔! تم بچپن کی ایک ساتھی ملی ہو تو ساری یادیں گڈمڈ ہو گئیں۔ ہاں تم بالکل ٹھیک کہتی ہو۔'' اس نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا

''کب آئے ہو واپس؟ ملنے ہی نہیں آئے؟'' آیت نے پوچھا

''چند ہفتے ہوئے ہیں واپس آئے، میں دو بار آیا ہوں لیکن تم ہی نہیں ملی۔ آج سوچا تم سے مل کر ہی جاؤں گا۔'' اس نے آیت کے چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا

''کیا ارادہ ہے، کب واپس جا رہے ہو؟'' اس نے جان بوجھ کر پوچھا

''نہیں اب واپس نہیں جانا، یہیں رہنا ہے۔ میں نے آنے سے پہلے ہی یہاں کلینک بنانے کا پلان کر لیا تھا۔ اب کلینک بن گیا ہے۔ اچھا ریسپانس ہے، لوگ آ رہے ہیں میرے پاس۔'' اس نے کافی حد تک حوصلہ افزا لہجے میں کہا تو آیت نے ہنستے ہوئے کہا

''ہاں دادو نے بھی مجھے تمہارے پاس بھیجنا ہے نفسیاتی مریضہ بنا کر۔''

''وہ تو تم بچپن ہی سے ہو نفسیاتی مریضہ۔'' اس نے پُر مزاح لہجے میں کہا، پھر ایک دم سے سنجیدہ ہوتے ہوئے بولا، ''ویسے دادا جی نے جو مجھے بتایا، وہ بس پریشان زیادہ ہو گئے ہیں باقی تمہارا معاملہ کوئی اتنا سنجیدہ نہیں۔ ہم آپس میں گپ شپ کر کے اسے طے کر لیں گے۔ کیونکہ تم میرے لئے کوئی مریضہ نہیں، اچھی دوست ہو۔''

''پھر تو چل چکا تمہارا کام۔'' اس نے بھی سمجھتے ہوئے مزاحیہ انداز میں کہا

''نہیں سچ میں، مجھے ایک دوست کی زیادہ ضرورت ہے۔ تم جیسا بچپن کا دوست مل جائے تو پھر کیا ہی بات ہے۔'' اس نے خوش ہوتے ہوئے کہا

''چلیں، یہ بھی ٹھیک ہے، میں خود کو مریضہ نہیں سمجھتی۔، ورنہ میں تو یہی سوچ کر پریشان ہو رہی تھی کہ مجھے بھی باقاعدہ سیشن میں بیٹھنا ہو گا اور......'' اس نے کہنا چاہا تو شکیل نے اس کی بات قطع کرتے ہوئے کہا

''نہیں نہیں، ایسا نہیں ہے، ہم ویسے ہی باتیں کریں گے۔ پھر جو اصل صورت حال ہو گی وہ دادا جی کو بتا دیں گے۔'' یہ کہہ کر وہ لمحہ بھر کو خاموش ہوا، پھر ہنستے ہوئے بولا، ''ویسے تمہارے گھر میں مہمانوں کو کھانے پینے کا نہیں پوچھتے؟''

''مہمانوں کو پوچھتے ہیں، گھر والوں کو نہیں۔'' آیت نے مسکراتے ہوئے کہا، اس سے پہلے کہ کوئی مزید بات چلتی دادا جی لاؤنج میں داخل ہوئے۔ وہ دونوں کو بیٹھا دیکھ کر بولے

''مطلب آپ لوگ ایک دوسرے کو پہچان گئے ہوں گے۔''

''جی بالکل۔'' شکیل نے تیزی سے کہا۔ اتنے میں ملازمہ تازہ جوس لے کر آ گئی۔ اسے دیکھ کر آیت نے ہنستے ہوئے کہا

''دادو، یہ تو ڈنر کرنے کا پروگرام بنائے بیٹھا ہے، آپ صرف جوس پر ہی ٹرخا رہے ہیں۔''

''ڈنر بھی ہوگا، لیکن اس میں بس تھوڑا سا وقت ہے، اسے یوں بھی کہہ لو کہ ڈنر کی شروعات ہیں۔'' دادا نے بھی پر مزاح انداز میں کہا تو وہ اٹھتے ہوئے بولی

''آپ پئیں، میں فریش ہولوں۔''

''ٹھیک ہے۔'' دادا نے کہا تو وہ اندر کی جانب چلی گئی۔

آیت النساء کچھ دیر بعد واپس آئی تو شکیل احمد دادا سے باتیں کر رہا تھا۔ وہ بھی ان کے پاس آ کر بیٹھ گئی۔ دونوں میں موجودہ حالات بارے باتیں چلتی رہیں، جسے آیت خاموشی سے سنتی رہی۔ یہاں تک کہ ملازمہ نے کھانا لگا دینے کی بابت کہا تو وہ بھی اٹھ گئے۔

ڈنر کے بعد دادا جی تو اپنے کمرے میں چلے گئے جبکہ آیت اور شکیل باہر کاریڈور میں آ گئے۔ بھیگی ہوئی رات، ہلکی ہلکی ہوا، خواب ناک سی روشنی اور کھلے ماحول میں وہ دونوں بیٹھے چائے پی رہے تھے۔ آیت اسے اپنے بزنس کے بارے میں بتا رہی تھی۔ انہی باتوں کے دوران آیت نے پوچھا

''تمہارے یہاں واپس آنے کی وجہ کیا ہے؟ کیا تمہارا وہاں کام نہیں چلا، یا کوئی مسئلہ ہے؟''

''کام تو ٹھیک تھا میرا، ایک پاکستانی دوست کے ساتھ ایک سٹور میں بھی شیئر ہے، کمانے کے معاملے میں کوئی کمی نہیں تھی۔ بس میری بیوی شارلین بے وفا ثابت ہوئی، اس نے مجھ سے علیحدگی لے لی۔ بیٹا بھی اس کے پاس چلا گیا تو میرا دل نہیں لگا وہاں پر۔ سو یہاں آ گیا۔'' اس نے کافی حد تک خود کو نارمل رکھتے ہوئے کہا

''مطلب طلاق ہوگئی؟'' آیت نے افسوس بھرے لہجے میں پوچھا

''یونہی سمجھ لو۔'' اس نے اس ذکر سے بچنے کے لئے کہا تو وہ بولی

''ٹھیک ہے، یہ تمہارا معاملہ ہے۔ ہم اس پر بات نہیں کرتے۔''

''نہیں ایسا نہیں، میں دراصل اس تکلیف دہ ذکر سے بچنا چاہتا ہوں۔ جو چیز ماضی بن گئی، سو بن گئی۔ اب اس کے ذکر کا کیا۔ اب تم پوچھو گی کہ اس علیحدگی کی وجہ، تو اس کی ہمیں بھی سمجھ نہیں آئی، اس نے کہا کہ اب ہم میں محبت نہیں رہی، سو ہمیں ایک دوسرے سے الگ ہو جانا چاہئے۔'' اس نے ان لمحات میں خود پر قابو پا کر ہنستے ہوئے کہا تو آیت زیر لب مسکراتے ہوئے بولی

''بہت خوب، مطلب محبت بھی ایسی چیز ہے جو کبھی ہوتی ہے اور کبھی نہیں ہوتی۔''

''ہاں ایسا ہی ہے، محبت بذات خود کوئی شے نہیں ہے، جب تک اسے بنانے والے یا اسے قائم رکھنے والے عناصر موجود نہ ہوں۔ مطلب جن عناصر پر محبت کھڑی ہے اگر ان میں سے ایک دو نہیں رہتے تو محبت قائم نہیں رہ سکتی۔'' شکیل نے پوری سنجیدگی سے کہا تو وہ ہنستے ہوئے بولی

''محبت تو پھر کوئی ڈش کے جیسی ہو گئی، اگر اس میں نمک نہیں ہے تو ساری ڈش ہی بدذائقہ ہو گئی۔''

''آیت اصل میں تمہارا مسئلہ بھی یہی ہے۔ تم محبت کو سمجھتی ہی نہیں ہو۔ کیونکہ محبت کو سمجھنا، محبت کرنے سے بھی بڑا کام ہے۔ محبت کرنے والے محبت کو سمجھ ہی نہیں رہے ہوتے، حتیٰ کہ محبت پر گفتگو بھی نہیں کر سکتے، لیکن بس محبت کئے جا رہے ہوتے ہیں، نا سمجھی میں فاصلے بڑھ جاتے ہیں، کم نہیں ہوتے، الجھنیں پیدا ہوتی ہیں، انتشار پیدا ہوتا ہے جو بڑھتا ہے یہاں تک کہ وہ ایک دوسرے سے جدا ہو جاتے ہیں۔'' اس نے اسے سمجھانے والے انداز میں کہا تو سکون سے بولی

''اس میں میرا مسئلہ کہاں سے آ گیا؟''

''تمہارا مسئلہ، محبت کو نہ سمجھنا ہے، تم وہی روایتی سوچ کو لے کر جو تمہارے معاشرے نے تمہیں دی، اسی کو مضبوطی کے ساتھ پکڑ کر اپنے آپ کو خود اذیتی میں ڈال کر بیٹھی ہوئی ہو۔ بالکل الٹ، اس کے بالکل متضاد چل رہی ہو، جو حقیقی محبت کا تصور ہے۔'' اس نے سمجھایا۔

''میں سمجھی نہیں تم کیا کہنا چاہ رہے ہو۔''

''دیکھو۔! جیسے میں نے کہا کہ چند عناصر ہیں، جن کے ملنے سے محبت وجود میں آتی ہے۔ وہ عناصر نہ ہوں تو محبت کاہے کی؟ وہ بنتی ہی نہیں۔ جیسے پانی، اگر آکسیجن ہی نہ ہو تو پانی کیسے وجود میں آئے گا۔'' اس نے دھیمے سے لہجے میں بڑے سکون سے سمجھایا

''ہاں، اتنی بات تو میں سمجھ گئی ہوں محبت کا وجود کچھ عناصر کی وجہ سے ہوتا ہے، کیا تم اپنے تصورِ محبت کی وضاحت کر سکتے ہو۔'' آیت نے دلچسپی لیتے ہوئے پوچھا

''بالکل، لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ تم ایک ہی نشست میں سمجھ جاؤ۔'' اس نے بتایا

''نہیں ہم اس پر بات کرتے رہیں گے۔'' اس نے سر ہلاتے ہوئے کہا تو شکیل نے ایک لمحہ کو سوچا پھر اس کے چہرے پر دیکھتے ہوئے بولا

''ہر انسان بنیادی طور پر احساسات رکھتا ہے۔ اس کا کوئی بھی عمل انہی احساسات کے تحت ہوتا ہے۔ محبت بھی احساس کا اظہار ہے۔ اب احساس پیدا ہونے کی کوئی نہ کوئی وجہ ہوتی ہے۔ مطلب کچھ عناصر ایسے ہوتے ہیں جو انسان میں احساس پیدا کرتے ہیں، جو شدید ہو جاتے ہیں یا کم ہو جاتے ہیں۔ سو محبت بھی بنیادی طور پر تین عناصر کی وجہ سے وجود میں آ کر اپنا اظہار کرتی ہے۔''

''کون سے ہیں وہ تین عناصر؟'' آیت نے پوچھا

''پہلا عنصر ہے قربت یا وابستگی، دوسرا عنصر ہے جوش و جذبہ، اور تیسرا ہے لذت نفس۔ اب یہ تینوں ہوں گے تو محبت کا وجود ہوگا۔ ورنہ صرف نہیں۔ اسے اگر ایک متبادل لفظ میں سمیٹنا ہو تو اسے کمٹمنٹ کہہ سکتے ہیں۔'' یہ کہہ کر وہ اس کی طرف دیکھنے لگا تو آیت نے کہا

''اس کی تھوڑی سی وضاحت کرو گے۔''

''یوں سمجھو۔! محبت کی تمام اقسام ان ہی تین عناصر کو مختلف انداز میں ملا کر ہی بنتی ہیں۔ جس تعلق میں ان میں سے ایک بھی عنصر غیر موجود ہے، وہ محبت نہیں۔ محبت میں کوئی نہ کوئی ایک عنصر موجود ہونا ضروری ہے۔ پسندیدگی، قرابت داری کا نتیجہ ہے، اسی لیے قرابت داری دوستی میں بھی ہو سکتی ہے اور محبت میں بھی۔ خالی محبت یعنی ایک ہی تعلق پر پکے رہنا، صرف محبت محض پابندی ہے۔ جب قرابت داری اور جوش دونوں شامل ہوں تو رومانوی محبت سامنے آتی ہے۔ جبکہ قرابت داری کے ساتھ اگر کمٹمنٹ کو شامل کیا جائے تو گہری دوستی جیسی محبت کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔ جب جوش اور کمٹمنٹ دونوں شامل ہو جائیں تو اس کو احمقانہ یا بے وقوفانہ محبت کہتے ہیں۔ جس تعلق میں یہ تینوں عناصر یکجا ہوں تو اس کو کامل محبت کہتے ہیں۔'' اس نے وضاحت کرتے ہوئے کہا

''مطلب ان تین عناصر کے علاوہ محبت ممکن نہیں؟'' آیت نے سر ہلاتے ہوئے کہا

''بالکل، کیونکہ میں نے نہ صرف یہ پڑھا ہے، بلکہ اس پر تحقیق دیکھی ہے اور یہ ثابت بھی ہے۔'' اس نے بتایا

''دیکھو شکیل۔! میں تمہاری کوئی بات نہ رَدّ کرتی ہو اور نہ اس کی حمایت کرتی ہوں۔ میں صرف یہ کہوں گی تم اپنی جگہ بالکل ٹھیک ہو۔ ہم اس پر پھر کبھی بات کر لیں گے۔''

''ہاں اب خاصا وقت ہو گیا ہے۔ مجھے بھی چلنا چاہئے، ہم گپ شپ تو کرتے ہی رہیں گے۔'' وہ خوش دلی سے بولا اور اٹھ گیا۔ آیت اس کے ساتھ گیٹ تک آئی اور وہیں سے اسے الوداع کہا۔ اسی لین کے آخر پر شکیل کا گھر تھا۔ وہ چند لمحے اسے جاتا ہوا دیکھتی رہی، پھر پلٹ گئی۔

اگلی صبح وہ پارک کے جاگنگ ٹریک پر ابھی پہنچی ہی تھی کہ اسے شکیل آتا ہوا دکھائی دیا۔ آیت نے اس کا انتظار نہیں کیا بلکہ وہ جاگنگ کے لئے چل دی۔ شاید شکیل نے بھی محسوس کر لیا تھا، اس لئے وہ اس کے قریب نہیں آیا۔ جب وہ جاگنگ کر چکی تو ایک بینچ پر جا بیٹھی۔ اسے بیٹھا دیکھ کر شکیل بھی اس کی طرف آ گیا۔

''صبح بخیر۔'' اس نے قریب آتے ہی کہا

''صبح بخیر۔'' آیت نے کہا اور تھوڑا سا ایک طرف کھسک گئی تا کہ وہ بھی وہیں بیٹھ جائے۔ تبھی اس نے بیٹھتے ہوئے پوچھا

''آج کیا پروگرام ہے؟''

''وہی جو روزانہ ہوتا ہے، آفس جاؤں گی۔'' یہ کہتے ہوئے اس نے چند لمحے سوچ کر پوچھا، ''کوئی خاص بات؟''

''میرا دل چاہ رہا ہے کہ کسی جھیل کنارے جایا جائے، میں سوچا اگر تم بھی ساتھ چلنا چاہو؟'' اس نے آیت کے چہرے پر دیکھتے ہوئے پوچھا

''چل دیں گے، لیکن آفس سے آنے کے بعد، شام کے وقت۔'' وہ کندھے اُچکاتے ہوئے بولی

''ٹھیک ہے، میں انتظار کروں گا، مجھے کال کر دینا، میں پک کرلوں گا۔''

''ڈن ہوگیا'' اس نے مسکراتے ہوئے کہا اور اٹھ گئی۔ اس پر شکیل بھی اٹھ گیا تو وہ دونوں چلتے ہوئے پارک سے نکلتے چلے گئے۔ باہر شکیل کی کار کھڑی تھی۔ وہ اس طرف بڑھا تو آیت پیدل ہی دوسری جانب چل دی۔ شکیل نے اسے یوں جاتے ہوئے دیکھ کر پوچھا

''کہاں جا رہی ہو؟ کار لائی ہو؟''

''نہیں میں پیدل ہی آتی جاتی ہوں۔'' آیت نے جواب دیا۔

''اوہ۔! چلو آج میرے ساتھ واپس چلو، کل سے میں بھی پیدل ہی آجایا کروں گا۔'' شکیل نے کہا تو وہ اس کی کار کی جانب چل پڑی۔

❁.........❁.........❁

طاہر کار پورچ میں لے کر آیا تو سرمد بھی اپنا بیگ سنبھالتے ہوئے آگیا۔ اس نے پچھلی سیٹ پر بیگ رکھا اور پھر پسنجر سیٹ والا دروازہ کھول کر ساتھ میں آبیٹھا۔ انہیں لمحات میں رابعہ اندر سے آگئی۔ وہ ان دونوں کی طرف دیکھ رہی تھی۔ طاہر نے رابعہ کی طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے ہاتھ ہلایا تو سرمد نے بھی ایسے ہی کیا۔ رابعہ نے بھی مسکراتے ہوئے ہاتھ ہلایا تو طاہر نے کار آگے بڑھا دی۔ فارم ہاؤس کا بیرونی گیٹ پار کرتے ہوئے طاہر نے سرمد کی طرف دیکھ کر کہا

''یار سرمد، آج تم بڑے اچھے لگ رہے ہو۔''

''وہ کیسے پاپا؟'' اس نے معصومیت سے پوچھا

''یونیفارم جچ رہی ہے، بال سنوارے ہوئے ہیں۔'' طاہر نے تیزی سے کہا

''وہ تو روزانہ ہی ایسے ہوتے ہیں۔'' اس نے کہا طاہر کی طرف دیکھ کر بولا ''پاپا۔! جچ تو آپ رہے ہیں آج۔ اصل بات بتائیں کہنا کیا چاہ رہے ہیں؟'' اس نے مسکراتے ہوئے پوچھا تو طاہر ہنستے ہوئے بولا

''سرمد، میرے ساتھ رہ کر تم کچھ زیادہ ہی چالاک نہیں ہوگئے۔''

''اب بات گول مت کریں۔'' سرمد نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا

''ہاں یار بات تو ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ مجھے آج ایک کام کے لئے اسلام آباد جانا ہے۔ دو دن لگ جائیں گے۔ سو کہیں تمہارا موڈ

......" یہ کہتے ہوئے اس نے سرمد کی طرف دیکھا تو اس نے اداس ہوتے ہوئے تیزی سے کہا

"کوئی بات نہیں پاپا، بڑی ماما کہتی ہیں کہ آپ کو بہت سارے کام ہوتے ہیں، کام تو کرنے ہیں، اس لئے آپ جائیں لیکن فون کرتے رہیں۔"

بالکل، فون تو میں کروں گا۔ہاں میں واپس آکر پوچھوں گا کہ آپ نے کتنا کچھ پڑھا، ٹھیک۔"

"جی پاپا، بالکل ٹھیک۔" اس نے عام سے لہجے میں کہا

"یہ دو دن مستی کرنا لیکن ماما کو تنگ نہیں کرنا۔" طاہر نے سمجھاتے ہوئے کہا

"ڈن پاپا" اس نے سر ہلاتے ہوئے اداسی سے کہا

"اچھا یہ بتاؤ، تمہارے لئے وہاں سے کیا لے کر آؤں؟" اس نے سرمد کو بہلانے کے لئے پوچھا

"کچھ نہیں، میرے پاس سب کچھ ہے، آپ بس جلدی سے آجائیں۔" سرمد نے کہا

"ڈن ہو گیا۔" اس نے سرمد کے انداز میں کہا تو وہ ہنس دیا

انہیں باتوں کے دوران سرمد کا سکول آ گیا۔ طاہر نے گیٹ کے آگے کار روکی۔ اتر کر سرمد کو بیگ تھمایا، اسے پیار کیا تو وہ ہاتھ ہلاتا ہوا گیٹ کے اندر چلا گیا۔ تبھی طاہر کار میں بیٹھ کر چل دیا۔ اس کا رخ آیت النساء کے گھر کی طرف تھا۔

اسے آیت النساء سے بہت ساری باتیں کرنا تھیں۔ بہاولپور میں ضمنی الیکشن تھے۔ جہاں امیدوار فائنل کرنے کا مسئلہ چل رہا تھا۔ اگرچہ اس کی رابعہ سے شادی والی بات عوام میں نہیں گئی تھی لیکن اپنے ہی لوگوں کے مخصوص حلقے کو علم تھا۔ بابا سے وہ بات بھی کرنا چاہتا تو بابا اس کا فون ہی نہیں سنتے تھے۔ بلقیس بیگم اس کی بات سن لیتی مگر اپنے خاوند کے سامنے مجبور تھی۔ سو اسے کچھ پتہ نہیں تھا کہ بابا ضمنی الیکشن میں کسے لا رہے ہیں۔ وہ ذاتی طور پر ساجد کو آگے لانا چاہتا تھا۔ لیکن۔! وہاں کی بزنس کمیونٹی اپنا بندہ لانا چاہتی تھی۔ طاہر اور سردار سکندر کے درمیان بات نہ ہونے کے سبب اسے کچھ پتہ نہیں چل رہا تھا کہ صورت حال کیا ہے۔ اسے اسمبلی اجلاس کے لئے اسلام آباد جانا تھا۔ ظاہر ہے وہاں پر ضمنی انتخابات کے بارے میں بات ہونا تھی لیکن اسے حلقے کے بارے میں کوئی علم نہیں تھا۔ وہ اس سے مل کر اس سے بات کر کے، یہ مسئلہ حل کرنا چاہتا تھا۔

یہی سوچتے ہوئے وہ آیت النساء کے گھر کے قریب موڑ مڑا۔ تبھی اس کی نگاہ گیٹ پر کھڑی پہ پڑی۔ آیت اس میں سے نکلی تھی۔ وہ کسی بات پر قہقہہ لگا کر ہنسی تھی۔ پھر بڑے بے تکلفانہ موڈ میں ہاتھ ہلایا اور تیزی سے اندر کی جانب بڑھ گئی۔ اسی لمحے وہ کار حرکت میں آئی اور اسی کی جانب بڑھ آئی۔ لاشعوری طور پر اس نے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے جوان کو دیکھا، جو لمحہ پھر سے بھی کم وقت میں اس کے قریب سے گذر گیا۔ یہ سارا منظر چند لمحوں کا تھا، یا شاید آدھے منٹ سے کم، لیکن اسی مختصر وقت نے اس کے اندر کی دنیا کو اتھل پتھل کر دیا۔ اسے وہ

سب بھول گیا جواس نے آیت سے کہنا تھا۔یادر ہا تو وہ منظر جس نے اس کے اندر موجود عاشق کو بیدار کر کے رکھ دیا۔ایسے میں وہ آیت کے گھر کے باہر گیٹ تک آن پہنچا۔اس نے ایک بار بریک دبایا پھر نہیں رُکا، آگے ہی بڑھتا چلا گیا۔

وہ سیدھا دفتر کی پارکنگ میں آکر رکا۔ جہاں پر چند گاڑیاں ہی کھڑی تھیں اسے احساس ہوا کہ وہ دفتر کے وقت سے کافی پہلے آ گیا ہے۔اس نے کار بند کی اور اتر کر سیدھا اپنے آفس کی جانب بڑھ گیا۔آفس بوائے ابھی صفائی کر رہا تھا۔اسے حیرت سے دیکھ کر جلدی سے ایک طرف ہٹ گیا۔وہ کرسی پر جا بیٹھا تو آفس بوائے باہر چلا گیا۔وہ کون تھا، جس کے ساتھ آیت النساء اس قدر خوش تھی؟ کیا آیت النساء کی خوشی اسی کے ساتھ میں ہے؟ یہ وہ بنیادی سوال تھے جس پر ایک کے بعد ایک سوال اس کے دماغ میں گھومنے لگے۔

”سر چائے۔“

آفس بوائے نے چائے میز پر رکھتے ہوئے کہا تو وہ اپنے خیالات سے نکل آیا۔اس نے سبھی سوالوں کو ذہن سے جھٹکا اور چائے پینے لگا۔کیونکہ جو کچھ دماغ کہہ رہا تھا، اس پہ اس کا دل نہیں مان رہا تھا۔چائے پینے تک وہ فیصلہ کر چکا تھا کہ وہ ابھی آیت النساء کا سامنا بھی نہیں کرے گا، ممکن ہے کوئی بات منہ سے نکل جائے، وہ اسے ملے بغیر ہی اسلام آباد جائے گا۔ضمنی الیکشن میں جو فیصلہ ہوتا ہے ہوتا رہے، اگر کوئی مجھ سے پوچھے گا تو دیکھا جائے گا۔اس نے ڈرائیور کو بلایا تا کہ اسی وقت اسلام آباد کے سفر پر چل پڑے۔

❁ ❁ ❁

شہر سے باہر بنائی گئی جھیل کے گرد سبزہ ہی سبزہ تھا۔اونچے گھنے سرسبز درخت جنگل کی مانند پھیلے ہوئے لگ رہے تھے۔جھیل کے کنارے کنارے دائرے میں ایک بڑا سا ٹریک تھا۔ٹریک کے ساتھ جا بجا لکڑی کے بنے ہوئے بینچ تھے۔انہیں میں ایک بینچ پر آیت اور شکیل بیٹھے ہوئے تھے۔مغربی اُفق میں سورج جھک گیا تھا۔جس کی روشنی ایک لمبی لکیر کی مانند جھیل کے پانی پر تیر رہی تھی۔دونوں یونہی عام سے موضوع پر باتیں کر رہے تھے۔انہی باتوں میں شکیل نے آیت سے پوچھا

”رات جو کاریڈور میں بیٹھے ہم نے باتیں کیں، لگتا ہے وہ تمہیں اچھی نہیں لگیں۔“

”وہ محبت والی باتیں؟“ آیت نے یوں پوچھا جیسے تصدیق چاہ رہی ہو۔

”ہاں وہی، مجھے لگا تمہیں ان سے اختلاف ہے۔“ اس نے محتاط لہجے میں پوچھا تو چند لمحے سوچتی رہی، پھر انتہائی سنجیدگی سے بولی

”دیکھو۔! دنیا میں ہر طرح کے نظریات ہیں۔اگر تمہارے پاس کسی بھی موضوع پر اپنا نظریہ ہے تو مجھے اس سے کیا۔“ یہ کہہ کر وہ لمحہ بھر کو خاموش ہوئی پھر ایک دم سے یوں بولی جیسے اس کچھ یاد آ گیا ہو،”ہاں، اس وقت تک مجھے کوئی دلچسپی نہیں جب تک وہ میری ذات کے حصار تک نہ آجائے۔“

”تمہارا کیا خیال ہے، میں نے تم سے یہ بات یونہی کی ہے۔میرا مطلب اور مقصد یہ ہے کہ تم محبت کو سمجھو، اور اس سے اپنی

زندگی کو بہتر انداز میں گزارنے کی کوشش کرو۔'' شکیل نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا

''اگر میں کہوں کہ میں اب بھی بہت بہترین اور آسودہ زندگی گزار رہی ہوں تو یہ غلط نہ ہوگا۔ دوسری بات یہ ہے۔ جس طرح کی محبت کی بات تم کر رہے ہو۔ وہ میری سمجھ سے بالاتر ہے۔'' آیت نے کہا

''ہاں اب ہوئی نا بات، کہو کہاں سمجھ نہیں آئی، میں بتاتا ہوں۔'' شکیل نے چہکتے ہوئے کہا جیسے اس نے کوئی کامیابی حاصل کر لی ہو

''اگر تم میری بات کو طعنہ یا کسی منفی پیرائے میں نہ لو تو میں کہوں؟'' آیت نے سنجیدگی سے پوچھا

''نہیں بالکل بھی نہیں، تم بس بات کرو۔'' اس نے تیزی سے کہا

''کسی بھی نظریہ کے درست یا غلط ہونے یا اس کی خوبیوں خامیوں کے بارے میں اس کے نتائج سے پتہ چلتا ہے۔ جیسا کہ تم اور تمہاری بیوی شارلین نے پسند کی شادی کی، تم دونوں میں محبت تھی تو ایسا کیا، تم اپنے نظریہ محبت کے تحت چلے، جس کا نتیجہ کیا ہوا؟ بیوی اور بیٹا گنوا کر بیٹھے ہو، یہاں تک کہ مایوس ہو کر یہاں آگئے۔ ایک تجربہ تمہارے پاس ہے، جس سے تم نے کچھ نہیں سیکھا؟'' آیت نے بڑے سکون سے کہتے ہوئے سوال کیا

''میں اب بھی اس سے محبت کرتا ہوں، لیکن کیا کروں، وہ بے وفا نکلی، وہاں کا قانون اس بات کی اجازت دیتا ہے تو بیٹا وہ لے گئی، خیر بیٹا اس کا بھی ہے۔ کہنے کو میں بہت ساری باتیں کہہ سکتا ہوں مگر۔! میں نے یہ سیکھا کہ ہمارے درمیان کچھ غلط ہو گیا۔ خلا آگئے، یا جو بھی ہوا۔ لیکن یہ حقیقت اپنی جگہ موجود ہے کہ ہم میں محبت تھی۔ جس کا نتیجہ ہمارا بیٹا ہے۔ میں نے آسودگی لے لی، ایسا ہی تجربہ پھر دہرا سکتا ہوں۔ کیونکہ میرا ہی علم مجھے بتاتا ہے جن لوگوں کو رفاقت کا سپردگی کا تجربہ نہیں وہ زندگی کی حقیقی خوشی سے محروم ہیں۔ شعوری یا لاشعوری طور پر ان کا احساس محرومی انکی شخصیت کو ختم کر کے رکھ دیتا ہے۔'' اس نے سمجھایا

''بے وفا وہ نہیں ہے اور نہ تم ہو، یا پھر صرف اسے بے وفا نہ کہو، تم بھی اتنے ہی بے وفا ہو، جتنا تم اسے سمجھ رہے ہو۔'' آیت اس کی طرف دیکھ کے کہا تو وہ دلچسپی سے بولا

''ویری انٹرسٹنگ۔! سمجھا سکو گی کیسے؟''

''جیسی سوچ، محبت کے بارے میں تمہاری ہے، ویسی ہی اس کی، جس بنیاد پر تم دونوں کی کمٹمنٹ ہوئی، اس کا لازمی نتیجہ یہی ہونا تھا۔ جس علم پر تم محبت کی تشریح کر رہے ہو، اس کے آخر میں یہی کچھ ہونا تھا۔ اب جس بنیاد پر تم نے محبت کے عناصر بتائے، انہی بنیادوں پر جتنی مرضی تحقیق کر لو وہ تحقیق درست سمت میں نہیں ہوگی۔ اس کا نتیجہ آخر میں صفر ہی ہوگا۔ سوچ کا بنیادی اعتبار ہی وہ نہیں، جس پر تعلق کی مضبوطی قائم ہو سکے۔'' اس بار آیت نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا

''تم اس کمٹمنٹ کو کن معنوں میں لے رہی ہو؟'' شکیل نے سوچ لہجے میں پوچھا

”کمٹمنٹ کیا شے ہے، اسے یوں سمجھو کہ جس طرح روشنی کی رفتار سب سے زیادہ ہے، مگر اندھیرے کے بالکل برابر ہے۔ جتنی تیزی سے روشنی آئے گی، اتنی رفتار سے اندھیرا جائے گا۔ یعنی دونوں ہی ایک سطح پر ہیں۔ اب ہوا یہ کہ نہ تم نے سمجھا کہ محبت کیا ہے اور نہ اس نے جانا، دونوں ایک ایسی شے سے جڑے رہے جو ناپائیدار تھی، جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ الگ ہو گئے۔“ آیت نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا جہاں ذرا سی الجھن پیدا ہو گئی تھی۔ دھیرے سے بولا

”اصل میں کہنا کیا چاہتی ہو؟“

”تم نے کہا تھا کہ محبت کرنے سے زیادہ بڑا کام محبت کو سمجھنا ہے۔ جو تجربات تم لے کر آئے ہو، اس میں محض مادیت ہے، جو عنصر تم نے بتائے یا محض مادیت، اس میں خلا بڑھتا ہے۔ جس بنیاد پر کھڑے نظریئے سے الجھن پیدا ہو، فاصلے بڑھ جائیں، انتشار پیدا ہو یہاں تک کہ جدا ہو جائیں تم اسے محبت کیسے کہہ سکتے ہو۔ جہاں بھی محض مادیت پرستی کا خیال ہوگا، کسی بھی سوچ کی بنیاد ہوگا، چاہے وہ مشرقی ہے یا مغربی معاشرہ اس کا نتیجہ وہی ہوگا۔ کیونکہ کسی بھی شے کی بنیاد غلط ہے یا درست اس کا اندازہ اس کے نتیجے سے لگایا جائے گا۔ وہ علم جہاں ذہن اور دل ایک نہیں ہوتے، وہ دوراہا ہے۔ یہاں پر جتنے بھی جوڑے پہنچے گے، وہ انتشار پائیں گے۔ جس معاشرے سے تم نے سوچ لی وہاں یہ بہت بڑا خلا ہے۔ جو جوڑنے کی بجائے الگ الگ کر دیتا ہے۔“ آیت نے کہا تو اس نے تیزی سے پوچھا

”تمہارے خیال میں وہ کون سی چیز ہے جو جوڑ سکتی ہے۔“

”وہ ہے بے رنگی۔“ وہ سکون سے بولی

”بے رنگی۔! وہ کیا ہے؟“ اس نے کافی حد تک حیرت سے پوچھا

”انسان کا وہ خالص پن جو اسے فطرت سے جوڑتا ہے۔“ آیت نے سکون سے کہا

”اس کی وضاحت کرو گی؟“ اس نے دلچسپی سے پوچھا

”تعلق میں پوری طرح مخلص ہونا۔ بے رنگی ہو گی تو ان کے خالص رویے ظاہر ہوں گے، وہ کہتے ہیں نا یک جان دو قالب، یہ بے رنگی ہی سے آتی ہے، دو قالب ایک جان تبھی ہوتے ہیں جب ان میں کوئی رنگ نہیں رہتا۔“ آیت نے کہا لیکن شکیل کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔ تبھی وہ بولی، ”چلیں۔! میں تمہیں ایک مثال سے سمجھاتی ہوں۔“

”ٹھیک ہے۔“ اس نے ہنکارا بھرنے والے انداز میں کہا

”ہم نے کسی بھی حد یا لامحدود کا تصور دینا ہو تو کوئی نہ کوئی بنیاد تو لیتے ہیں۔ جیسے صفر ایک بنیادی ہندسہ ہے۔ اس کے بعد لامحدود گنتی چل پڑتی ہے۔ صفر ایک بنیاد ہے۔ جس کے ایک طرف مثبت ایک، مثبت دو اور لامحدود، جبکہ دوسری جانب منفی ایک، منفی دو اور لامحدود۔ جدھر بھی بڑھیں گے درمیان میں صفر پڑا ہے، اس کے بنا آپ نہ ایک طرف جا سکتے ہیں نا دوسری جانب۔ صفر بے رنگی ہے۔ یہ ہے خالص پن، اب آپ رشتوں سے محبت کریں، فطرت سے کریں، جس سے بھی ہو، وہ خالص محبت ہو گی۔“

''ویسے مجھے یہ مثبت منفی والی بات محبت کے معاملے میں سمجھ نہیں آئی۔ خیر اگر مان بھی لی جائے تو یہ محبت میں کس طرح اپلائی ہوگی؟'' شکیل نے انتہائی سنجیدگی سے پوچھا

''جس طرح ہر شے کے دو پہلو ہیں۔ انسان روح اور مادہ کا شہکار ہے۔اسی طرح انسان کے دو پہلو ہیں، ظاہر اور باطن۔انسان کے ظاہر میں دو پہلو ہیں، منفی اور مثبت۔ جیسے عورت اور مرد لے لو، ظاہر میں یہ دو الگ الگ صنف ہیں، لیکن بہ حیثیت انسان باطن ایک طرح کا ہی ہوتا ہے، ظاہر میں ایک ہو جانے والے جب تک باطن میں ایک جیسے نہیں ہوں گے، تب ہی ان میں محبت پیدا ہوگی، ان کا باطن بے رنگ ہوگا تو نہ صرف محبت برقرار رہے گی بلکہ پروان چڑھے گی۔'' آیت نے بھی اسی سنجیدگی سے کہا

''باطن کی بات تو ہم بعد میں کرلیں گے اگر تم مجھے یہ منفی مثبت والی بات مزید سمجھا سکو۔'' اس نے کہا تو وہ آہستہ آہستہ کہتی چلی گئی۔

''بہت سادہ سی بات ہے، میاں بیوی انسان ہیں ان میں ہر طرح کا جذبہ پایا جاتا ہے، اتفاق بھی ہوتا ہے، اختلاف بھی ہے، پیار، غصہ، لڑائی، قربت سب چلتا ہے۔ وہ ربورٹ نہیں ہیں۔ خاوند اگر کسی دوسری عورت کو دیکھے گا تو وہ رقابت میں لڑ بھی پڑے گی، غیر عورت یا جو بیوی نہیں ہے وہ ایسی رقابت محسوس ہی نہیں کرے گی۔ ایسا مرد بھی کرے گا، یہ جذبہ کسی دوسرے میں نہیں ہوگا۔ تو کیا وہ ان چھوٹی چھوٹی باتوں سے ایک دوسرے کو چھوڑ دیں، نہیں انہیں اگر کوئی شے جوڑ کر رکھتی ہے تو ان دونوں کا باطن ہے، جو بے رنگ ہے۔ اس بے رنگی میں جتنی لطافت آئے گی دونوں اتنا ہی قریب ہوں گے۔ حقیقی معنوں میں یک جان دو قالب۔''

''اب تم یہ ایک نئی شے لطافت لے آئی ہو، کیا اسے......'' اس نے کہنا چاہا تو آیت نے ہاتھ کے اشارے سے اسے روکتے ہوئے ہنس کر کہا

''یہ پھر سہی، پہلے اتنا ہی سمجھ لو۔ اگلے کسی وقت کے باتیں بچا رکھو۔''

''اوکے، ڈن ہو گیا۔'' شکیل نے بھی ہنستے ہوئے کہا پھر مغرب کی طرف جھکے ہوئے سورج کو دیکھ کر بولا ''چلو، اب کہیں سے ڈنر لیتے ہیں، بتاؤ کوئی اچھی سی جگہ۔''

''ہاں یہ کی ہے نا بات، چلو بتاتی ہوں۔'' یہ کہہ کر آیت اٹھ گئی۔ شکیل بھی کھڑا ہو گیا۔ وہ دونوں کچھ فاصلے پر کھڑی ہوئی کار کی جانب بڑھ گئے۔

❁......❁......❁

آیت النساء آفس میں آ کر بیٹھی ہی تھی کہ اس کا سیل فون بج اٹھا۔ اس نے اسکرین پر نمبر دیکھے تو بہاول پور سے ایک صاحب کے تھے۔ وہ وہاں کی بزنس کمیونٹی کا ہی ایک فرد تھا۔ آیت نے انہی کے ساتھ اپنے بزنس کی شروعات کی ہوئی تھیں۔ اس نے فون کال ریسیو کر کے حال احوال پوچھا۔ تب اس نے کہا

''میڈم کیا آپ یہاں کی سیاسی صورت حال سے واقف ہیں؟''

لہجہ کافی حد تک طنزیہ تھا۔اس نے لمحہ بھر رُک کر بات کو سمجھا اور پھر تحمل سے بولی

''واقف تو ہوں لیکن اپ ڈیٹ نہیں، بات کیا ہے؟''

''دیکھیں، ضمنی الیکشن کے لئے سردار سکندر حیات اور طاہر باجوہ سے یہی طے ہوا تھا کہ ہمارا بندہ چھوٹی سیٹ پر الیکشن لڑے گا۔آپ اس کمٹمنٹ میں شامل تھیں۔''

''بالکل، میں شامل تھی۔یہی طے ہوا تھا۔'' آیت نے کہا

''تو سردار صاحب اس کمٹمنٹ کو پورا نہیں کر رہے ہیں۔ ہمارے بندے کا نام انہوں ماننے سے انکار کر کے اپنا بندہ لانا چاہ رہے ہیں۔''اس صاحب نے تفصیل سے بتایا

''یہ تو ٹھیک نہیں ہوا، آپ نے بات کی؟'' آیت نے پوچھا

''جی، ہم نے رات بات کی تھی مگر وہ نہیں مان رہے ہیں، اسی لئے اس وقت آپ کو زحمت دے رہے ہیں کہ یا تو آپ ان سے بات کریں، یا پھر جو ہمارا فیصلہ ہوگا۔''اس صاحب نے حتمی لہجے میں کہا تو آیت نے سکون سے کہا

''دیکھیں، میں اپنے لوگوں کے ساتھ ہوں ہر صورت میں۔ اگر انہوں نے آپ سب کی بات نہیں مانی تو میری بات کیا مانیں گے۔جو آپ کا فیصلہ وہی میرا ہے۔'' آیت نے کہا

''ہمارا خیال ہے کہ آپ آخری بار بات کر کے دیکھ لیں۔''

''ٹھیک ہے، میں کرتی ہوں بات، ابھی کچھ دیر میں آپ کو بتاتی ہوں۔''

''ہم انتظار کر رہے ہیں۔''اس نے کہا اور فون بند کر دیا

آیت النساء کے لئے یہ صورت حال کوئی نئی نہیں تھی۔ جب سے طاہر نے رابعہ کے معاملے میں اپنے بابا کے ردعمل کے بارے میں بتایا تھا، وہ اسی وقت سے یہ سمجھ رہی تھی کہ ایسی صورت حال کا سامنا بہر حال کرنا پڑے گا۔وہ جانتی تھی کہ سکندر حیات بالکل نہیں مانے گا۔کیونکہ ان کی طرف سے ساجد ہی امیدوار تھا۔اس لئے سردار اس وقت انا میں تھا۔وہ کچھ دیر سوچتی رہی پھر اس نے سکندر حیات کا فون ملا دیا۔کچھ لمحوں بعد فون رسیو کر لیا گیا۔

''انکل، آیت النساء بات کر رہی ہوں۔''اس نے مودبانہ لہجے میں سکون سے کہا

''مجھے اندازہ تھا کہ تمہارا فون آئے گا، لیکن اتنی دیر بعد آئے گا، یہ بہر حال اندازہ نہیں تھا۔''اس نے طنزیہ لہجے میں کہا۔آیت نے اس کا طنزیہ لہجہ نظر انداز کرتے ہوئے بزنس کمیونٹی کی بات کر دی۔ جسے تحمل سے سننے کے بعد وہ بولا،''میں یہ چھوٹی سیٹ اپنے لئے جیتنا

چاہتا ہوں، کیونکہ جس طرح میرا بیٹا میرے ہاتھ سے نکل گیا، اس طرح بہت جلد یہ بڑی سیٹ بھی ہاتھ سے نکل جانے والی ہے۔''

''میں طاہر کے کسی عمل کی جواب دہ نہیں ہوں میں تو......'' آیت نے کہنا چاہا تو بھڑک کر بولا

''سارا قصور ہی تمہارا ہے۔ نجانے کیسے کیسے خواب دکھا کر تم اسے ورغلاتی رہی ہو، کیا تم اس سے انکار کر سکتی ہو کہ تم نے اُسے ذہنی طور پر تیار نہیں کیا؟ کیا تم نے ہی اسے رابعہ سے شادی کرنے پر مجبور نہیں کیا؟ کیا تم ہی وہ نہیں ہو جو اس سارے فساد کی جڑ ہے؟''

''انکل۔! میں مانتی ہوں کہ میں نے اسے یہ راہ دکھائی لیکن فیصلہ تو اس کا تھا اور......'' آیت نے وضاحت کرتے ہوئے کہا تو اسی غصے میں بولا

''میں نہیں جانتا کہ تم نے ہم سے کس کی دشمنی لی ہے، ہمارا سیاسی کیریئر خراب کرنا تھا، کر لیا۔ اب میں تمہیں مزید اجازت نہیں دے سکتا۔ تم جس طرح چاہو کرو، جس بندے کو لے کر آنا ہے لے آؤ، ہار جیت جو بھی ہے مجھے قبول ہے۔''

''انکل، آپ ایسے نہ کریں، جو طے ہوا، ہمیں اس پر قائم رہنا ہے۔ اس سے......''

''طاہر سے کہو، وہ رابعہ کو طلاق دے کر آ جائے، پھر جو چاہے کر لو۔'' سکندر حیات نے حتمی انداز میں کہا اور فون بند کر دیا۔ آیت کتنی ہی دیر تک سیل فون کو تکتی رہی۔ پھر اسی صاحب کو فون کر کے کہہ دیا کہ وہ جو چاہیں کریں، سکندر حیات نہیں مان رہا۔ وہ بہر حال ان کے ہی ساتھ ہے۔ ایسا کہہ کر وہ دکھ کی شدید کیفیت سے گذری مگر یہ کیفیت زیادہ دیر تک نہ رہی۔ اس نے یوں خود پر قابو پا لیا جیسے کچھ ہوا ہی نہیں۔

❁......❁......❁

طاہر اسمبلی اجلاس کے بعد کار کی پچھلی نشست پر بیٹھا ہاسٹل کی طرف جا رہا تھا۔ وہ ذہنی طور پر تھک چکا تھا۔ اسے ساجد کے فون کا انتظار تھا۔ بہاول پور کی صورت حال بارے جاننے کے لئے اسی کے ذمے لگایا تھا۔ وہ بھی چھوٹی سیٹ کے لئے انہی کی طرف سے امیدوار تھا مگر رابعہ کے ساتھ شادی میں ساتھ دینے پر سردار سکندر حیات اس سے خفا ہو گیا تھا۔ اس نے ساجد کا نام ہی اپنی فہرست میں سے نکال دیا۔ سردار سکندر نے کسی بھی ذریعے سے طاہر تک اپنی کوئی خواہش نہیں پہنچائی تھی۔ اگلے دن صبح پارٹی اجلاس میں اس نے بتانا تھا کہ وہ کس امیدوار کو لا رہے ہیں۔ اسے ارد گرد کی کوئی خبر نہیں تھی۔ وہ بس یہی سوچتا چلا جا رہا تھا کہ آیت کیا چاہتی ہے؟ وہ کون تھا، جس کے ساتھ وہ اتنی خوش تھی؟ کیا آیت کو اس کے حال پر چھوڑ دیا جائے؟ رابعہ کے ساتھ تعلق قبول کر لینے کے بعد کیا اس کا حق بنتا ہے کہ وہ اب بھی آیت کے بارے میں یوں سوچے؟ سوچوں کی یلغار میں وہ پھنسا ہوا تھا۔ اسے سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے۔ فون کی گھنٹی بجی تو اس کی سوچوں کا حصار ٹوٹ گیا۔ اسکرین پر ساجد کے نمبر جگمگا رہے تھے۔ اس نے کال رسیو کر کے کہا

''ہاں بولو ساجد؟''

''بابا کسی طور بھی نہیں مان رہے ہیں، ہم سب ان سے ملنے گئے تھے۔'' اس نے بتایا تو طاہر نے پوچھا

''بابا کسے امیدوار لانا چاہتے ہیں؟''

''وہی انعام الحق کے ساتھ مل کر ایک نوجوان کو لا رہے ہیں، اب دیکھیں کیا ہوتا ہے۔'' اس نے مایوسی سے کہا

''تمہارا کیا خیال ہے، اگر بابا اپنا امیدوار لے آتے ہیں تو......''

''میں الیکشن نہیں لڑوں گا۔ پھر بزنس کمیونٹی والے جو چاہیں کریں، یہ بات میں نے ان سے کہہ دی ہے۔ ان کے پاس ایک بندہ تیار ہے۔'' ساجد نے حتمی انداز میں کہا

''اماں سے بات کرنا تھی؟'' طاہر نے دھیمے سے لہجے میں کہا

''میں نے کی تھی بات، میں گیا تھا ان کے پاس۔'' ساجد نے بھی دھیمے سے انداز میں بتایا

''تو پھر......؟'' اس نے جلدی سے پوچھا

''بس یار، وہیں مجھے پتہ چلا ہے کہ آیت نے بھی بابا سے بات کی ہے، اس پر بابا نے آیت کو بہت بے عزت کیا، بابا کی بس ایک ہی شرط ہے کہ طاہر کو اگر واپس آنا ہے تو رابعہ کو طلاق دے کر آ جائے۔ وہ یہی سمجھتے ہیں کہ اس شادی کی ساری ذمہ دار آیت ہی ہے، اور اسی وجہ سے میں بھی عتاب میں ہوں۔''

''ٹھیک ہے پھر بابا جو کرتے ہیں انہیں کرنے دو۔''

''ہاں وہی کریں گے، کیونکہ انہوں نے پارٹی میں اپنی لائن سیدھی کر لی ہے۔ پارٹی بھی تم سے نہیں پوچھے گی۔'' ساجد نے اسے بتایا تو وہ ہنستے ہوئے بولا

''چل یار اچھا ہے، کسی کو خبر نہیں ہوگی۔''

''ہاں، ہے تو ایسا ہی، کیا آیت نے تم سے بات نہیں کی اس سلسلے میں؟'' ساجد نے پوچھا

''ابھی تک تو نہیں، واپس گیا تو شاید کرے۔'' طاہر نے جواب دیا

''اوکے۔ میں اب خاموش ہوں کوئی سیاسی......''

''نہیں تم اپنا سیاسی کیریئر خراب مت کرو۔'' طاہر نے تیزی سے کہا پھر الوادعی باتوں کے بعد اس نے فون بند کر دیا۔

اس وقت طاہر کو کسی بھی سیاسی صورت حال سے کوئی غرض نہیں تھی۔ وہ صرف آیت کے بارے میں سوچنے لگا تھا۔ وہ اچھی طرح سمجھ رہا تھا کہ بابا نے آیت کے ساتھ کس طرح کا رویہ رکھا ہوگا۔ اس پر آیت نے اسے بتایا تک نہیں، کیا وہ ناراض ہے اس لئے مجھ سے بات نہیں کی یا پھر بابا کا رویہ ہی مجھے بتانا نہیں چاہتی؟ اس کی سوچیں ایک نئی راہ پر چل پڑیں تھیں۔

شام ڈھلنے والی تھی جب آیت نے شکیل کے گھر کا گیٹ پار کیا اور اندر چلی گئی۔ شکیل کھڑا اس کی طرف دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔ وہ اس کی جانب بڑھتی چلی آئی۔

''خوش آمدید۔'' اس نے مسکراتے ہوئے کہا تو آیت نے پوچھا

''یہ ہے تمہارا کلینک؟''

''ہاں یہی ہے، یہ پہلے باہر والا سٹنگ روم تھا۔'' اس نے تفصیل بتائی

''ہاں مجھے پتہ ہے۔'' آیت نے کہا تو شکیل نے دروازہ کھول دیا۔ وہ دونوں اندر چلے گئے۔ اندر خاصا خواب ناک ماحول تھا۔ دھیمی روشنی میں جدید ترین فرنیچر سجایا ہوا تھا۔ دیواروں پر بڑی خوبصورت پینٹنگز آویزاں تھیں۔ کارپٹ سے فانوس تک میں ایک طرح کی یکسانیت پائی جاتی تھی۔ وہ ایک صوفے پر بیٹھ گئی تو شکیل سامنے والے صوفے پر بیٹھتا ہوا بولا

''چائے، کافی یا......''

''جو تمہارا دل چاہے۔'' آیت نے لاپرواہی سے کہا تو شکیل نے فون پر کسی سے کچھ کہا اور پھر فون ایک جانب رکھتے ہوئے بولا

''کیسا لگا میرا کلینک؟''

اس سوال کے بعد وہ کچھ دیر تک اس پر بات کرتے رہے یہاں تک کہ ان کی ملازمہ چائے کے ساتھ کافی سارے لوازمات رکھ کر چلی گئی۔ تبھی چائے کا سپ لے کر بولا

''آیت، تم نے باطن اور اس کی لطافت کی بات کی تھی۔ جس کے بارے میں کہا......''

''ہاں، لطافت جو انسان کے اندر موجود ہے، جسے نہ آپ چھو سکتے ہیں اور نہ دیکھ سکتے ہیں، یہاں تک کہ آپ اسے ماپ بھی نہیں سکتے۔'' آیت نے جواب دیا

''لیکن یہ ہے کیا شے؟'' شکیل نے سمجھتے ہوئے پوچھا

''انسان کا مادی وجود ظاہر ہے اور روحانی لطافت اس کا باطن ہے۔'' آیت نے سکون سے بتایا

''لطافت کیا ہے؟'' اس نے پوچھا

''ہمارے حواس خمسہ ہیں نا، یہ ظاہر ہیں، لیکن چکھنے کے بعد آپ اپنا ذائقہ پوری طرح دوسرے کو نہیں بتا سکتے کہ وہ دراصل ہے کیسا؟ کون سی آواز آپ کے اندر کیا اثر رکھتی ہے، کسی کے چھونے سے آپ کیا محسوس کرتے ہیں، یہ سامنے پینٹنگ ہے، اسے سو انسان دیکھ لیں، سب ایک ہی طرح سے حظ نہیں اٹھائیں گے، بلکہ ہر ایک کا اپنا تاثر ہوگا، یہ جو ظاہر سے ہم اندر محسوس کرتے ہیں، ہم اپنے حواس خمسہ کی صلاحیتوں کو ماپ نہیں سکتے اور محبت میں یہی لطافت ظاہری علم میں نہیں آ سکتی۔''

''اگر جدید سائنس اسے ماپ لے؟'' اس نے بات کو بڑھاتے ہوئے پوچھا

''جب ماپ لے گی تو کیا صورت حال بنتی ہے وہ ایک علیحدہ بات ہے۔اب بھی اس پر بات کی جاسکتی ہے لیکن یہ ہمارا موضوع نہیں، ہاں اتنا ضرور کہوں گی حواس خمسہ کی لطافت ایک حقیقت ہے اور اسے رَدّ کرنا جہالت ہے۔''

''جہالت کیوں؟'' شکیل نے تیزی سے پوچھا

''یہ جو لطافت ہے، جو انسان کے اندر موجود ہے، اسے ہم ذوق سلیم کہتے ہیں۔میرے اندر جتنی لطافت ہوگی، ذوقِ سلیم اتنا ہی بہترین ہوگا۔ذوق سلیم کو نہ ہم دیکھ سکتے ہیں نہ چھو سکتے ہیں لیکن اس کا وجود ہونا ایک حقیقت ہے۔اب ذوق سلیم کو ماپ لو گے؟'' آیت نے بتاتے ہوئے پوچھا

''ممکن ہے مستقبل میں اسے ماپ لیا جائے؟'' شکیل نے دھیمے سے کہا

''ہاں، پہلے پیمانہ بنتا ہے، پھر کسی شے کو ماپا جاتا ہے۔'' آیت نے کہا

''اچھا، محبت اور باطن کے بارے میں تم کہہ رہی تھی؟'' شکیل نے ایک نئے زاویے سے بات کی

''محبت کا نظام ظاہر اور باطن کے ساتھ ہوگا جو ذات کے ساتھ جڑا ہوا ہے۔محبت جب ظاہری اور باطنی طور مکمل نہیں ہوتی تب تک خلا رہتا ہے۔توازن ہو تو لامحدود ہو جاتا ہے۔یہی باطن انسان کو فطرت کے ساتھ جوڑتا ہے۔جب انسان محبت کے ساتھ فطرت سے جڑتا ہے تو فطرت بھی اس کے ساتھ محبت ہی سے جڑتی ہے۔فطرت اپنے اندر طاقت رکھتی ہے۔طاقت کا نہ ہونا غیر فطری ہے۔طاقت ور باطن بے رنگ ہوتا ہے۔اور یہ مثبت منفی کا سارا عمل ظاہر میں ہوتا ہے۔تبھی حقیقت روشن ہو کر انسان کے سامنے آجاتی ہے۔''

''مجھے تمہاری یہ بے رنگی والا فلسفہ کچھ الگ سا لگ رہا ہے، یہ حقیقت کو روشن کیسے کرے گا؟'' اس نے الجھتے ہوئے کہا

''سنو! کہا جاتا ہے انسان نے سب سے پہلے اپنے آپ کو شفاف پانی میں دیکھا۔بے رنگ پانی میں۔انسان اگر اپنے آپ کو دیکھنا چاہتا ہے تو شفاف شے ہی میں دیکھ سکتا ہے۔آئینہ اسی لئے وجود میں آیا۔دراصل کثافت یعنی رنگ انسان کو اس کا اپنا آپ نہیں دکھا سکتا، بے رنگی ہی حقیقت کو دکھا سکتی ہے۔بے رنگی کائنات کی چھپی ہوئی قوت ہے۔جس کی خاصیت یہ ہے کہ انسان اگر اسے اپناتا ہے تو وہ انسان کو اپنا لیتی ہے دونوں ہمیشہ ایک دوسرے سے لنک کرتے ہیں۔''

''کیا یہ ظاہر میں بھی محسوس ہو سکتی ہے؟'' شکیل نے پوچھا

''محسوس ہی نہیں ہوتی بلکہ اپنا آپ بھی منواتی ہے۔'' یہ کہہ کر وہ لمحہ بھر کو خاموش ہوئی، پھر بولی، ''منفی مثبت سب ظاہر میں ہے لیکن جب باطن بے رنگ ہوگا تو عین توازن میں ہوگا، وہاں خیر ہی خیر ہوگی۔''

''تمہاری یہ تھیوری.....'' اس نے کہنا چاہا تو آیت جلدی سے بولی

''یہ میری بات نہیں ہے۔''

''چلیں، جس کی بھی ہے۔'' یہ کہہ کر اس نے سانس لیا پھر بولا ''یہ انسانی زندگی میں توازن کیسے لاتی ہے؟''

''جب انسان صرف ظاہر میں ہوتا ہے، صرف مادیت میں تو بہت سے خلا پیدا ہوتے ہیں، یہ خلا مختلف نظریات سے بھر دیئے جاتے ہیں، من گھڑت باتیں، روایت پرمبنی فلسفے، یہ سب کثافت ہیں۔ جیسے مادیت میں باطن کو منہا کر کے اگر کوئی تحقیق ہوگی تو وہ ادھوری ہے۔''

''ٹھیک، میں اس پر سوچوں گا، پھر ہم کسی نئے پہلو سے بات کریں گے، میں مان لوں گا یا پھر تم مان لینا۔'' شکیل نے کہا تو وہ بولی

''کیوں نہیں دلیل سے ثابت کر دو۔ میں مان لوں گی۔''

''دیٹس رائیٹ۔'' اس نے خوش کن انداز میں کہا جیسے اسے بہت زیادہ کامیابی مل گئی ہو۔ پھر اس نے اس موضوع پر بات نہیں کی بلکہ وہ دونوں اٹھ کر اندر چلے گئے۔

رات گئے جب شکیل اپنے بیڈ پر آ کر لیٹا تو اس کے ذہن میں آیت اور اس کی باتیں تھیں۔ اس نے پورے سکون وتحمل سے آیت کو بولنے کا موقع دیا تھا۔ وہ جاننا چاہتا تھا کہ اس کے اندر کیا ہے۔ دادا جی نے جو بتایا تھا، وہ اسی بنیاد پر اس کا نفسیاتی تجزیہ کرنا چاہتا تھا۔ اس نے اپنے طور پر ایک مفروضہ بنایا تھا کہ وہ نام نہاد قسم کے مشرقی نظریہ عشق پر جم کر رہ گئی ہے۔ اسی نظریے کو تحقیق کے لئے وہ آیت النساء کو سننا چاہتا تھا۔ وہ دیکھنا چاہتا تھا کہ کیا واقعی وہ ایسا ہی کوئی نظریہ رکھتی ہے؟ اگر رکھتی ہے تو کس حد تک؟ اگر کوئی دوسری وجوہات ہیں تو وہ کیا ہیں؟ یہ اس کا اپنے سائنٹیفک انداز میں تحقیق کرنے کا انداز تھا۔ اس نے اپنے طور پر کچھ نکات بنائے تھے، جن پر وہ اس کے اندر کا احوال جان سکتا تھا۔ لیکن ایسا کچھ بھی نہ ہوا؟ بلکہ اسے ایک الگ طرح ہی کی بات سننا پڑی۔ شکیل اچھی طرح جانتا تھا کہ انسان پر تحقیق کرنے مختلف پہلو، چاہے وہ طبیعاتی پہلو، کیمیائی پہلو، نفسیاتی پہلو، حیاتیاتی پہلو وغیرہ ہوں عشق ومحبت کی اپنے ہی انداز میں تعریف وتشریح کی ہے۔ اور سبھی میں مادی نکتہ نگاہ سے ہی تعریف وتشریح کی گئی ہے۔ لیکن جو پہلو آیت النساء نے اس کے سامنے رکھا، وہ اس کے گمان میں بھی نہیں تھا۔

بات یہ نہیں کہ ایک مشرقی ہونے کے ناطے اس پہلو سے ناواقف تھا، وہ جانتا تھا لیکن وہ تو اسے ایک مریض سمجھ کر علاج کے نکتہ نگاہ سے تحقیق کرنا چاہتا تھا۔ شکیل کو دھچکا اس وقت لگا جب وہ اپنے بارے میں سوچنے لگا۔ اگر اس نے محبت کو سمجھا ہوتا، تو اس کی بیوی اس سے الگ ہو جاتی؟ کیا وہ اپنا بیٹا اسے دے کر خوش ہے؟ کیا یہی حقیقی خوشی ہے؟ کیا یہ حیوانیت نہیں کہ بچہ پیدا کیا اور پھر کسی کے حوالے کر کے یہاں آ گیا؟ کیا میرے اس بچے کے لئے کوئی جذبات نہیں؟ کیا مجھے کوئی دکھ نہیں؟ کیا اس کے علم نے یہ نہیں بتایا کہ دونوں کو جوڑے رکھنے والی کون سے شے ہے؟ کیا میں اپنے آپ کو جھوٹی تسلی دے کر بیٹھا ہوں کہ میری بیوی بے وفا ہے؟ کیا وہی بے وفا تھی یا اس الگ ہونے میں میں بھی بے وفا رہا ہوں؟ سوال تھے کہ امنڈتے چلے آئے تھے۔ وہ خود میں ایسا حوصلہ نہیں پا رہا تھا کہ ان سوالوں کے جواب میں اپنا آپ اپنی ہی عدالت میں رکھ سکے۔

کہتے ہیں کہ وقت کے ساتھ ساتھ انسان تہذیب یافتہ ہوا تو سب سے پہلے اس نے اپنے رشتوں کا ادراک کیا۔ سوال یہ ہے کہ انسان میں یہ صلاحیت تھی تو اس نے ایسا کیا۔ اور اگر اس نے ایسا کیا تو اس کی بنیاد کیا تھی؟ سوچ کی لگامیں تھامنے کے باوجود اس کے ہاتھ سے نکلتی چلی جارہی تھیں۔ اس کی آنکھوں سے نیند اُڑ گئی۔ وہ آیت کے بارے میں سوچتا ہوا اپنے بارے میں سوچنے لگا تھا۔

❁.....❁.....❁

روشن دن کی دھوپ نے ہر شے کو نکھار کر رکھ دیا تھا۔ طاہر فارم ہاؤس کے ایک طرف بنے لان میں اکیلا ہی بیٹھا ہوا تھا۔ وہ کچھ دیر پہلے سرمد کو سکول چھوڑ کر واپس آیا تو وہیں لان میں بیٹھ گیا۔ اگرچہ اس کے اردگرد شاداب درخت، سرسبز پودے اور رنگین پھول تھے لیکن اس کا ذہن الجھا ہوا تھا۔ بہاول پور سے آنے والی خبروں نے اسے کافی حد تک پریشان کر دیا تھا۔ وہاں جو بھی فیصلے ہو رہے تھے، ان میں اس کے بابا کی اَنا کے علاوہ کچھ بھی نہیں تھا۔ ساجد اسے ساری صورت حال کے بارے میں بتا رہا تھا۔ بابا اپنا امیدوار لے آئے تھے اور بزنس کمیونٹی کے لوگ اپنا۔ اس کے علاوہ اور لوگ بھی میدان میں تھے۔ طاہر کے لئے یہ صورت حال کوئی نئی نہیں تھی۔ ایسا ہونا ہی تھا۔ بابا اگر اپنی ضد پر اڑے رہتے تو یہی ہونا تھا۔ اس کا نتیجہ کیا ہونا تھا، اسے اس کی بھی پروا نہیں تھی۔ اس کی اصل پریشانی کا سبب کچھ اور تھا۔ اور وہ یہ کہ اس سارے معاملے میں آیت النساء نے ایک بار بھی اس سے نہ ذکر کیا تھا اور نہ ہی کوئی مشورہ۔ وہ یوں لاتعلق ہو گئی تھی جیسے طاہر سے کبھی اس کا ناطہ ہی نہ رہا ہو۔ یوں لگ رہا تھا جیسے رابعہ سے شادی ہی تک اس کی دلچسپی تھی، اس کے بعد وہ اپنی دنیا میں کھو گئی ہو۔ یہ سوچ کئی دنوں سے اس کے دماغ میں تھی۔ وہ اسی کشمکش میں تھا کہ اس بارے وہ آیت سے بات کرے یا نہیں کرے۔ تبھی اس نے آیت کو شکیل کے ساتھ انتہائی خوش دیکھا تو خاموش ہو گیا۔ لیکن اندر کہیں ایک نئی جنگ چل پڑی۔ مثبت منفی خیالات کا ایک ہجوم دَر آیا۔ ایک طرف وہ لاتعلق اور دوسری طرف رابعہ سے رشتہ ختم کرنے پر بابا کی ضد اپنے پورے عروج پر تھی۔ وہ اس صورت حال سے نکل نہیں پا رہا تھا۔

"آپ نے آج آفس نہیں جانا؟" رابعہ کی آواز پر وہ چونکا۔ اس نے دیکھا وہ سامنے کھڑی تھی۔

"جانا ہے لیکن ذرا دیر سے۔" اس نے خود کو سمیٹ کر مسکراتے ہوئے کہا

"اگر خدانخواستہ آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے تو آپ....." رابعہ نے کہنا چاہا تو وہ اٹھتے ہوئے بولا

"نہیں، میں بالکل ٹھیک ہوں، آپ کو ایسا کیوں لگا؟"

"آپ تیار ہو کر سرمد کے ساتھ نہیں نہ گئے تھے۔ میں نے سوچا شاید آج آپ نہ جانا چاہتے ہوں۔" رابعہ نے دھیمے سے انداز میں کہا تو وہ مسکراتے ہوئے بولا

"آج کوئی اتنا خاص کام نہیں تھا، میں نے سوچا، ذرا لیٹ چلا جاؤں گا۔ بس ابھی تیار ہو کر نکلتا ہوں۔ آپ اتنی دیر میں اچھی سے چائے بنا لیں۔"

”جی ٹھیک ہے۔“ وہ پرسکون انداز میں بولی تو وہ اندر کی جانب چلا پڑا۔ رابعہ بھی بڑھتے ہوئے طاہر کے پیچھے پیچھے چل پڑی۔

طاہر آفس پہنچا اور معمول کے کاموں میں لگ گیا۔ زیادہ وقت نہیں گزرا تھا کہ اس کا سیل فون بج اٹھا۔ وہ ساجد کا فون تھا۔ اس نے کال رسیو کرتے ہوئے کہا

”ہاں بولو ساجد۔“

”کیا تمہیں پتہ کہ آنٹی، مطلب تمہاری اماں جی لاہور آئی ہیں۔“ اس نے تیزی سے کہا

”نہیں مجھے نہیں پتہ۔“ اس نے عام سے لہجے میں تو ساجد بولا

”میری اطلاع یہ ہے کہ وہ فارم ہاؤس جائیں گی۔“

”فارم ہاؤس، کب؟“ طاہر نے سنجیدگی ہوئے پوچھا

”یہ نہیں پتہ، میرا خیال ہے جو یہاں کی صورت حال بنی ہوئی ہے، ممکن ہے کوئی درمیانی راستہ یا سردار صاحب میں نرمی آئی ہو یا کچھ بھی۔ بات تو ہوگی نا تم سے۔“ اس نے بھی سنجیدگی سے کہا

”چلو دیکھتے ہیں۔ یہ اچھی بات ہے۔“ اس نے کہا اور فون بند کر دیا۔ وہ چند لمحے سوچتا رہا۔ وہ اپنے بابا کو جانتا تھا۔ ضد اور اَنا میں وہ کچھ بھی کر سکتے تھے لیکن اسے یہ بھی پتہ تھا، سیاست دان کا سارا ٹارگٹ اقتدار ہوتا ہے، وہ اسمبلی کی سیٹ بھی نہیں چھوڑ سکتے تھے۔ کچھ بھی تھا، وہ بہر حال اس برف کے پگھلنے پر خوش تھا۔ اس نے رابعہ کا فون ملایا تا کہ اسے بتا سکے۔ نمبر ملنے کے بعد کال جاتی رہی لیکن فون رسیو نہیں کیا گیا۔ اس نے دوبارہ ملایا تو بھی فون رسیو نہیں کیا گیا۔ وہ پریشان ہو گیا۔ تیسری بار کوشش پر فون رسیو کر لیا گیا۔ تبھی اس نے تحمل سے پوچھا۔

”خیر تھی، فون پک نہیں کیا؟“

”کچھ نہیں۔ وہ بس فون قریب نہیں تھا۔“ رابعہ نے کہا لیکن اس کا لہجہ نارمل نہیں تھا۔

”رابعہ، آپ ٹھیک ہو نا؟“ اس نے تحمل اور سکون سے پوچھا

”جی ہاں بالکل میں ٹھیک ہوں۔“ اس نے اسی بھیگے ہوئے لہجے میں جواب دیا

”اچھا پھر سنیں، میری اماں جی آئیں گی شاید یہاں فارم ہاؤس میں۔ جیسے ہی وہ آ جائیں، انہیں اس وقت تک جانے مت دیں، جب تک میں نہ آ جاؤں۔ مجھے فوراً کال کر دیں۔“ اس نے سمجھتے ہوئے کہا

”وہ آ کر چلی گئی ہیں۔“ اس نے اسی لہجے میں جواب دیا

”وہ آ کر..... مطلب چلی بھی گئیں؟“ اس نے حیرت سے پوچھا

''جی۔'' اس نے مختصر جواب دیا تو ایک لمحے کے لئے اس کے اوسان خطا ہو گئے۔ نجانے کیوں اس کے دماغ میں ہلچل سی مچ گئی۔ اسے لگا کچھ ٹھیک نہیں ہوا۔

''وہ کیا کرنے...... میرا مطلب اتنی جلدی چلی گئیں؟'' اس نے پھر پوچھا

''میں نے تو انہیں بیٹھنے کے لئے بہت کہا۔ یہ بھی کہا کہ میں آپ کو بلاتی ہوں لیکن انہوں نے مجھے فون تک جانے ہی نہیں دیا اور چلی گئیں۔'' رابعہ نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں اپنی طرف سے تفصیل بتائی۔

''ٹھیک ہے، ان کی مرضی۔'' طاہر نے جلدی سے کہا اور فون بند کر دیا۔ اس کی اماں کیا کرنے فارم ہاؤس تک آئیں؟ یہ سوال اتنا پیچیدہ نہیں تھا، جس کا جواب وہ نہ سمجھ سکتا۔ اسے پوری طرح احساس تھا کہ کیا بات ہو سکتی ہے۔ پھر بھی اس نے خود کو تسلی دینے کی خاطر اپنی اماں کو فون کر دیا۔ کال ریسیو ہوتے ہی اماں کی آواز ابھری

''تمہیں خبر ہو گئی کہ میں فارم ہاؤس گئی تھی۔''

''اماں، میرے آنے تک تو ٹھہرتیں آپ۔ اتنی جلدی......'' طاہر نے کہنا چاہا تو اماں درشت انداز میں بولیں

''میں جس کام گئی تھی، وہ کام اتنی دیر ہی کا تھا۔ مجھے مزید رُکنے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔'' اماں نے کافی حد تک غصے میں کہا

''ایسا کیا کام تھا اماں جو......'' اس نے کہنا چاہا تو اماں نے پھر سے اسے ٹوکتے ہوئے کہا

''بتایا نہیں تمہاری بیوی نے، اگر نہیں بتایا تو اس سے پوچھ لینا، اور اب اگر مجھے فون کرنا ہو تو اسے طلاق دے کر ہی کرنا۔'' انہی لفظوں کے ساتھ اماں نے فون بند کر دیا۔ دکھ کی ایک شدید لہر سے وہ کانپ کر رہ گیا۔ کہاں اس کی زندگی شہزادوں کی مانند تھی۔ اس کی ایک ہلکی سی سسکی پر اماں قربان ہو جاتی تھی، کہاں آج اس کی بات سننا گوارا نہیں کر رہی تھیں۔ کیا رابعہ سے شادی کرنا اتنا بڑا جرم ہو گیا تھا؟

وہ کافی دیر تک یونہی بے حس و حرکت بیٹھا سوچتا رہا۔ اس کا ذہن کام نہیں کر رہا تھا۔ اسے لگا جیسے وہ کسی مشکل میں پھنس جانے والا ہو۔ اس کی اماں ضرور کوئی ایسی بات رابعہ ہی سے کہی ہو گی۔ وہ کیا سوچے گی؟ اس کا کیا قصور ہے؟ وہ خود پر قابو پاتا رہا کہ انہیں لمحات میں اس کی نگاہ آیت پر پڑی جو اس کے آفس میں آ چکی تھی۔ ایک لمحہ کو اسے یوں جیسے وہ بھی اسی بارے بات کرنے آئی تو وہ کیا جواب دے گا؟

''بڑے پریشان سے بیٹھے ہو، کیا بات ہے؟'' آیت نے اس کے سامنے دھرے صوفے پر بیٹھتے ہوئے پوچھا تو وہ تیزی سے بولا

''نن...... نہیں...... ایسی تو کوئی بات نہیں۔ تم کہو، چند قدم کا فاصلہ ہے تمہارے آفس کا لیکن اتنے دنوں بعد یہاں دفتر تک؟''

''ہاں ہے تو چند قدم کا فاصلہ۔ لیکن میں ان دنوں بہت کم آ رہی ہوں آفس۔ پتہ ہے تمہیں؟'' اس نے مسکراتے ہوئے کہا

''ہاں یہ تو پتہ ہے لیکن جس دن آؤ تب؟ اور اب کبھی فارم ہاؤس کا بھی چکر نہیں لگایا۔'' طاہر نے اعتماد سے کہا

''کام ہی اتنا ہوتا ہے۔ آج بھی کچھ چیک سائن کرنے آئی ہوں۔ وہ آپ کی میڈم فرخندہ نے بلایا ہے۔'' لفظ آیت کے منہ ہی

میں تھے کہ میڈم فرخندہ آگئی۔اس نے چند کاغذات اور چیک سائن کروائے تو آیت اٹھ گئی۔اس پر طاہر نے تیزی سے کہا

''یہ کیا بات ہوئی، آئی ہو تو کچھ دیر بیٹھو، کم از کم چائے کا ایک کپ تو پیئو۔''

''صرف چائے، میں آج رات ڈنر آپ سب کے ساتھ لینے کا سوچ رہی ہوں، فارم ہاؤس پر۔'' آیت نے اس کے چہرے پر دیکھتے ہوئے سکون سے کہا

''ڈن۔'' طاہر نے خوش ہوتے ہوئے کہا تو آیت مسکراتے ہوئے واپس چلی گئی۔وہ چند لمحے خوشگوار موڈ میں رہا، پھر اسے اماں، رابعہ اور فون کی یاد آگئی۔وہ بے چین ہو گیا۔وہ اسی وقت اٹھ کر فارم ہاؤس چلے جانا چاہتا تھا۔مگر ابھی سرمد کو سکول سے چھٹی ہونے کا وقت نہیں ہوا تھا۔اسے تب تک انتظار کرنا تھا۔

وہ سرمد کو وقت پر سکول سے لے کر فارم ہاؤس جا پہنچا۔حسب معمول رابعہ لاؤنج ہی میں موجود تھی۔اس نے روزانہ کی طرح ہلکی سی مسکراہٹ سے ان کا استقبال کیا۔طاہر اس کے چہرے پر کوئی ایسی بات پڑھنا چاہتا تھا جو معمول سے ہٹ کر ہو مگر اُسے ایسا کچھ بھی نہیں ملا۔جس وقت رابعہ نے سرمد کا بیگ تھاما، تب تک وہ وہاں سے ہٹ گیا تھا اور سیدھا اپنے کمرے میں چلا گیا۔

شام کے سائے پھیلنے لگے تھے مگر رابعہ نے اس کی اماں جی کے آنے کے بارے میں ایک لفظ بھی نہیں کہا تھا۔لان میں ٹہلتے ہوئے اس نے سوچا شاید سرمد کے سامنے کوئی بات نہیں کی لیکن ایک دو بار تنہائی میں بھی سامنا ہونے کے باوجود اس نے رابعہ نے کوئی بات نہیں کی تھی۔وہ اپنی جگہ مصروف رہی اور طاہر ٹی وی دیکھتے، باہر پھرتے اور لان میں ٹہلتے وقت گذارتا رہا۔شام ہوتے ہی نجانے کیوں اس کے ذہن میں یہ خیال ابھرنے لگا کہ ممکن ہے رابعہ خود سے کوئی بات نہ کرے، اسے آیت کے آنے کا انتظار ہو، وہی آ کر بات کرے۔اس کے ساتھ ایک خیال مزید ابھرا، اس نے خود رابعہ کو کیوں نہیں بتایا کہ آیت نے آج ڈنر اُن کے ساتھ کرنا ہے۔وہ ایک دم سے پریشان ہو گیا۔وہ لان سے لاؤنج کی جانب جانے لگا تو انہی لحات میں آیت کی گاڑی پورچ میں آن رُکی۔جب وہ گاڑی کے پاس پہنچا، آیت نے اترتے ہوئے اس کی جانب دیکھ کر کہا۔

''اتنی شدت سے میرا انتظار کر رہے ہو؟''

''تمہارا انتظار تو ہر وقت ہے۔'' اس نے بے ساختہ کہا

''چلیں اسی باعث مجھے بہترین سا ڈنر ملے گا۔'' وہ مسکراتے ہوئے بولی اور پچھلی سیٹ پر موجود سرمد کے لئے لائے تحفے اٹھانے لگی۔اس پر طاہر لاجواب سا ہو گیا۔اب وہ کیا کہتا؟ وہ خاموش رہا۔آیت اندر کی طرف چل دی تو وہ اس کے پیچھے پیچھے چل دیا۔

ڈنر کے بعد تک آیت کی ساری توجہ کا مرکز سرمد ہی تھا۔وہ اس کے ساتھ مصروف رہی۔وہ سبھی لاؤنج میں بیٹھے تھے۔سرمد اپنی پوری توجہ لگا کر آیت کی لائی نئی گیم کو سمجھنے کی کوشش میں تھا۔وہ اسے سمجھا رہی تھی۔ان میں عام سی باتیں چلتی رہیں۔یہاں تک کہ آیت

جانے کو اٹھ گئی۔ وہ سب اسے پورچ تک چھوڑنے آئے۔

جس وقت سرمد سو گیا اور رابعہ بیڈ پر آئی تب طاہر نے دھیمے سے لہجے میں پوچھا

''آپ کو پتہ تھا کہ آج آیت نے آنا ہے؟''

''نہیں، آج میری بات ہی نہیں ہوئی اور نہ مجھے اس نے بتایا۔'' اس نے دھیمے سے کہا

''اوہ۔!'' وہ اس قدر ہی کہہ سکا، پھر چند لمحے سوچ کر بولا ''تو پھر ڈنر پر اہتمام......؟''

''بس ایسے ہی میرا من چاہا تو ایک دو ڈش زیادہ بنوا لیں۔'' اس نے عام سے لہجے میں کہا تو وہ پھر خاموش ہو گیا۔ وہ کچھ دیر تک رابعہ کی طرف سے کسی بات کا انتظار کرتا رہا، وہ بھی خاموش رہی تو اس نے پوچھا

''کیا کہا تھا اماں جی نے؟''

''کچھ نہیں، بس وہ آئیں، حال احوال پوچھا اور چلی گئیں۔'' اس نے دھیمی سی مسکان سے کہا

''نہیں، ایسا مت کہیں، وہ بتائیں، جو انہوں نے کہا۔''

''کوئی خاص نہیں، بس چھوڑیں آپ، سکون سے سو جائیں۔'' اس نے سنجیدگی سے کہا

''ایسے نہیں چلے گا رابعہ، مجھے پتہ ہونا چاہئے۔'' طاہر نے اپنی بات پر زور دیتے ہوئے کہا

''اور آپ کا مجھ پر اعتماد ہونا چاہئے۔ ایسی کوئی پریشانی والی بات نہیں ہوئی۔ آپ سکون سے سو جائیں۔'' اس نے مسکراتے ہوئے کہا تو اس نے زیادہ زور نہیں دیا۔

وہ آنکھیں بند کر کے لیٹ تو گیا لیکن وہ طے نہیں کر پا رہا تھا کہ رابعہ کا یہ رویہ درست ہے یا غلط؟ اس کی سوچیں آنے والے وقت کے گرد ہی گھومتی رہیں۔ اسے رابعہ پر تو اعتماد تھا لیکن وقت اور حالات اس کا امتحان لینے پر تلے ہوئے تھے۔

❁......❁......❁

اس دن آفس سے آف تھا۔ آیت النساء سکون سے اپنے صبح کے معمولات سے فراغت کے بعد فریش ہوئی، پھر ڈٹ کر ناشتہ کرنے کے بعد کاریڈور میں بیٹھی اخبار پڑھ رہی تھی۔ اس کے گیسو ابھی گیلے تھے۔ اس دن دادا جی صبح ہی صبح کہیں چلے گئے تھے۔ ایسے میں اس کا فون بج اٹھا۔ اس نے اسکرین پر دیکھا، وہ فون شکیل کا تھا۔ کال ریسیو ہوتے ہوئے شکیل نے کہا

''میں نے سوچا ابھی سو رہی ہو گی۔''

''نہیں، میں اتنی دیر تک سو ہی نہیں سکتی۔'' اس نے کہا

''ٹھیک، اچھا کیا پروگرام ہے آج، کہیں بزی تو نہیں؟'' اس نے پوچھا

''نہیں، کہیں بھی بزی نہیں، خیر ہے؟'' اس نے جواب دیتے ہوئے پوچھا

''میں چاہ رہا تھا، آج کہیں باہر جایا جائے۔ کسی پارک میں یا......'' اس نے کہنا چاہا تو وہ بولی

''میرا من چاہتا ہے کہ آج میں گھر پر رہوں۔''

''چلیں ٹھیک ہے، میں آتا ہوں۔'' اس نے کہا اور فون بند کر دیا۔ آیت نے فون رکھا اور مسکراتے ہوئے اخبار اٹھا لیا۔ وہ اخبار پڑھتے ہوئے شکیل کے بارے میں سوچنے لگی۔

زیادہ وقت نہیں گزرا تھا، شکیل اس کے پاس وہیں آ گیا۔ اس وقت تک ملازمہ اس کے پاس چائے رکھ گئی تھی، جس سے بھاپ اٹھ رہی تھی۔ وہ اس کے سامنے پڑی کرسی پر بیٹھتا ہوا بولا

''واہ! میں بھی چائے کی طلب محسوس کر رہا تھا۔'' یہ کہتے ہوئے اس نے ایک مگ اپنی جانب سرکایا اور پھر اس میں سے سپ لے لیا۔

''اس کا مطلب ہے تم چائے پینے آئے ہو یہاں۔'' آیت نے مسکراتے ہوئے کہا

''نہیں، میں صرف تنہائی محسوس کر رہا تھا۔ اگر چائے کے ساتھ باتیں بھی میسر آ جائیں تو یہ احساس نہیں رہتا۔'' اس نے صاف انداز میں کہا۔ آیت اس کی بات نہ سمجھ پائی تھی۔ کیونکہ اسے یہ پتہ نہیں چلتا تھا کہ یہ اپنے احساسات بیان کرتا ہے، یا پھر اُس کا علاج کرنے کی غرض سے ایسی باتیں کہتا ہے۔ سو وہ خاموش رہی۔ اس پر وہی بولا، ''زندگی کا احساس تبھی ہوتا ہے جب ہم کسی دوسرے کو دیکھیں، ورنہ پتہ ہی نہیں چلتا۔''

''یہ بات تم بالکل ٹھیک کہہ رہے ہو۔ جس طرح پانی میں، آئینے میں انسان اپنے آپ کو دیکھتا ہے، اسی طرح ہم دوسرے انسان کو دیکھ کر اپنے آپ کا تجزیہ کرتے ہیں۔ کسی کی طرح کا ہو جانا پسند کرتے ہیں یا پھر اس جیسا ہونا ناپسند کرتے ہیں۔'' آیت نے کہا اور چائے کی چسکی لی۔

''یہ ہونے اور نہ ہونے کا معیار کیا ہو گا؟'' شکیل نے یونہی سوال کر دیا

''ظاہر ہے ہماری سوچ، ہمارے اندر ہی کہیں کوئی پیمانہ بنا ہوتا ہے نا۔ جو ہماری سوچ نے ہی بنایا ہوتا ہے، ہم اسی ویژن سے دیکھتے ہیں۔ بعض اوقات وہ حقیقت ہوتی ہی نہیں ہے، جسے ہم حقیقت سمجھ لیتے ہیں۔ چاندنی میں کسی شے کا رنگ اور سورج کی روشنی میں اسی شے کا رنگ مختلف ہو گا۔'' آیت نے مسکراتے ہوئے کہا

''یہی بات میں کہنا چاہ رہا ہوں۔ ہم اگر اپنی سوچ کو بدل لیں تو زندگی کا ویژن بدل جاتا ہے۔'' شکیل نے مسکراتے ہوئے کہا

''ظاہر ہے پھر سوچ کو پرکھا جائے گا کہ وہ حقیقی ہے یا نہیں؟ سوچ کو ہم خود قبول کرتے ہیں کوئی دوسرا ہم پر تھوپ نہیں سکتا۔ ہماری کمزوریاں ہیں، غیر حقیقی سوچ کو ہم تک رسائی دیتی ہیں۔ اور وہ لوگ انتہائی جہل کا شکار ہیں کہ جو اپنی سوچ مسلط کرنا چاہتے ہیں۔ کیونکہ

سوچ کا نتیجہ ہی اس کے حقیقی اور غیر حقیقی ہونے کا راز فاش کر دیتا ہے۔'' آیت نے سنجیدگی سے کہا

''بالکل ایسا ہی ہے۔ جیسے تم نے شادی نہ کرنے کا فیصلہ کر لیا اور......'' اس نے کہنا چاہا تو آیت نے تیزی سے کہا

''نہیں، میں نے ایسا کوئی فیصلہ نہیں کیا۔ میرے فیصلے کی بنیاد کچھ دوسری ہے۔''

''کیا ہے بنیاد؟'' شکیل نے بھی اتنی ہی تیزی سے پوچھا

''وہ تم اس وقت تک نہیں سمجھ پاؤ گے جب تک تم خود اس تجربے سے نہیں گزرو گے۔'' وہ مسکراتے ہوئے بولی تو سکون سے بولا

''یہ بات تمہاری بالکل ٹھیک ہے۔ لیکن ایک تجربے کی ناکامی سے زندگی ختم تو نہیں ہو جاتی۔''

''یہ بات ٹھیک ہے کہ ہم تجربے سے سیکھتے ہیں، لیکن کیا ہم اسی بنیاد کو لے لیں جس میں ناکامی ہو؟'' آیت نے کہتے ہوئے اس سے پوچھا

''میں سمجھا نہیں؟'' اس نے پوچھا

''تم زندگی کے جس دوراہے پر ہو، کیا وہاں تمہارے حالات لے کر آئے ہیں؟ کیا حالات خود بخود بن جاتے ہیں یا اس میں ہمارا بھی کوئی عمل دخل ہوتا ہے؟ تم نے زندگی کو اپنی ہی سوچ سے دیکھا، جو تم نے پڑھا، سیکھا اسی کے مطابق۔ جس کا نتیجہ جو ہوا وہ تمہارے سامنے ہے۔ سو۔! کیا تم وہی تجربہ دہرانا پسند کرو گے؟'' آیت نے کہتے ہوئے اسکے چہرے کی طرف دیکھا

''بالکل نہیں، لیکن تم اس علم ہی کی نفی کر رہی ہو۔ کیا یہ اس علم کی حقیقت سے انکار نہیں؟'' شکیل نے پوچھا تو وہ پر سکون لہجے میں بولی

''بالکل نہیں، میں نے انکار نہیں کیا، بلکہ اس علم کی تکمیل کی بابت کہا۔ صرف انسان کی مادی زندگی نہیں ہے، اس کی روحانی زندگی بھی ایک حقیقت ہے تو پھر اس کا انکار کیوں؟'' آیت نے کہا تو شکیل اس کی بات سن کر چند لمحے خاموش رہا پھر بولا

''اچھا چھوڑو ان باتوں کو، میں آج تم سے ایک بڑی اہم بات کرنا چاہتا ہوں۔''

''اہم بات؟'' آیت نے مسکراتے ہوئے پوچھا

''جی ہاں، لیکن شرط یہی ہے کہ تم نے ناراض نہیں ہونا۔'' شکیل نے سنجیدگی سے کہا

''بولو، اگر ناراض ہو بھی گئی تو تھوڑی دیر کے لئے ہوں گی، پھر مان جاؤں گی۔'' وہ شگفتہ لہجے میں بولی تب شکیل مسکراتے ہوئے بولا

''تو پھر سنو۔! تمہیں شاید پتہ ہے کہ نہیں، ہمارے بڑے، مطلب میرے والدین اور تمہارے دادا، ہم دونوں کی شادی کے بارے میں سوچ رہے ہیں۔''

شکیل نے یہ سمجھا تھا کہ یہ خبر آیت کے لئے دھماکہ خیز ثابت ہوگی لیکن آیت کے چہرے پر ذرا سا بھی، کسی قسم کا کوئی ردعمل نہیں

ابھرا۔وہ جس طرح پرسکون تھی، ویسے ہی رہی، چند لمحے خاموشی کے بعد وہ بولی

''میں اسی دن سمجھ گئی تھی شکیل، جب دادو نے تمہیں میرے علاج کے لئے تمہیں مقرر کیا تھا۔انہوں نے اگر ایسا سوچا تو کوئی اچنبھے والی بات نہیں ہے۔''

''میں اس بات کا مطلب کیا لوں، کیا تم اس رشتے پر راضی ہو؟'' شکیل کے لہجے میں کافی حد تک حیرت الجھی ہوئی تھی۔

''میرے راضی ہونے یا نہ ہونے کا کوئی سوال نہیں یہاں، دونوں طرف سے ایسا سوچا گیا۔ یہ ان کی سوچ ہے۔ جیسے تمہیں بھی ضرورت ہے، ساتھی کی، بیوی کی، یا تنہائی کا مدوا، کچھ بھی۔''

''کیا تمہیں ضرورت نہیں؟'' شکیل نے حیرت سے پوچھا

''نہیں، ضرورت نہیں، بلکہ میں ان سب سے بے نیاز ہو چکی ہوں۔'' وہ سکون سے بولی

''بے نیاز، میں سمجھا نہیں؟'' اس نے حیرت ہی سے پوچھا

''ابھی تم نہیں سمجھو گے شکیل، تم میرے بارے میں تو سوال کر رہے ہو، اپنے بارے میں بتانا پسند کرو گے کہ کیا تم مجھ سے شادی کرنا پسند کرو گے؟ کرو گے تو کیوں؟'' آیت نے مسکراتے ہوئے پوچھا تو وہ سوچ میں پڑ گیا۔وہ کچھ لمحے خاموش رہا پھر گہری سنجیدگی سے بولا

''میں سچ کہوں تو اس بارے میں نے سوچا ہی نہیں، والدین سوچ رہے ہیں کہ میری شادی ہو جائے اور ظاہر ہے مجھے بھی ضرورت ہے۔لیکن جو تم نے پوچھا کہ ساتھی کی، بیوی کی یا تنہائی کا مدوا، اس بارے میں نے نہیں سوچا۔''

''تو سوچو، زندگی کا اتنا بڑا فیصلہ، جو ضرورت کے تحت ہے، بنیادی ضرورت کیا ہے؟ یہ سوچ لو، پھر ہم اس پر بات کریں گے۔'' آیت نے بڑے تحمل سے کہا

''لیکن اگر فیصلہ کرنا ہی پڑ جائے تو......'' اس نے پوچھا

''یہ قبل از وقت بات ہے۔اس پر سوچنے کی ضرورت نہیں۔ پہلے تم خود اپنا اطمینان کرو، باقی ساری باتیں بعد کی ہیں۔'' وہ اسے سمجھاتے ہوئے بولی

شکیل خاموش ہو گیا۔اسکگ میں پڑی ہوئی چائے ٹھنڈی ہو چکی تھی۔اس کے پاس کہنے کو کوئی بات نہیں تھی۔وہ خاموشی میں کتنی دیر تک یونہی بیٹھا رہا۔پھر اٹھتے ہوئے بولا

''ٹھیک ہے میں چلتا ہوں۔''

''او کے۔'' آیت نے مسکراتے ہوئے کہا تو وہ گیٹ کی جانب چل پڑا۔

طاہر کا بھی اس دن آف تھا۔ وہ فارم ہاؤس ہی میں سرمد کے ساتھ واک کر رہا تھا۔ اس نے گرین ٹریک سوٹ پہنا ہوا تھا، جبکہ سرمد نے نیوی بلیو، جس میں پیلے رنگ کی دھاریاں تھیں۔ وہ دونوں واپس لان میں آئے، جہاں طاہر کو توقع کی تھیں کہ رابعہ ان کے لئے جوس لئے بیٹھی ہوگی۔ مگر وہاں ساجد بیٹھا ہوا تھا۔ ساجد ان دونوں کو دیکھ کر کھڑا ہو گیا۔ طاہر اس سے گلے ملا تو سرمد نے بھی اپنا ہاتھ بڑھا دیا۔ علیک سلیک کے بعد اس نے پوچھا

''تم یہاں باہر کیوں بیٹھے ہوئے ہو؟''

''بھابھی نے تو کہا تھا لیکن میں یہاں تھوڑا اچھا محسوس کر رہا تھا۔''

''تمہاری تھکن سے تو لگتا ہے، ابھی آئے ہو؟ تم فریش ہو جاتے۔'' طاہر نے اس سے کہا

''سیدھے بہاول پور سے ہی آ رہا ہوں۔ میں وہاں رہنا نہیں چاہتا تھا، فون بھی بند کیا ہوا ہے میں نے۔'' اس نے تلخی سے کہا

''ہاں، مجھے رات پتہ چل گیا تھا۔ خیر آؤ۔ فریش ہو جاؤ، پھر ناشتہ کرتے ہیں۔'' طاہر نے اندر کی جانب مڑتے ہوئے کہا

بہاول پور والا انتخابی نتیجہ وہی نکلا، جس کے بارے میں طاہر کو بہت پہلے ہی سے اندازہ تھا۔ اس کے بابا سکندر حیات کا امیدوار ہار گیا اور بزنس کمیونٹی کا جو امیدوار تھا، وہ جیت گیا تھا۔ ایسا کیوں ہوا؟ اس ہار جیت کی جو بھی وجوہات تھیں، ان سے قطع نظر، طاہر یہی سمجھ رہا تھا جب سوچ کی بنیاد میں تفریق ہوتی ہے تو اس کا نتیجہ بھی ویسا ہی نکلتا ہے۔

ناشتے کے بعد طاہر اور ساجد باہر لان میں آ کر بیٹھ گئے۔ ساجد نے سگریٹ کا پیکٹ نکالا اور اس میں سے سگریٹ نکال کر طاہر کی جانب بڑھاتے ہوئے پوچھا

''یہ لو۔''

''نہیں، میں نے سگریٹ چھوڑ پینا چھوڑ دیا۔'' طاہر نے کہا

''کب سے؟'' اس نے حیرت سے پوچھا

''کافی عرصہ ہو گیا، سرمد کو پسند نہیں۔'' اس نے جواب دیا

''اچھا کیا۔'' اس نے سمجھتے ہوئے کہا پھر اپنی سگریٹ سلگا کر بولا، ''انکل سکندر حیات نے امیدوار کے انتخاب سے لے کر الیکشن کا نتیجہ آ جانے تک تم سے رابطہ تک نہیں کیا۔ تمہاری خاموشی الیکشن پر اثر انداز ہوئی۔ انکل بھی اور عوام بھی اس بات کو جانتے ہیں۔''

''ہاں۔! ایک راہ نکلی تھی۔ اماں فارم ہاؤس پر آئی اور واپس چلی گئی۔ میں جانتا ہوں، اماں نے کوئی صلح کی راہ نہیں دکھائی۔ رابعہ نے مجھے کچھ نہیں بتایا، مگر کوئی ایسی بات تو ہے جس پر رابعہ خاموش ہو گئی تھی۔'' طاہر نے کہا جس پر ساجد بولا

''تم بھی پلٹ کر بہاول پور نہیں گئے۔''

وہ ٹھیک کہہ رہا تھا۔ اسے جو بھی معلومات مل رہی تھیں وہ ساجد ہی اسے دے رہا تھا۔ سو اس پر تبصرہ کیے بنا اس نے کہا

''مجھے الیکشن سے، ہار جیت سے کوئی مطلب نہیں تھا لیکن یہ ضرور امید تھی کہ اسی بہانے کوئی واپسی کی راہیں نکل آتیں، مگر اب وہ بھی ناممکن ہو گئی ہیں۔''

''ناممکن، وہ کیسے؟'' ساجد نے پوچھا تو وہ بے چین ہو کر کہتا چلا گیا۔

''بابا اگر جیت جاتے تو شاید کوئی راہ نکل آتی جس کا امکان کم تھا۔ وہ اس جیت کو اپنے کھاتے میں ڈال کر بس مزید دباؤ ڈالتے یا ان کی ضد زیادہ بڑھ جاتی۔ اب ہار جانے سے شکست کا سارا بوجھ مجھ پر ہوگا۔ میں ہی شکست کی وجہ سمجھا جاؤں گا۔ ضد کی آگ پر شکست کی شرمندگی کا تیل پڑے گا تو غصہ کی حدت بڑھ جائے گی۔ اب ان کا عتاب مجھ پر کیسا ہو سکتا ہے، میں وہ تو نہیں جانتا تھا لیکن حالات بن گئے ہیں جن سے محبتوں کی راہیں بند ہو گئی ہیں۔ نفرتیں بڑھ جانے کا امکان پیدا ہو گیا ہے۔''

''اللہ کرم کرے گا، کوئی راہ نکل آئے گی۔'' ساجد نے یوں تسلی دی جیسے اسے بھی کوئی امید نہ ہو۔

''ہاں، وہی ہے جو کوئی راہ نکالے گا۔'' وہ پر امید انداز میں بولا تو ان میں خاموشی چھا گئی۔ ساجد نجانے کیا سوچ رہا تھا۔ لیکن طاہر اپنے بارے میں سوچنے لگا۔

اس کی زندگی بہت محدود ہو کر رہ گئی تھی۔ وہ صبح ہی سے سرمد کو اپنے ساتھ واک پر لے جاتا۔ واپس آکر جب تک وہ تیار ہوتا، رابعہ بھی سرمد کو تیار کر دیتی۔ سبھی ناشتہ کرتے اور وہ سرمد کو سکول چھوڑ کر آفس چلا جاتا۔ اس کی پوری کوشش ہوتی کہ سرمد کو سکول سے لے کر فارم ہاؤس جائے تاہم آفس میں زیادہ کام ہونے کی وجہ سے ڈرائیور اسے لے فارم ہاؤس چھوڑ آتا تھا۔ شام کا وقت وہ سرمد کو لے کر کھیل میں میدان میں گذارتا، پھر ڈنر تک وہ سرمد کے ساتھ رہتا۔ اس کے بعد وہ کچھ دیر ٹی وی لاؤنج میں رہ کر بیڈروم میں چلا جاتا۔ یہ معمولات انہی دنوں بدلتے جب اسے اسلام آباد جانا پڑتا۔ یا پھر ایک دن کا تھوڑا سا وقت، جب وہ ذیشان شاہ صاحب کے پاس جاتا تھا۔

سرمد اس کے ساتھ پوری طرح جڑ گیا تھا۔ خود طاہر بھی سرمد سے بے حد محبت کرنے لگا تھا۔ اس کی وجہ سرمد کی معصومیت تھی۔ اس نے طاہر کو اپنے پاپا کے روپ میں پایا تو اس نے اپنی بے پایاں محبت دی۔ اس کے اندر اپنے باپ کی جو محبت تھی وہ طاہر کو دے رہا تھا۔ طاہر زندگی میں پہلی بار ایک ایسے انوکھے تجربے سے گذر رہا تھا کہ بے لوث محبت کیا ہوتی ہے۔ کتنی قوت ہوتی ہے بے غرض محبت میں۔ شاہ صاحب جس بے رنگ محبت کی بات کرتے ہیں، اسے اندازہ ہو رہا تھا۔ وہ محبت جو بے رنگ ہوتی، وہ اپنے رنگ زندگی میں کیسے بھرتی ہے، یہی تجربہ طاہر پر گذر رہا تھا۔ اور وہ اس سرمستی میں بہت سکون محسوس کر رہا تھا۔ ایک طرف اس کے بابا کی ضد تھی، اور دوسری جانب سرمد کی بے لوث محبت، اس کا فیصلہ ہمیشہ سرمد کے لئے ہی ہوتا تھا۔

''یار ویسے ایک بات کی مجھے سمجھ نہیں آئی، تم سمجھے ہو تو مجھے سمجھاؤ۔'' کافی دیر بعد ساجد نے سگریٹ کو ٹیبل کے ساتھ مسلتے ہوئے

جارحانہ لہجے میں کہا

''کون سی بات؟'' طاہر نے پوچھا

''یہ کہ آیت نے آخر تمہیں کیوں پھنسا دیا؟ اور تم بھی پھنس گئے؟'' اس نے مایوسانہ انداز میں پوچھا

''تمہیں کس نے کہا کہ مجھے آیت نے پھنسایا ہے یا میں پھنسا ہوں، نہیں ایسا نہیں ہے۔ رابعہ سے شادی میرا اپنا فیصلہ ہے۔'' طاہر نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا

''یار یہ تمہارا سیاسی بیان ہے یا اپنی شرمندگی مٹانے کو کہہ رہے ہو یا پھر آیت کو بچانے کی کوشش۔ کیا میں نہیں جانتا تم آیت سے شادی کے خواہش مند تھے، اس سے عشق کا دعویٰ کرتے تھے۔'' ساجد نے دبے دبے غصے میں سر مارتے ہوئے کہا تو وہ بہت زیادہ پیار سے بولا

''میں اس سے اب بھی عشق کرتا ہوں۔ یہ شدت بڑھی ہے کم نہیں ہوئی۔''

''اب مجھے تمہاری دماغی حالت پر شک ہونے لگا ہے۔ اب بھی اس سے عشق؟ رابعہ سے شادی کر لی، عشق آیت سے، یہ کیا گورکھ دھندا ہے، مجھے بھی سمجھاؤ؟'' اس نے انتہائی طنزیہ لہجے میں کہا

''چونکہ تم ان چیزوں کو نہیں سمجھ سکتے، اس لئے نہ سمجھو تو ہی بہتر ہے۔ کوئی اور بات کرو۔'' وہ مسکراتے ہوئے بولا تو ساجد نے اکتاتے ہوئے کہا

''مجھے کوئی بات نہیں کرنی، تم گیسٹ روم کھلوا دو، میں نے دو تین دن ادھر رہنا ہے، میں نے وہاں جا کر لوگوں کی باتیں نہیں سننی۔ ساری الیکشن کی تھکن ادھر ہی اُتارنی ہے۔''

''پکی بات ہے اب اس موضوع پر بات نہیں کرو گے؟'' طاہر نے اپنی مسکراہٹ دباتے ہوئے پوچھا

''پکی بات ہے۔'' اس نے غصے میں کہا اور ایک دم سے ہنس دیا۔

''میں کہتا ہوں کسی سے۔'' طاہر یہ کہتے ہوئے اٹھ گیا۔

❁ ...... ❁ ...... ❁

شکیل اپنے کلینک میں بیٹھا سوچتا چلا جا رہا تھا۔ کیا اسے جیون ساتھی کی ضرورت ہے جو زندگی بھر اس کا ساتھ نبھائے، ایک بیوی چاہئے، جو اس کے نئے خاندان کی بنیاد رکھے، یا محض تنہائی کا مداوا کرنے والی کوئی روح چاہئے جس سے اس کی تنہائی ختم ہو سکے۔ اس کی سوچ تو بہت دور تک گئی تھی۔ مگر اس نے خود کو وہیں تک محدود رکھا، جہاں تک آیت نے بات کی تھی۔ وہ ان تینوں میں فرق سمجھ سکتا تھا۔ اسے یہ بھی سمجھ تھی کہ کوئی بھی تعلق ہو، وہ جمع تفریق کے ساتھ نہیں نبھایا جاتا، بلکہ اس کے لئے بے لوث محبت چاہئے ہوتی۔

وہ شارلین بارے سوچتا تو اسے بہت سارے خلا نظر آتے۔ کہیں اُس کی طرف سے کہیں اپنی طرف سے۔ ان کے ہاں دولت

کوئی مسئلہ نہیں تھا، اس کے پاس بھی بہت دولت تھی، شارلین بھی بہت اچھا کماتی تھی۔ لیکن نجانے یہ مسئلہ بھی کہیں سے آ گیا۔ ہر چیز ہونے کے باوجود وہ دونوں ایک دوسرے سے دور ہوتے چلے گئے۔ پہلے پہل شکوے شکایت پیدا ہوئے، کچھ عرصہ بعد وہ ایک دوسرے کو وقت نہیں پاتے تھے۔ وقت آگے بڑھا تو ان میں تلخیاں دَر آئیں، جو جھگڑوں کی بنیاد بننے لگیں۔ یہاں تک کہ ان میں ایک بہت بڑا خلا پیدا ہو گیا۔ اگر ان میں حقیقی محبت ہوتی، وہی جو باطن سے بے رنگ ہوتی ہے تو شاید وہ آج ایسا سوچ بھی نہ رہا ہوتا۔ حقیقت یہ ہے کہ محبت کرنے کے باوجود آج وہ تنہا ہے۔

آج جو اس نے آیت سے بات کی، کیا انہی تعلقات کو بنانے کی بات تھی؟ اگر ایسا ہو بھی تو کیا وہ آیت سے محبت کرنے لگا ہے؟ اگر نہیں کرتا تو کیا وہ اسے ایسی محبت دے پائے گا، جس کا تصور آیت کے پاس ہے؟ وہ تو اس کا علاج کرنے نکلا تھا، کیا وہ خود اس کے خیالات سے متفق ہو گیا ہے؟ اگر بالفرض محال اس کے والدین کی خواہش کے تابع ان دونوں کی شادی ہو بھی جاتی ہے تو کیا وہ آیت کو محبت دے پائے گا؟ وہی محبت جو آیت چاہتی ہے یا وہ محبت جس پر اس کا اپنا یقین ہے؟

وہ سامنے دھرے کاغذ پر آڑھی ترچھی لکیریں مارتے ہوئے سوچتا چلا جا رہا تھا۔ سوال در سوال اس کے سامنے چلتے چلے جا رہے تھے جن کا جواب اس کے پاس نہیں تھا۔

"میرے پاس تو وہی ویژن تھا نا جو دادا جی نے دیا، میں نے اسی پس منظر میں اسے سمجھا۔" اس نے خود کو تسلی دیتے ہوئے کہا

"مگر پھر جب اس کے خیالات جان لئے، سمجھ لئے تب، پھر تو بات نہیں کرنی چاہئے تھی نا۔" اس کے اندر سے آواز ابھری۔

"میں اس کا اہل ہو سکتا ہوں۔" اس نے خود کو پھر تسلی دی

"لیکن جو بھی سوال تمہارے سامنے آئے ہیں، ان کا جواب تو دے دو اگر دے سکتے ہو تو، ورنہ تمہیں کوئی حق نہیں کہ تم کسی کی زندگی کو ڈسٹرب کرو۔" اندر سے پھر آواز ابھری

"کیا مجھے اب انتظار کرنا ہوگا کہ مجھے آیت سے محبت ہو جائے یا جسے بھی جیون ساتھی بنانا چاہتا ہوں اس سے؟" اس نے خود سے سوال کیا

"ظاہر ہے اگر اپنی زندگی کو خوشگوار بنانا ہے تو ورنہ تمہارے پاس ایک تجربہ تو ہے ہی۔" اندر سے اسے معقول جواب ملا اس نے اپنے ہاتھ میں پکڑا ہوا قلم رکھ دیا اور پیچھے ہٹ کے کرسی سے ٹیک لگا لی۔ وہ اُلجھ گیا تھا۔

❀....❀....❀

شام ہو چکی تھی۔ طاہر واپس آیا تو سرمد اس کے انتظار میں تھا۔ اس نے آتے ہی کہا

"پاپا! آج آپ نے بہت دیر کر دی۔"

''ہاں بیٹا، آج آفس میں بہت کام تھا۔ آپ سناؤ کیسا دن گزرا؟'' طاہر نے سرمد کو اپنے ساتھ صوفے پر بٹھاتے ہوئے پوچھا

''بہت اچھا، آج ہمیں بھی سکول میں بہت کام ملا۔ ابھی ختم کیا ہے۔'' سرمد نے بتایا

''گڈ بوائے، پھر آج کیا پروگرام ہے؟'' اس نے پوچھا شاید سرمد کوئی بات کہنا چاہتا ہو

''نہیں پاپا، میں بہت تھک گیا ہوں، اب میں آرام کروں گا۔'' اس نے تھکے ہوئے انداز میں کہا

''ٹھیک ہے، لیکن ڈنر کے بعد۔'' طاہر نے کہا

''اوکے۔'' اس نے سر ہلاتے ہوئے کہا اور اٹھ گیا۔

طاہر فریش ہو کر گیسٹ روم کی جانب چل دیا۔

ساجد بیڈ پر لیٹا ہوا ٹی وی دیکھ رہا تھا۔ اس کے ہاتھ میں ریموٹ تھا۔ طاہر پر نگاہ پڑتے ہی اس نے ٹی وی بند کر دیا اور سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ طاہر اس کے پاس دھرے ایک صوفے پر بیٹھتے ہوئے پوچھا

''کیسا رہا دن؟''

''میں تو آج جی بھر کے سویا ہوں۔ کبھی اتنا نہیں سویا۔'' اس نے مسکراتے ہوئے کہا

''ہاں تمہیں تھکن بھی تو کئی دنوں کی تھی۔'' وہ دھیمے سے لہجے میں بولا

''سیاست بھی عجیب کھیل ہے یار، کبھی کبھی میں سوچتا ہوں، ہم اپنی تھوڑی سی طاقت حاصل کرنے کے لئے، بہت سارے ایسے لوگوں کو طاقت ور بنا دیتے ہیں، جو یہ کھیل ہی طاقت کا کھیلتے ہیں۔'' ساجد نے سوچتے ہوئے لہجے میں کہا

''اصل میں جب ہمارے پاس کوئی ویژن نہیں ہوتا نا تو ہم ایسے ہی روایتی کھیل میں شامل ہو جاتے ہیں۔ لاشعوری طور پر ہم اس سسٹم کا حصہ بنتے جاتے ہیں۔ جو اسی روایت کو پختہ کرتا چلا جاتا ہے۔'' طاہر نے اپنا خیال ظاہر کیا تو ساجد چند لمحوں کے خاموش ہو گیا۔ پھر جھجکتے ہوئے بولا

''یار طاہر میں نے ایک بات سوچی ہے۔ جس سے انکل سکندر حیات کا غصہ ختم ہو سکتا ہے اور تمہارے معاملات بھی ویسے کے ویسے ہی رہیں گے۔''

''ایسا کیا سوچا تم نے؟'' اس نے خوشگوار حیرت سے پوچھا

''دیکھو! انکل صرف اس لئے تمہاری اور رابعہ کی شادی سے ناراض ہیں کہ تمہارا یہ سٹیٹس ہی نہیں۔ انہیں رابعہ سے نہیں، لوگوں کا، عوام کا خوف ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ اس طرح انہیں شرمندگی کا سامنا کرنا پڑے گا۔ مطلب سکندر حیات کی بہو ایک ایسی عورت ہے، وغیرہ وغیرہ'' اس نے سمجھاتے ہوئے کہا

''ایک اور بات بھی ہے۔'' طاہر نے کہا پھر لمحہ بھر خاموشی کے بعد بولا ''وہ بات یہ ہے کہ میں نے ان کی مرضی سے شادی نہیں کی۔''

''ہاں یہ بھی درست ہے۔ظاہر ہے جب تم ان کی مرضی سے شادی کرتے تو یہ بھی نہ ہوتا۔خیر میں کہہ رہا تھا اگر تم اپنے معاملات اپنے والدین کے ساتھ درست کر لینا چاہتے ہو تو اس کا ایک ہی حل ہے۔'' ساجد نے سوچتے ہوئے لہجے میں کہا

''بولو، کیا ہے حل؟'' اس نے پوچھا

''اگر آیت النساء مان جاتی ہے، یا دوسرے لفظوں میں اسے تم سے محبت، یا ہمدردی یا تھوڑا بہت بھی مان ہے یا تمہاری بات مان سکتی ہے تو یہ معاملہ حل ہو گا۔'' ساجد نے طاہر کے چہرے پر دیکھتے ہوئے کہا جو بالکل سپاٹ تھا۔کوئی جذبہ وہاں نہیں تھا۔

''تم کہنا کیا چاہتے ہو؟'' اس نے کسی حد تک بات کو سمجھتے ہوئے پوچھا

''وہ اگر تم سے شادی کر لے تو سب ٹھیک ہو جائے گا۔'' ساجد نے وہ بات کہہ ہی دی

''اگر یہ بات ہے تو وہ پہلے ہی.....'' طاہر نے کہنا چاہا تو ساجد نے اس کی بات کاٹتے ہوئے تیزی سے کہا

''مطلب، تم رابعہ کو بھی مت چھوڑو، اسے یہیں اپنے عقد میں رکھو۔لیکن زمانے کے سامنے نہیں۔آیت النساء سے ویسے ہی شادی کرو، جیسے انکل چاہتے ہیں۔وہ پہلے بھی خواہش مند تھے کہ ایسا ہو جائے، تمہیں پتہ ہے انہوں نے خود جا کر تمہارے لئے بات کی تھی۔سب ڈن تھا۔'' ساجد نے صلاح دیتے ہوئے سمجھایا۔

''کیا تم سمجھتے ہو ایسا کچھ کرنے سے سب ٹھیک ہو جائے گا۔'' طاہر نے دھیمی سی مسکان سے پوچھا

''بالکل، جو چیز انکل چاہتے ہیں، وہی ہو جائے گا۔آیت ان کی خوشی، رابعہ تمہاری۔کہیں نہ کہیں تو سمجھوتہ ہو جائے گا نا۔'' اس نے سمجھایا

''پہلی بات تو یہ ہے ساجد، سچ بتانا، یہ کیا تمہاری اپنی سوچ ہے یا تم.....'' اس نے اپنی بات ادھوری چھوڑ دی۔اس پر ساجد سمجھ گیا تھا کہ طاہر کیا کہنا چاہتا ہے۔اس لئے فوراً بولا

''اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ مجھے کسی نے بھیجا ہے تو یہ بات ذہن سے نکال دو۔یہ صرف اور صرف میری اپنی سوچ ہے۔اگر اس طرح سے کوئی راہ نکلتی ہے تو کیا اچھا نہیں ہے۔'' اس نے وضاحت کرتے ہوئے پوچھا

''میں تو اپنے والدین سے الگ ہونے کا سوچ بھی نہیں سکتا۔لیکن ساجد میاں اب شاید بابا اس بات پر نہ مانیں، کیونکہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ جو سیٹ ہاری گئی ہے، یہ صرف صرف آیت کی وجہ سے۔وہ ہر تعلق کو سیاست کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔کیا میں غلط کہہ رہا ہوں؟'' طاہر نے بھی وضاحت کرتے ہوئے اس سے تصدیق چاہی تو ساجد نے سوچتے ہوئے کہا

''ہاں، تمہاری یہ بات بالکل درست ہے، میں نے خود ان سے سنا ہے کہ وہ طاہر کے لئے اتنا بڑا سیٹ اپ بنا سکتی ہے، لاہور سے چل کر بہاول پور میں آ کے بزنس کمیونٹی کو طاہر کے لئے آمادہ کر سکتی ہے تو ان کا امیدوار جتانے میں آیت ہی کا ہاتھ ہے۔ ویسے انکل تو اس سے بھی آگے کی سوچ سوچتے ہیں۔''

''وہ کیا سوچتے ہیں؟'' اس نے پوچھا

''یہی کہ آیت نے کوئی انتقام لینے کی کوشش کی ہے۔ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اس نے پہلے تمہیں ورغلایا، پھر تمہاری شادی رابعہ......''
اس نے کہنا چاہا تو طاہر نے اس کی بات قطع کرتے ہوئے کہا

''میں جانتا ہوں، وہ اس وقت آیت کے دشمن ہو رہے ہیں۔ ایسی صورت میں وہ اب آیت کو کیسے قبول کریں گے، بلکہ اب تو وہ اس سے بچنے کی کوشش کریں گے۔''

''تمہاری بات معقول ہے۔ ایسا ہی ہوگا۔ لیکن اگر بات چیت چلائی جائے، انہیں بتایا جائے کہ ایسا نہیں ہے تو......'' ساجد نے اپنی سی کوشش کی۔

''بات تو تب چلائی جائے نا، جب اس معاملے کے لئے آیت سے بات کی جائے۔ وہ راضی ہو تبھی یقین کے ساتھ بات ہو سکتی ہے۔'' طاہر نے کہا

''اسے اعتراض نہیں ہونا چاہئے۔ جب تم نے اس کی بات مان لی تو اسے بھی تمہاری بات ماننی چاہئے۔ شریعت میں دوسری شادی کی جا سکتی ہے۔'' ساجد نے دلیل دی

''اگر ایسا کرنا ہوتا تو میں بہت پہلے کر چکا ہوتا، اب یہ ایشو نہیں ہے۔ دوسرا سرمد ہمارے درمیان وہ کمٹمنٹ ہے، جسے میں ہر اعتبار سے نبھانا چاہتا ہوں۔'' طاہر نے اسے سمجھانے کی کوشش کی

''عجیب بات کرتے ہو تم بھی، یار اس طرح تو مزید اچھا ہوگا، سرمد کو دو مائیں مل جائیں گی۔ بڑی ماما اور چھوٹی ماما۔ اگر اس طرح کرنے کو شریعت منع نہیں کرتی، والدین بھی راضی ہو جاتے ہیں تو کیا جاتا ہے، میرے خیال میں یہ ایک بہترین راہ ہے۔'' ساجد نے اپنی بات پر زور دیتے ہوئے کہا

''اس کے لئے آیت سے بات کرنا ہوگی۔ پہلے اسے راضی کرنا ہوگا تو ہی بات بڑھائی جا سکتی ہے۔ یا پھر پہلے بابا سے بات ہو وہ اگر راستہ دیں تب بات ہو؟'' طاہر نے ساجد سے مشورہ کرتے ہوئے پوچھا

''دیکھو، میں آج ہی واپس جاتا ہوں۔ میں ان سے بات چلانے کی کوشش کرتا ہوں، اگر ان کی طرف سے ہاں کا اشارہ ملتا ہے تو پھر تم آیت النساء سے بات کر لینا۔ میرا خیال ہے کوشش کرنے سے کوئی مثبت راہ نکلے گی۔'' ساجد نے کہا تو طاہر سر ہلاتے ہوئے بولا

''ٹھیک ہے، میں اس پر سوچتا ہوں۔تم بھی سوچو۔دیکھتے ہیں۔آؤ، ڈنر کے لئے۔''

''میں ادھر ہی کروں گا ڈنر، وہ بھی کافی دیر بعد، ابھی مجھے بھوک نہیں ہے۔'' ساجد نے کہا تو طاہر اٹھ گیا۔اس کے ذہن میں سوچوں کا ایک ریلا بہنے لگا تھا۔

وہ رات کا نجانے کون سا پہر تھا جب طاہر کی آنکھ کھل گئی تھی۔اسے سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ آنکھ کیوں کھلی ہے۔وہ کچھ دیر خالی الذہن سا بیٹھا رہا۔اس کے ساتھ بیڈ پر سرمد پڑا ہوا گہری نیند میں تھا۔اس سے آگے رابعہ کروٹ لئے لیٹی ہوئی تھی۔وہ بھی گہری نیند میں تھی۔اے سی کی خنک ہوا سے کمرے کا ماحول خوشگوار تھا۔وہ سوچنے لگا کہ ایسا کیوں ہوا ہے۔وہ جب سویا تھا، اس وقت اس کے ذہن میں ساجد کی باتیں ہی گونج رہی تھیں۔جس قدر اسکی زندگی میں رابعہ اور سرمد کی اہمیت ہوگئی تھی، اس سے کہیں زیادہ اسے اپنے والدین کی چاہت تھی۔ایک راہ اگر ساجد نے دکھائی تھی تو وہ غلط نہیں تھی۔سوچ اگر حقیقت میں بدل جائے اور سب پہلے جیسا بھرپور محبتوں والا دور واپس آجائے تو اس سے بہتر کیا ہوسکتا تھا۔

اس کی سوچ بڑھتی چلی جارہی تھی۔یہ ٹھیک تھا کہ شریعت دوسری شادی سے منع نہیں کرتی لیکن کیا اس میں رابعہ کی مرضی شامل ہوگی؟ وہ جانتا تھا کہ وہ ایک لفظ بھی نہیں کہے گی اور نہ ہی کسی بھی تاثر کا اظہار کرے گی۔وہ ایک مجبور عورت ہے، جسے آیت النساء نے سہارا دیا ہوا ہے۔وہ چاہتے ہوئے بھی ایک لفظ نہ کہہ پائے گی۔کیا میں اس کی مجبوری کا فائدہ اٹھاؤں گا؟ اگر ایسی ہی راہ ہوتی، یہی ممکن ہوتا تو آیت یہ شرط رکھتی کہ میرے ساتھ تمہیں رابعہ سے بھی شادی کرنا ہوگی؟ آیت اگر چاہتی تو رابعہ کی شادی کسی بھی دوسرے اچھے انسان سے کر سکتی تھی۔اس نے اگر رابعہ کے لئے اسے پسند کیا تو یہ آیت کی سب سے بڑی قربانی تھی۔اپنی سب سے اچھی شے قربان کرنے کا جذبہ تھا۔

اس کی سوچ بدلی تو اس نے سوچا، اگر وہ ایسا کرے گا تو صرف اپنے والدین کی خوشنودی کے لئے۔اس کا مطلب ہے کہ اب تک اس نے جو کیا وہ والدین کی نظر میں غلط تھا۔یہ سب کیا تو دراصل دوسرے لفظوں میں وہ یہ ثبوت دے رہا ہے کہ وہی درست ہے جو اس کے والدین چاہتے ہیں۔اب تک جو اس نے کیا غلط کیا؟

یہ سوچتے ہوئے اس نے ایک طویل گہری سانس لی۔اس کے تصور میں آیت النساء آ گئی۔اس کی کہی ہوئی بہت ساری باتیں اس کے ذہن میں گونجنے لگیں۔تبھی اس نے سوچا۔وہ آیت النساء سے عشق کا دعویدار تھا اور اب بھی ہے۔جس سے وہ عشق کرتا ہے، اسی نے یہ راہ دکھائی تھی۔کیا وہ اس راہ پر چلتے ہوئے تھک گیا ہے؟ ایک امتحان پڑا تو گھبرا گیا؟ اس نے تو بے لوث ہو کر اپنی جان تک دے دی تھی، کیا وہ ابھی تک اندر سے بے رنگ نہیں ہوا؟ کیا دنیا کے رنگ اب بھی اس کے اندر موجود ہیں؟ وہ تو بے رنگ ہونے کے دعویدار تھا؟ کیا ہوا؟ جسے وہ عشق کا دعوی کرتا ہے کیا اتنا ہی عشق تھا؟ کیا اس کے رنگ اتنے ہی کچے تھے کہ حالات کی ذرا سی تپش نے وہ سارے رنگ اُڑا دیئے؟

وہ گھبرا کر اٹھ بیٹھا۔وہ یہ کیا سوچ رہا تھا؟ کہیں یہی سوچ اس کے عشق کی راہ کھوٹی نہ کردے۔وہ بے چین ہوگیا۔اسے کوئی فیصلہ

کرنا تھا۔انہی لمحات میں اسے آیت النساء کی کہی ہوئی بات یاد آ گئی۔

”کوئی بھی محبت ہے اگر اس میں قربانی نہیں تو وہ نری نفسانیت ہے۔ مجھے تمہارے عشق کے دعوی پر بھی کوئی اعتراض نہیں، لیکن تم اپنی قبول ترین شے قربان کرو۔میری محبت تمہیں سب سے زیادہ قبول ہے تو اسے قربان کر کے دکھاؤ۔اگر تم اسے قربان کر سکتے ہو تو میں سمجھو گی کہ تم واقعی مجھ سے محبت کرتے ہو۔قربانی کے بغیر ممکن ہی نہیں ہے کہ عشق میں ارتقاء پیدا ہو سکے۔“

اسے شاہ صاحب سے کی ہوئی بات یاد آ گئی۔

”تو پھر جھانکنا ہے مستقبل میں؟“ شاہ صاحب نے مسکراتے ہوئے پوچھا اور لمحہ بھر رُک کر اس کے چہرے پر دیکھتے رہے، کوئی جواب نہ پا کر بولے،”کیونکہ پھر اس کے لئے آپ کو اپنے عشق سے دستبردار ہونا پڑے گا۔“

”نہیں سرکار، مجھے میرا عشق چاہئے۔“ اس نے بھی مسکراتے ہوئے کہا

”جائیں پھر، آپ کا عشق سلامت ہے۔“ وہ بہت پیار اور خلوص سے بولے۔

اسے رابعہ سے کیا ہوا وعدہ یاد آ گیا۔

”میں کوئی بھی دعوی یا وعدہ نہیں کرتا یہ وقت بتائے گا، میں یہ ڈائری خالی رکھنے کی کوشش کروں گا، جسے میں نے کبھی نہیں دیکھنا۔“

وہ پر سکون ہو گیا۔اس نے فیصلہ کر لیا کہ وہ ساجد کو منع کر دے گا۔

❀ ❀ ❀

اس دن ذیشان رسول شاہ صاحب اپنے کمرے میں بیٹھے ہوئے محو گفتگو تھے۔ان کے سامنے ایک بزرگ، نوجوان اور طاہر بیٹھے ہوئے ہمہ تن گوش تھے۔نوجوان نے سوال کیا تھا کہ باطن کا ظاہر کے ساتھ کیا تعلق ہے۔جس کے جواب میں وہ گفتگو فرما رہے تھے۔

”دیکھیں۔! عام طور پر اگر کوئی کسی کے ساتھ برائی کرتا ہے تو جس کے ساتھ برائی ہوئی وہ ایک حق رکھتا ہے کہ اپنا بدلہ لے لے۔مظلوم اگر ظالم سے بدلہ لیتا ہے تو اس پر حد نہیں، سمجھا یہ جاتا ہے کہ یہ بدلہ لینا اس کا حق ہے۔برائی کا جواب برائی میں دیا جائے یا یوں کہہ لیں برائی کا بدلہ برائی سے لیا جائے تو وہ برائی ہی رہتی ہے، وہ کبھی اچھائی نہیں بنتی، جیسے گالی کا بدلہ گالی، تو گالی یہاں اچھائی نہیں بن گئی وہ برائی ہی رہے گی۔جبکہ۔! انسانیت کا اعلی ترین معیار یہ ہے کہ برائی کا بدلہ اچھائی سے دیا جائے۔یہ باطنی لطافت ہے، جس کا تعلق صریحاً باطن سے ہے۔یہ کوئی فلسفہ نہیں دنیا کے اعلی ترین انسان نے کر کے دکھا دیا۔مثلاً طائف والوں نے جو سلوک کیا، اس پر آپ رحمتہ العالمین ﷺ کا ردعمل کیا تھا، مکہ میں جو ہوا، ایک خاتون جو روزانہ آپ ﷺ پر کوڑا پھینکتی تھی، پھر مکہ والوں نے ہی شعب ابی طالب میں تین برس تک رکھا لیکن جب مکہ فتح ہوا تو آپ نے عام معافی کا اعلان کر دیا، اس معافی میں نجانے کیا کیا کچھ تھا۔اگر باطن بے رنگ ہے تو اعمال بھی بے رنگ ہی ہوں گے۔“

''جس طرح ظاہر کو فنا ہے، اس میں توڑ پھوڑ، شکست و ریخت ہے، کیا ایسا باطن میں بھی ہے؟'' اسی نوجوان نے سوال کیا

''ظاہر میں تغیر ہے جبکہ باطن میں تغیر نہیں۔ہم زندگی کے مختلف حصوں سے گزرتے ہیں لیکن ہمارا باطن بالکل ویسا ہی رہتا ہے۔ نہ اس میں چھوٹا ہوتا ہے اور نہ بڑا۔اسے آپ اس مثال سے سمجھ سکتے ہیں کہ جب ہم آئینہ دیکھتے ہیں تو وہ ہمیں بتاتا ہے کہ ہم بڑے ہو گئے ہیں۔بال سفید ہو گئے ہیں، چہرے پر جھریاں پڑ گئی ہیں۔لیکن اندر وہی ہے، جس سے ہم اپنے آپ کو ماپ رہے ہوتے ہیں، کہ ہم کہاں تک آپہنچے ہیں۔ہر انسان کے اندر ایک روحانی شخصیت موجود ہے جسے ایکٹیویٹ کیا جا سکتا ہے۔جو انسان اس روحانی شخصیت کو ایکٹیویٹ کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے وہ ظاہر کی شکست و ریخت سے آزاد ہو جاتا ہے۔یہ ایکٹیویشن عشق ہی سے ہوتی ہے۔''

''کیا مثبت منفی کو انسان کی بقا کا ضامن قرار دیا جا سکتا ہے؟''

''منفی اور مثبت، یہ انسان کی بقا کا ضامن نہیں ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ کائنات جب سے بنی ہے، اس میں موجود ہر شے مٹی ہو رہی ہے۔کوئی جتنا بھی طاقتور ہے وہ مٹی ہو جاتا ہے۔لیکن کچھ چیزیں ایسی ہیں جو مٹی نہیں ہوتیں۔یہ بات اگر انسان میں دیکھیں تو بھی کہ انسان مٹی ہو رہا ہے۔لیکن کچھ چیزیں جو انسان کے ساتھ منسلک ہیں، وہ بقا میں ہیں۔مطلب ایسا کوئی راز ہے جو چاہے تو مٹی نہ ہونے دے۔اس کا مطلب ہے مثبت اور منفی سے بھی آگے کی کوئی شے ہے جو انسان کی بقا کی ضامن ہے۔وہ ہے عشق۔'' یہ کہہ کر شاہ صاحب لمحہ بھر کو رُکے اور پھر فرمانے لگے،'' عام عوام یہ سمجھتے ہیں کہ زندگی کا دائرہ کار مثبت اور منفی کے ساتھ وابستہ ہے۔لیکن اہل علم اور دانشور یہ جانتے ہیں کہ زندگی کا دائرہ کار عشق کے ساتھ جڑا ہوا ہے۔اگر عشق نہ ہو تو مثبت اور منفی کی کسوٹی کے اوپر کوئی بھی ذی روح پورا نہیں اُترتا۔اب اس کی ظاہری مثال میں یوں دوں گا کہ ہمارے سو لوگوں سے تعلقات ہوتے ہیں۔اب تعلقات مثبت اور منفی کی بنیاد نہیں نبھائے جاتے بلکہ باطنی لطافت سے نبھائے جاتے ہیں۔''

''انسان کے اندر جو روحانی شخصیت ہے ایکٹیویٹ ہو جانے کا پتہ کیسے چلتا ہے؟''

''ظاہر ہے اس کے اعمال سے۔اب دیکھیں، دنیا میں بہت سارے انسان ماضی میں اور اب حال میں بھی ایسے ہیں جو ناقابل یقین صلاحیتوں کے مالک ہوتے ہیں۔یہ کہاں سے آتی ہے؟ کوئی شیر کو سدھا نہیں سکتا، لیکن شیر کو سدھایا بھی جا رہا ہے، وہ انسان شیر کو سدھالے گا جو یہ صلاحیت رکھتا ہے۔جب انسان کے ہاتھ میں یہ قوت آ جاتی ہے تو وہ اس صلاحیت کا اظہار کرتا ہے۔ایسی بے شمار ملی جلی مثالیں ہمارے سامنے ہیں۔اب یہاں سے پتہ چلتا ہے۔جس نے اپنی باطنی قوت کو نفس کے رنگ میں رنگ لیا تو وہ انسان کی فلاح نہیں رکھتی اور جس نے اپنے باطن کو بے رنگ عشق سے جوڑ لیا دراصل وہی انسانیت کے اعلیٰ ترین معیار پر ہے۔''

''کیا باطن کی طرح ظاہر بھی بقا پا سکتا ہے؟''

''بالکل پا سکتا ہے۔ہمارے جو بھی معاملات چل رہے ہوتے ہیں، اس کے پس پردہ ہماری باطنی قوت ہی تو ہوتی ہے۔اگر

باطن کی طاقت کو سچائی سے جوڑا جائے تو وہ بقا پا گئی اور جسے جھوٹ پر رکھا جائے، وہ بقا نہیں پا سکتی۔ جن انسانوں نے اپنے باطن کو بے رنگ رکھا، انہوں نے خود کو بچا لیا۔ ہزاروں برس گذر جانے کے باوجود بھی ان کی قبروں پر چراغ روشن ہیں، انہیں زمانہ یاد رکھتا ہے۔ ان کی قبر شکست و ریخت سے محفوظ رہتی ہے۔ وہ اپنے افکار میں زندہ ہیں۔ انکی باتیں زندہ ہیں۔ ان کا پیغام زندہ ہے۔ کسی بھی صورت میں وہ زندہ ہیں۔" یہ کہہ کر وہ چند لمحوں کے لئے رُکے، پھر فرمانے لگے، "دیکھیں سچ کو موت نہیں ہے اور جس ذات سے سچ صادر ہوتا ہے اسے موت کہاں سے آسکتی ہے۔ اس طرح بہت ساری چیزیں ہیں جنہیں تغیر نہیں۔ انہیں بقا اسی صورت میں ہے جب غیر جانبدار ہو کر بے رنگ ہو اپنے بے رنگ باطن کے ساتھ جُڑا جائے، پھر بقا ہی بقا ہے۔"

"حضور، جو برے اعمال والا ہے، جیسے عام طور پر کہا جاتا ہے کہ یہ سیاہ باطن ہے، کیا باطن کے بھی رنگ ہوتے ہیں؟"

"باطن تو بے رنگ ہے، اس پر نفسانی خواہشوں کا رنگ چڑھا یا ہوا ہوتا ہے۔ بے رنگی ہی سے رنگ پھوٹتے ہیں۔ بے رنگ باطن کے ساتھ کسی بھی رنگ کا ظہور تو ہو سکتا ہے کہ وہ رنگ دراصل بے رنگ ہے۔ کیونکہ اگر رنگ میں بے رنگی برقرار نہیں رکھ سکتا تو رنگ ہی خام ہے۔ ہر رُوپ میں، ہر رنگ میں کوئی آسکتا ہے تو وہ بے رنگی ہے اگر کوئی رنگ میں آ کر یہ کہے کہ میں ہر رنگ میں جا سکتا ہوں تو یہ خام خیالی ہے۔" یہ کہتے ہی ان کا روئے سخن ان بزرگ کی طرف چلا گیا جواب تک خاموش بیٹھے ہوئے تھے۔ تبھی وہ بزرگ گویا ہوئے

"ان نوجوانوں سے بات مکمل کر لیں، پھر ہوتی ہے گفتگو۔"

"ان سے تو ہو گئی بات، آپ فرمائیں۔" انہوں نے کہا تو روئے سخن انہی کی جانب رکھا۔ طاہر سمجھ گیا کہ اب ان کی گفتگو میں مخل نہیں ہونا چاہئے۔ ظاہر ہے وہ کوئی مخصوص بات کرنا چاہتے ہوں۔ اس لئے وہ کھڑا ہو گیا اور اجازت چاہی۔ اس کے ساتھ وہ نوجوان بھی اٹھ گیا۔ دونوں کمرے سے باہر آ گئے۔

❁.......❁.......❁

آیت النساء اس وقت آفس سے اٹھنے والی تھی۔ اس نے اپنی کرسی گھمائی اور دائیں طرف موجود کھڑکی پہ نگاہ ڈالی تو روشن دن اسے بہت اچھا لگا۔ اسے یاد آیا کہ اسے تو امبرین سے ملنے جانا ہے۔ مزید کوئی اہم کام نہیں بچا تھا سو وہ آفس سے اٹھ گئی۔ اس وقت وہ نیچے استقبالیہ تک پہنچی تھی کہ شکیل کا فون آ گیا۔

"کہاں ہو؟" اس نے پر سکون لہجے میں اختصار سے پوچھا

"آفس میں۔" اس نے ویسے ہی مختصر جواب دیا

"کب تک آنا ہے؟" اس نے تیزی سے پوچھا

"خیر ہے، بات کیا ہے؟" اس نے جواباً پوچھ لیا

''ایسے ہی کچھ باتیں کرنے کو دل چاہ رہا تھا۔'' اس نے دھیمے سے لہجے میں کہا

''او کے، میں گھر آ رہی ہوں۔ وہیں باتیں کرتے ہیں۔'' اس نے تحمل سے کہا

''نہیں کہیں باہر، ایسی جگہ جہاں کھلی فضا ہو۔'' اس نے اپنی رائے دی۔

''تم میرے گھر کی چھت پر بیٹھ کر بات کر لینا، وہاں فضا کھلی ہوگی۔'' اس نے مذاق کے موڈ میں کہا تو شکیل بھی ہنستے ہوئے بولا

''او کے تمہارے گھر کی چھت ہی سہی۔ مگر۔! وہ ڈنر کے بعد، بس چائے پئیں گے۔''

''او کے ڈن۔'' آیت نے کہا تو اس نے بھی ڈن کر کے فون بند کر دیا۔

جس وقت وہ گھر پہنچی تب سورج غروب ہوئے کافی وقت ہو گیا تھا۔ دادا جی لاؤنج میں بیٹھے ہوئے ٹی وی دیکھ رہے تھے۔ اس کی آمد کا احساس کرتے ہی ٹی وی کی آواز بند کر کے بولے

''بیٹا! آج اتنی دیر، آفس سے تو جلدی نہیں نکل آئی تھی۔''

''مجھے امبرین کے پاس جانا تھا، سکول کے کچھ معاملات تھے۔ وہ کئی دن سے بلا رہی تھی، خیر تھی دادو۔'' اس نے انہی کے پاس صوفے پر بیٹھتے ہوئے بتایا

''بالکل خیر ہے۔ مجھے دراصل کہیں جانا تھا، سوچا تم آ جاؤ تو پھر میں جاؤں۔'' دادا جی نے بتایا

''ڈنر نہیں لے گے میرے ساتھ۔'' اس نے پوچھا

''او کے، فریش ہو جاؤ۔ میں ڈنر کے بعد ہی جاؤں گا۔'' دادا نے کہا اور ٹی وی کی طرف متوجہ ہو گیا۔

ڈنر کے دوران دادا جی نے بتایا کہ انہیں اپنے کسی دوست سے ملنے جانا ہے، جلدی واپس آ جائیں گے۔ وہ یونہی معمول کے مطابق دن بھر کی روداد سناتی رہی۔ ڈنر کے بعد دادا چلے گئے۔

زیادہ وقت نہیں گذرا تھا کہ شکیل کی کار پورچ میں آن رُکی۔ اس وقت آیت لاؤنج ہی میں تھی۔ چند منٹ بعد وہ بھی لاؤنج میں آ گیا۔

''اگر چند منٹ پہلے آتے تو دادو سے بھی مل لیتے۔'' آیت نے اسے دیکھتے ہوئے بتایا

''میں مل آیا ہوں۔ وہ ہمارے ہاں ہی تو گئے ہیں۔'' شکیل نے خوشگوار لہجے میں کہا

''وہ تو کسی دوست کا بتا رہے تھے۔'' آیت نے مسکرا کے کہا

''میرے دادا ان کے دوست ہی ہیں۔'' یہ کہہ کر وہ ہنس دیا۔

''اوہ اچھا۔'' آیت نے سمجھتے ہوئے کہا

''میں وہی بات تو کرنا چاہتا تھا تم سے۔'' شکیل نے اس بار گہری سنجیدگی سے کہا

''تو پھر چلیں چھت پر؟'' آیت نے پر مزاح لہجے میں پوچھا

''نہیں، وہاں باہر لان میں کھلی فضا ہے۔'' اس نے مدہم لہجے میں کہا تو آیت نے ملازمہ سے چائے کا کہا اور باہر کی جانب چل دی۔ شکیل بھی اس کے ساتھ ہی بڑھ گیا۔

''یہاں کافی سکون ہے۔'' شکیل نے آیت کی سامنے والی کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا

''ہاں تو کیا بات کرنا چاہتے ہو۔'' اس نے کوئی توجہ دیئے بنا پوچھا

''تمہیں شاید معلوم نہیں یا پھر احساس نہیں، میرے والدین اور دادا جی کی درمیان بات حتمی مراحل میں پہنچ چکی ہے۔ بہت کچھ طے ہو رہا ہے۔ لیکن ہم ابھی تک کسی بات پر متفق نہیں ہوئے۔'' شکیل نے الجھتے ہوئے کہا تو آیت پر سکون لہجے میں بولی

''کس بات پر متفق ہونا چاہتے ہو تم؟''

''یہی کہ ہماری شادی ہو جانی چاہئے یا نہیں؟'' شکیل نے تذبذب میں کہا

''مجھے تو کوئی اعتراض نہیں، دادو اگر سمجھتے ہیں کہ میری اور تمہاری شادی ہو جائے تو ٹھیک ہے۔'' آیت نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پر سکون لہجے میں کہا

''لیکن تمہاری اور میری سوچ میں بڑا فرق ہے۔ ہمارے پاس جو محبت کے تصورات ہیں وہ ایک جیسے نہیں۔ لیکن۔! ایک بات ہے۔'' یہ کہتے ہوئے وہ رُک گیا

''وہ کیا بات ہے؟'' آیت نے پوچھا

''دیکھو۔! جہاں تک میرا علم ہے محبت کے بارے میں، اس پر میرا تجربہ ناکام ٹھہرا، اور تمہارا تصور کافی حد تک مجھے متوجہ کر رہا ہے۔ یہ بات عقل کو لگتی ہے کہ جب انسان روح اور مادہ کا شاہکار ہے تو کوئی بھی معاملہ ان دونوں کے بنا کیسے ممکن ہو سکتا ہے، اگر ہو بھی تو ادھورا ہے۔'' اس نے بہت مشکل سے اپنی بات سمجھانے کی کوشش کی۔

''اگر تم ایسا سمجھو تو کیا تمہیں اپنا علم ادھورا نہیں لگے گا؟'' آیت نے کچھ سوچتے ہوئے پوچھا

''علم کی کوئی حد تو نہیں ہے، یہ ساری زندگی میں بھی مکمل نہیں ہو سکتا۔ جو تصور تم نے دیا، میں اسے بھی سمجھنے کی کوشش کروں گا اور اسے اپنے تجربات میں لاؤں گا۔'' اس نے عزم سے کہا

''کیسے، کہاں کرو گے تجربہ؟ اپنے کلینک پر؟'' آیت نے مسکراتے ہوئے پوچھا

''میں سمجھا نہیں، تم کہنا کیا چاہ رہی ہو؟'' اس نے پوچھا

''تم اسے سمجھ بھی لو گے تو زندگی کا خلا ویسا ہی رہے گا۔ وہ خلا جو شارلین کی وجہ سے ہے، تجربہ گاہ تمہاری اپنی ذات ہے۔ جب

تک تم اس تجربے سے نہیں گزرو گے، تمہیں کیا پتہ؟'' آیت نے سمجھایا

''تمہارا کیا خیال ہے، وہ شارلین جس کے ساتھ میں ختم کر چکا ہوں، وہ میرے ساتھ ختم کر چکی ہے، ہمارے درمیان اب کچھ بھی نہیں رہا، اس سے؟'' وہ انتہائی حیرت سے بولا

''اصل معاملہ تو یہی ہے، میرا جو تصور ہے محبت کا، اس میں تو بے رنگ ہونا پڑتا ہے۔ جب تک بے رنگ نہیں ہو جاؤ گے، باطن کو نہیں پا سکو گے۔ مطلب شارلین چاہے تم سے ختم کر چکی ہے، کیا تم بھی ختم کر چکے ہو؟ نہیں تم بھی دل میں اتنی ہی نفرت کا رنگ لئے بیٹھے ہو جتنی وہ، کسی ایک کو نفرت کا رنگ چھوڑنا ہوگا، تم، شارلین سے تمام اختلاف بھلا کر، تمام تر نفرت بھلا کر، بے رنگ ہو کر اسے منانے کی کوشش کرو، ان ماں بیٹے سے کہیں بھی تھوڑی سی محبت ہے، اسے تلاش کرو، پھر کہیں جا کر تم بے رنگی کی حقیقت کو سمجھ پاؤ گے۔'' آیت نے کہا تو وہ کافی دیر تک خاموش رہا، پھر دھیمے سے لہجے میں بولا

''مجھے اعتراف ہے کہ میں نے تمہارا علاج کرنے کی ٹھانی تھی لیکن مجھے اب یہ پتہ ہے کہ تم مضبوط خیالات اور تصورات کی مالک ہو۔ ظاہر ہے ایسا کوئی مضبوط انسان ہی کر سکتا ہے۔ اور یہ بات کہ تم محبت کو سمجھتی ہو۔ وہ ماضی تھا، میں آگے چلنا چاہتا ہوں۔''

''نہیں، بات یہ نہیں، تم کیوں مضبوط نہیں ہو؟ دراصل تمہاری انا آڑے آ رہی ہے۔ بے رنگی کے لئے یہ رنگ نکالنے ہوں گے من سے، پھر کہیں محبت کا ادراک ہوتا ہے۔ اور محبت ہی تو انسان کو مضبوط کرتی ہے۔ وہ محبت جو بے رنگ ہو۔'' آیت نے دھیمے لہجے میں کہا تو شکیل بولا

''دیکھو، محبت کے بارے میں ہم بات کر لیتے ہیں لیکن میں یہاں شادی کی بات کرنا چاہوں گا، ہماری شادی کی بات۔''

''تو کیا تم شادی بنا محبت کے کرنا چاہتے ہو، کیا تم یہ بھی نہیں سوچ سکے کہ بیوی چاہئے، جیون ساتھی یا محض تنہائی کا مداوا؟ میں اب بھی کہہ رہی ہوں کہ مجھے کوئی اعتراض نہیں لیکن کیا تم محبت کو ایک ثانوی شے سمجھتے ہو؟ کیا تم اسے محض سمجھوتہ یا کمٹمنٹ سمجھتے ہو؟'' آیت تیزی سے کہتی چلی گئی۔

''دیکھو، تم مجھے ماضی میں دھکیل رہی ہو، جہاں محبت ہے ہی نہیں، سوری ٹو سے..... کیا میں سمجھ لوں کہ تمہاری محبت کسی دوسرے کے لئے وقف ہے اور تم.....'' اس نے کہنا چاہا تو آیت اس کی بات قطع کر کے بولی

''میری محبت ہر انسان کے لئے ہے۔ محبت کوئی جذبہ یا احساس نہیں، ایک رویہ ہے۔ جس طرح روشن شمع کی روشنی ہر طرف ہوتی ہے، اسی طرح محبت ہوتی ہے۔ جیسا تعلق محبت ویسی ہو جاتی ہے۔''

''کیا تم یہ کہنا چاہتی ہو کہ پہلے شارلین کو حتمی طور پر اپنی زندگی سے نکال دوں؟'' اس نے پوچھا

''نہیں، میں چاہتی ہو تم سب کچھ بھلا کر، پورے دل سے، بے رنگ ہو کر شارلین کو محبت دو۔ مانتی ہوں تمہارے لئے مشکل ہو

گی لیکن ناممکن نہیں ہے۔'' آیت نے انتہائی رسان سے کہا

''اگر اس کے ساتھ پھر سے تعلق بن جاتا ہے تو پھر؟'' شکیل نے پوچھا

''یہ تو بہت اچھی بات ہے۔ مجھے خوشی ہوگی، تم بے رنگ محبت کے کامیاب تجربے سے گزر گئے ہو؟''

''اور اگر ناکام رہا تو؟'' شکیل نے پھر پوچھا

''تو پھر میں مان لوں گی کہ جو تم کہتے ہو وہی درست ہے؟'' آیت نے حتمی لہجے میں کہا

''یہ تم بہت بڑا فیصلہ بلکہ رسک لے رہی ہو، میری نیت پر انحصار کر رہی ہو۔'' اس نے مسکراتے ہوئے کہا تو آیت بھی مسکرا دی، پھر بولی

''لگتا ہے کھلی فضا تمہیں اچھی نہیں لگ رہی۔ چائے یہیں پیئو گے یا اندر چل کر؟''

''میرا خیال ہے مجھے ابھی چلنا چاہئے۔'' اس نے کہا

''نہیں، آؤ اندر چلتے ہیں، چائے پی کر ہی جانا۔'' یہ کہتے ہوئے وہ اٹھ گئی۔ تبھی شکیل بھی اس کے ساتھ اٹھ گیا۔

❀ ❀ ❀

وہ ایک اُلجھی ہوئی صبح تھی۔ طاہرات کا پارٹی اجلاس کے لئے اسلام آباد چلا گیا تھا۔ وہ ساجد کو بھی اپنے ساتھ ہی لے گیا تھا۔ یہ ہنگامہ خیز اجلاس کیوں تھا، اسے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ لیکن وہ یہ جانتی تھی کہ آج سرمد کو اس نے سکول چھوڑنے جانا ہے۔ وہ نماز سے فارغ ہو کر تلاوت کرنے لگی۔ دن چڑھنے کے آثار ہوئے تو وہ سرمد کو جگانے بیڈروم میں آئی۔ سرمد جاگ رہا تھا۔ وہ اسے تیار ہونے کہہ کر کچن میں چلی گئی۔

وہ سرمد کا بستہ اٹھائے پورچ میں آ گئی۔ ڈرائیور کار لئے تیار کھڑا تھا۔ وہ بھی ساتھ بیٹھنے لگی تو سرمد نے کہا

''ماما۔! میں چلا جاؤں گا سکول، آپ بے شک رہیں گھر۔''

''کوئی بات نہیں بیٹا، میں بھی اسی بہانے آپ کے سکول کی سیر کر آؤں گی۔'' اس نے مسکراتے ہوئے کہا اور پچھلی نشست پر بیٹھ گئی۔ تبھی ڈرائیور کے ساتھ سرمد بیٹھا تو اس نے کار کو گیئر لگا دیا۔ کار شناسا راستوں سے چلتی ہوئی جا رہی تھی۔ سکول تھوڑے فاصلے پر تھا۔ جیسے ہی وہ گیٹ کے پاس پہنچے۔ ایک بالکل کار ان کے ساتھ آ لگی۔ ایک تو رفتار آہستہ تھی، دوسرا ڈرائیور بہت محتاط تھا، اس لئے بروقت بریک لگا لئے۔ کار رکی ہی تھی تو دوسری کار میں سے چند لوگ باہر نکل آئے۔ وہ انتہائی سرعت کے ساتھ ان کی کار کے چاروں جانب پھیل گئے۔ ایک نے ڈرائیور کے سر پر پسٹل رکھ دیا۔

''خبردار کوئی ہوشیاری دکھانے کی کوشش کی۔'' اسی بندے نے کہا اتنے میں ایک بندہ سرمد کی طرف چلا گیا۔ جیسے ہی اس شخص

نے سرمد کی طرف والا دروازہ کھولا، رابعہ نے چیختے ہوئے کہا۔

''بشیر بھگاؤ گاڑی......''

لیکن بشیر ڈرائیور کار نہ بھگا سکا۔ باہر کھڑے آدمی نے سرمد کو کھینچ کر نیچے اُتار لیا تھا۔ اسے دو مزید لوگوں نے جھپٹ کر پکڑا تب تک رابعہ باہر نکل کر سرمد کی طرف لپکی۔

''چھوڑو...... چھوڑو میرے بچے کو......''

''اگر زندگی چاہتی ہو تو پیچھے ہٹ جاؤ'' اسی شخص نے پسٹل نکالتے ہوئے کرخت لہجے میں کہا

''تم میرے بچے کو نہیں لے جا سکتے۔'' وہ شیرنی کی طرح دھاڑتے ہوئے چیخی اور سرمد کو پکڑ لیا۔ وہ اسی اپنی جانب کھینچ رہی تھی جب وہ لوگ سرمد کو گھسیٹ کر لے جا رہے تھے۔ رابعہ ساتھ گھسیٹی چلی جا رہی تھی

''اسے تو ہم لے کر ہی جائیں گے، چاہیں تمہیں مارنا پڑے، پرے ہو جاؤ'' وہی شخص اسی بھیانک لہجے میں بولا وہ رابعہ نے التجائیہ لہجے میں کہا

''مجھے مار دو، سکندر حیات سے کہو جو کہو گے میں مان لوں گی۔ میرے بچے کو......''

''بند کر بکواس......'' اس نے پسٹل والے ہاتھ کے ساتھ اسے زور سے دھکا دیا۔ وہ سڑک پر جا گری۔ دوسرے شخص نے سرمد کو کار میں پھینکا۔ رابعہ تڑپ کر اٹھی اور سرمد کی جانب بڑھی۔ تب اس شخص نے رابعہ کے سر پر پسٹل کا دستہ زور سے مارا۔ لہو کی دھار کے ساتھ وہ گرتی چلی گئی۔

''ماما......'' سرمد ایک بار چیخا، پھر اس کی آواز دب کر رہ گئی۔

اگلے چند لمحوں میں وہ لوگ کار میں بیٹھے اور چل دیئے۔ بشیر نے سڑک پر گری رابعہ کو دیکھا۔ اس نے فوراً طاہر کو فون کرنے لگا۔ چونکہ یہ واقعہ سکول کے پاس پیش آیا تھا۔ وہاں کافی عورتیں اور مرد تھے۔ جو اپنے بچوں کو چھوڑنے آئے ہوئے تھے۔ وہ ان تک آ گئے۔ رابعہ کو کار میں ڈالا گیا تاکہ فوراً ہسپتال پہنچا دیا جائے۔

جس وقت تک رابعہ کو قریبی ہسپتال پہنچایا گیا، تب تک آیت وہاں جا پہنچی تھی۔ وہ ایک نجی ہسپتال تھا۔ جب وہاں کے لوگوں کو پتہ چلا کہ کون مریضہ ہے، وہاں ایک ہلچل مچ گئی۔ اسے فوراً آپریشن تھیٹر میں لے جایا گیا۔ آیت باہر کھڑی مختلف لوگوں کو فون کر رہی تھی۔ اس نے اپنے دماغ کو قابو میں رکھا ہوا تھا۔ دو گھنٹے کے مسلسل آپریشن کے بعد جب ڈاکٹرز باہر آئے تو سینئر ڈاکٹر نے آیت سے کہا

''زخم اتنا گہرا نہیں ہے، لیکن خون بہت بہہ گیا ہے۔''

''خطرے والی تو نہیں ہے نا ڈاکٹر صاحب؟'' اس نے پوچھا

''بظاہر تو نہیں ہے، اگر دو گھنٹے بعد ہوش آ گیا تو پھر کوئی خطرہ نہیں۔'' ڈاکٹر نے اسے تسلی دی اور اپنے آفس کی جانب بڑھ گیا۔

انہی لمحات میں طاہر کا فون آ گیا۔ آیت نے اسے صورت حال بتائی تو وہ بولا

''آیت۔! تم نے یہیں رہ کر رابعہ کا خیال کرنا ہے، میں سرمد کو لے کر ہی لوٹوں گا۔''

''پتہ چلا کس نے اغوا......'' اس نے پوچھنا چاہا لیکن وہ فون بند کر گیا۔

کچھ دیر بعد رابعہ کو آئی سی یو میں شفٹ کر دیا گیا۔

❁......❁......❁

طاہر انتہائی تیز رفتاری سے لاہور پہنچ گیا تھا۔ تمام راستے اس کا پولیس سے لے کر اپنے بندوں سے رابطہ رہا۔ بشیر ڈرائیور نے اسے جب ساری تفصیل سے بتایا تو وہ سمجھ چکا تھا کہ یہ اغوا کس کی طرف سے ہے۔ اسے یقین اس وقت ہو گیا، جب اسے پتہ چلا کہ اس کا بابا سکندر حیات لاہور والی رہائش گاہ پر کل شام سے موجود ہے۔ ساجد اپنی جگہ رابطے میں مصروف تھا۔ لاہور پہنچتے ہی ساجد اس سے الگ ہو گیا۔ طاہر فارم ہاؤس نہیں گیا، بلکہ سیدھا اسی رہائش گاہ پر گیا، جسے وہ ڈیرہ کہتے تھے اور بابا سکندر حیات وہاں موجود تھا۔

وہ اپنی کار پورچ میں روک کر سیدھا لاؤنج میں گیا۔ بابا سکندر حیات وہاں پر اکیلا ہی بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے طاہر کی طرف مسکراتے ہوئے دیکھا، پھر نہایت تکبرانہ لہجے میں بولا

''مجھے پتہ تھا تم سیدھے میرے پاس ہی آؤ گے۔''

''ظاہر ہے بابا مجھے آپ ہی کے پاس آنا تھا۔'' اس کے لہجے میں ادب تھا

''بولو کیا چاہتے ہو؟'' اس نے یوں پوچھا جیسے بھیک دینا ہو

''بابا۔! مجھے سرمد چاہئے، ابھی اور اسی وقت، اسے کوئی نقصان نہیں پہنچنا چاہئے۔'' طاہر نے التجائیہ انداز میں یوں کہا جیسے وہ بھیک ہی مانگ رہا ہے۔

''مجھے سمجھ نہیں آتی، میرا شیر پتر، ایک عورت کے لئے چوہے کی طرح کیوں ہو گیا ہے۔ شرم آتی ہے مجھے تمہیں اپنا بیٹا کہتے ہوئے۔'' اس نے نفرت سے کہا

''مجھے سرمد چاہئے۔'' اس نے پھر التجا کی۔

''تمہیں مجھ پر غصہ کرنا چاہئے، دھاڑو شیر کی طرح، میرے پنجے سے چھڑا کر لے جاؤ اُسے، پھر میں سمجھو گا تم میرے وہی بیٹے ہو، جس پر میں ناز کیا کرتا تھا۔'' اس نے جوش سے کہا پھر اگلے ہی لمحے حقارت سے بولا، ''کیا بن گئے ہو تم؟''

''بابا، آپ میرے باپ ہو، میں آپ کے سامنے کیسے بول سکتا ہوں۔ بس مجھے سرمد چاہئے، وہ دے دیں آپ۔'' طاہر نے

"تم کیا سمجھتے ہو، میں نے اسے یونہی اغوا کرا لیا، میں اسے اغوا کروں گا، تم آؤ گے، یوں مانگو گے اور میں آسانی سے تمہیں تھما دوں گا۔" سکندر حیات نے تکبرانہ لہجے میں حقارت سے کہا

"کیوں کیا ایسا، کیا چاہتے ہیں آپ؟" طاہر نے پوچھا تو وہ صوفے سے لگی ٹیک ہٹا کر بولا

"میں جانتا ہوں کہ تم نے اسی لڑکے کے لئے سارا تماشہ بنایا ہوا ہے۔ وہ لڑکا صرف ایک صورت میں تمہیں مل سکتا ہے؟" اس نے یوں کہا جیسے کسی اجنبی سے بات ہو رہی ہو

"وہ کیا ہے بابا؟" طاہر نے پوچھا

"مت کہو مجھے بابا، اس وقت تک نہ کہو، جب تک میری بات نہیں مان لو گے۔" اس نے غصے میں کہا، پھر ایک لمحہ خاموش ہو کر بولا، "جاؤ، رابعہ کو طلاق دے کر آ جاؤ، وہ لڑکا تمہیں مل جائے گا۔"

"بابا ایسے نہ کہیں، میں اسے طلاق نہیں دے سکتا اور نہ ہی یہ برداشت کروں گا کہ سرمد کو ایک خراش بھی آئے، آپ ایسی کوئی شرط

جانے کا اشارہ کیا۔ طاہر پھر چند لمحے رُکا رہا، پھر مایوس ہو کر پلٹ گیا۔

حالات مایوس کر دینے والے تھے۔ اسے معلوم تھا کہ سرمد کس کے پاس ہے لیکن وہ بتا نہیں سکتا تھا۔ اپنے باپ کا جرم کس کے سامنے بیان کرتا۔ جبکہ باپ نے جو شرط رکھی تھی وہ اس کی زندگی ہار جانے کے مترادف تھا۔ ایک امتحان تھا یا کیا تھا؟ وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا۔

❁......❁......❁

رابعہ آئی سی یو میں پڑی تھی۔ تین گھنٹے گذر جانے کے باوجود اسے ہوش نہیں آیا تھا۔ آیت نے جو خود پر قابو رکھا ہوا تھا، اسے لگا اس کے اعصاب دھیرے دھیرے جواب دے رہے ہیں۔ وہ مسلسل ڈاکٹرز کے سر پر سوار تھی۔ اس کا یہی ایک سوال تھا کہ اب تک اسے ہوش کیوں نہیں آ رہا۔ سینئر ڈاکٹر کا یہی کہنا تھا کہ یہ حیران کن بات ہے، اسے اتنی دیر تک بے ہوش رہنا تو نہیں چاہئے۔ وہ لوگ تب سے یہ جاننے کی کوشش میں لگ گئے کہ وہ اتنی دیر سے بے ہوش کیوں ہے۔

اب آیت وہاں پر اکیلی نہیں تھی۔ اس کے اور طاہر کے آفس کا سینئر عملہ وہاں موجود تھا۔ دادا جی بھی پہنچ گئے تھے لیکن وہ آیت کے پاس ہونے کی بجائے سرمد کو تلاش کرنے کے لئے رابطے میں تھے۔ گھڑی کی ٹک ٹک اور سانس کی آمدورفت ایک جیسی ہو گئی تھی۔ وہ کاریڈور میں بیٹھی اپنی پوری توجہ رابعہ پر لگائے بیٹھی تھی۔ اگرچہ اسے سرمد کی زیادہ فکر تھی لیکن وہ اس نے طاہر پر چھوڑ دیا تھا۔ وہ اچھی طرح جانتی تھی کہ اس معصوم سے خار رکھنے والا کون ہو سکتا ہے۔ اگر طاہر نے سرمد کی تلاش اپنے ذمے نہ لی ہوتی تو وہ اب تک سکندر حیات کو مجبور کر دیتی کہ وہ سرمد کو واپس کرے۔ وہ نا امید اب بھی نہیں تھی۔

وقت جوں جوں گزرتا چلا جا رہا تھا، رابعہ کی پریشانی بڑھتی چلی جا رہی تھی۔ ڈاکٹرز کچھ بتا نہیں رہے تھے کہ آخر رابعہ کو ہوش کیوں نہیں آ رہا۔ وہ اٹھی اور سینئر ڈاکٹر کے آفس میں چلی گئی۔ وہاں پر دو ادھیڑ عمر مرد اور ایک خاتون ڈاکٹر بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ جب وہاں گئی تو سبھی خاموش ہو گئے۔

''آئیں بیٹھیں۔'' سینئر ڈاکٹر نے اس کی طرف دیکھ کر سامنے پڑی کرسی کی جانب اشارہ کیا۔ تو اس نے بیٹھتے ہوئے پوچھا

''ڈاکٹر صاحب۔! وہ ہوش میں کیوں نہیں آ رہی؟''

''دیکھیں۔! ابتدائی طور پر ہم نے سر پر لگی چوٹ کا ہی جائزہ لیا تھا۔ وہ ایسا نہیں تھا کہ اب تک ہوش نہ آتی۔ لیکن اب ہم نے اس کے ٹیسٹ لئے ہیں جو امید افزا نہیں ہیں۔''

''کیا ہوا؟'' اس نے تشویش سے پوچھا

''اب میں آپ کو یوں سمجھاؤں، یہ چوٹ ایک بہانہ بن گئی ہے، ورنہ وہ خاتون کسی بھی وقت اس حالت میں آ جانے والی تھیں۔ انہیں بہت زیادہ بلڈ پریشر رہے یا تھا، شدید صدمے سے وہ خود پر قابو نہیں رکھ پائیں۔ اس کے ساتھ انہیں اور عارضہ بھی تھا، جو دماغ

کے شریانی پھیلاؤ میں سخت دباؤ آجانا ہوتا ہے۔''

''لیکن ڈاکٹر، وہ کبھی بھی.....'' یہ کہتے کہتے وہ رُک گئی جیسے اسے کچھ یاد آ گیا ہو۔ وہ خاموش ہوگئی

''ابھی کوئی حتمی فیصلہ نہیں کیا، ہمیں ان کا مزید جائزہ لینا ہے۔ یہ سب سینئر ہمارے پاس ہیں۔ سی ٹی انجیو گرافی سمیت کچھ مزید ٹیسٹ لیتے ہیں۔'' سینئر ڈاکٹر نے بتایا تو بہت کچھ سوچنے لگی۔ پھر اپنی سوچ سے باہر آتے ہوئے بولی

''ٹھیک ہے، ظاہر ہے میں تو چاہوں گی اسے ہوش میں لانے کی جتنی بھی کوشش ہو سکے، پلیز۔''

''جی، یہ ہمارے لئے بھی سنجیدہ مسئلہ ہے، ہم کسی بھی لمحے غافل نہیں ہیں۔ آپ دعا کریں۔'' ڈاکٹر نے تسلی دیتے ہوئے کہا تو وہ اٹھ گئی۔ حالات بہت نازک ہو گئے تھے۔

❁.......❁.......❁
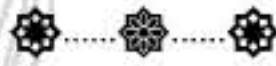
طاہر کار کی پچھلی نشست پر بیٹھا ہسپتال کی جانب جا رہا تھا۔ اسے فون پر مسلسل اطلاعات مل رہی تھیں کہ سرمد کی بازیابی کے لئے کیا کوششیں کی جا رہی ہیں۔ جب تک انسان لاعلم ہو اس وقت تک ٹامک ٹوئیاں مارتا ہے لیکن جیسے ہی اسے علم ہو جائے وہ رسائی کے لئے راستہ بنا لیتا ہے۔ جب تک اس نے رابعہ سے شادی نہیں کی تھی، تب تک وہ بھی انہی راہوں کا راہی تھا، جس پر اس کے بابا چل رہے تھے۔ وہی لوگ تھے، جن سے ان کا بابا کام لیتے تھے، وہی مہرے تھے جن سے پہلے بابا چال چلتے تھے، پھر وہ چلتا رہا تھا۔ وہ ہسپتال سے ابھی تھوڑی دور ہی تھا کہ اس کا سیل فون بج اٹھا۔ فون ساجد کا تھا۔ اس نے کال رسیو تو دوسری جانب ساجد نے کہا

''سرمد مل گیا ہے۔''

''کہاں ہے؟'' اس نے تیزی سے پوچھا

''میرے پاس ہے، میں لا رہا ہوں۔ وہ پوری طرح محفوظ ہے۔'' اس نے تسلی دی

''اسے لے کر ہسپتال آجاؤ۔ میں گیٹ پر ہی تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔'' اس نے کہا

''ٹھیک ہے۔'' ساجد نے کہا اور فون بند کر دیا۔

ایک گھنٹے سے زیادہ وقت گزر گیا۔ ساجد مسلسل رابطے میں تھا۔ وہ ہر پانچ دس منٹ اسے بتا دیتا کہ وہ کہاں پر ہے۔ یہاں تک کہ وہ گیٹ پر آ گیا۔ جیسے ہی طاہر کی نگاہیں سرمد سے چار ہوئیں، طاہر کے دل سے ایک ہوک نکلی۔ درد کی لہر اس کا اندر چیر گئی۔ ایک احساس شرمندگی نے دکھ کی اتھاہ گہرائیوں میں لا پھینکا۔ میں سرمد کی حفاظت بھی نہیں کر سکا؟ ایک لمحے کے لئے اسے یوں لگا جیسے وہ اس دنیا ہی میں نہیں ہے۔ اسے احساس اس وقت ہوا، جب سرمد اس کی ٹانگوں سے آن لپٹا۔

''پاپا۔! انہوں نے ماما کو بھی مارا، مجھے بھی۔'' یہ کہتے ہوئے وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دیا۔ لفظوں سے لپٹا ہوا دکھ، شکایت میں مان

اور معصومیت بھری آہ نے طاہر کو اندر تک سے چیر دیا۔اک آگ کا شعلہ بلند ہوا، یوں لگا دھواں چاروں طرف پھیل گیا ہے۔اسے خود پر قابو پانا مشکل ہو رہا تھا۔اس کی آنکھیں آنسوؤں سے تر ہو گئیں۔اس نے سرمد کو تسلی دینا چاہی لیکن ایک لفظ بھی نہ کہہ سکا۔وہ ساکت وہیں کھڑا رہا۔سرمد کے لفظوں نے گویا سمندر کے دو پاٹ کر دیئے تھے۔

”یہیں کھڑے رہو گے یا اندر بھی چلو گے؟“ ساجد کی آواز پر وہ چونکا۔وہ سرمد کو لے کر اندر چل دیا۔اس کا ڈرائیور کار کو پارکنگ میں لگانے کے لئے چل پڑا۔

کاریڈور کے سامنے والے لان میں اس کے جاننے والے لوگ کھڑے تھے۔ان سے کافی پیچھے کاریڈور میں آیت کھڑی اپنے دادو سے بات کر رہی تھی۔دادو کی نگاہ طاہر اور سرمد پر پڑی اس نے چونک کر انہیں دیکھا اور پھر آیت کو بتایا، وہ تڑپ کر پلٹی۔سرمد نے طاہر کی جانب دیکھا۔اس نے سرمد کا ہاتھ چھوڑ دیا۔وہ بھاگتا ہوا آیت کی جانب بڑھ گیا۔اس نے سرمد کو گلے لگایا اور پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔اسے سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ یہ خوشی کے آنسو ہیں یا دکھ آنکھوں سے بہہ رہا ہے۔اتنی دیر میں طاہر ان دونوں کے پاس پہنچ گیا تھا۔سرمد رو رو کر بتا رہا تھا کہ اس کے ساتھ کیا ہوا۔

”بڑی ماما...... بڑی ماما...... وہ مجھے نا...... ایک گھر میں لے گئے...... بڑا سارا گھر تھا...... مجھے ایک کمرے میں...... بند کر دیا۔میں نے نا...... ماما کے پاس جانے کو کہا...... تو انہوں نے مجھے مارا...... بڑی ماما مجھے بہت زور سے مارا......“

”تم میرے بہادر بیٹے ہو۔اب رونا نہیں۔“ آیت نے اسے اپنے سینے کے ساتھ بھینچتے ہوئے کہا

”ماما کہاں ہیں، بڑی ماما، ان کا خون نکلا تھا“ سرمد نے سسکی لیتے ہوئے کہا

”بیٹا، میری بات غور سے سنو، وہ نہ کچھ سن رہی ہیں اور نہ بول رہی ہیں۔دعا کرو، وہ بات کریں۔انہیں تنگ مت کرنا۔وہ اندر ہیں۔“ آیت نے اسے ذہنی طور پر تیار کرتے ہوئے کہا۔تبھی دادا جی نے سرمد کو پکڑا اور اسے اٹھا کر وہاں لے گئے، جہاں سے وہ شیشے میں سے رابعہ کو دکھا سکیں۔

”کون لے گیا تھا؟“ آیت نے طاہر کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے گھمبیر لہجے میں پوچھا

”بابا کے لوگ۔“ اس نے دھیمے سے لہجے میں انتہائی شرمندگی سے کہا

”کون لایا؟“ اس نے تصدیق کرنے والے انداز میں پوچھا

”ساجد“ اس نے کہا اور پھر لمحہ بھر خاموشی کے بعد تفصیل بتاتا چلا گیا،”اسے شک تھا، اس لئے اسلام آباد سے واپسی پر اس نے خاص لوگوں سے رابطہ کیا تو اسے پتہ چل گیا۔جن لوگوں نے سرمد کو اغوا کیا تھا، انہیں پتہ ہی نہیں تھا کہ سرمد کون ہے اور اس کا میرے ساتھ تعلق کیا ہے۔جیسے ہی انہیں پتہ چلا، انہوں نے اسے ساجد کے حوالے کر دیا۔“

''مطلب، تم ان دونوں کی حفاظت نہیں کر سکے۔'' آیت نے حتمی لہجے میں کہا

''میں تمہارا مجرم ہوں۔'' اس نے گردن جھکا دی۔ آیت النساء اس کی طرف چند لمحے دیکھتی رہی پھر انتہائی دکھ سے بولی

''رابعہ کی حالت انتہائی خطرناک ہے۔'' اس نے بتایا

''کیا اسے ہوش نہیں آیا؟'' اس نے حیرت سے پوچھا تو وہ تفصیل بتا کر بولی

''اس کا زندہ رہنا بہت ضروری ہے طاہر۔'' اس نے کہا اور پلٹ گئی۔ گویا یہ ایک طرح سے وارننگ تھی کہ اگر اسے کچھ ہو گیا تو بہت برا ہوگا۔ طاہر کو یوں لگا جیسے وہ چکی کے دو پاٹوں میں آ گیا ہے۔

ایسے میں اس کے کاندھے پر ساجد نے ہاتھ رکھا۔ اس نے پلٹ کر اسے دیکھا اور اس کے گلے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر رو دیا۔

''حوصلہ کرو طاہر، ربّ سے اُمید رکھو۔ وہ بڑا پالنہار ہے۔ کوئی راستہ ضرور نکالے گا۔''

طاہر نے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھا اور گہری سانس لیتے ہوئے کہا

''تم آیت النساء سے کہو، وہ سرمد کو اپنے ساتھ گھر لے جائے۔ وہ پہلے ہی شاک میں ہے، مزید ڈسٹرب ہوگا۔ ایک وہی ہے جو اس کی ذہنی حالت کو درست رکھ سکتی ہے۔''

''ٹھیک ہے، میں کہتا ہوں۔'' یہ کہتے ہوئے وہ اس طرف بڑھ گیا جہاں سرمد کو لئے آیت النساء کھڑی تھی۔

سورج غروب ہو چکا تھا۔ آفس سے آئے ہوئے لوگ اپنے اپنے گھروں کو جا چکے تھے۔ آیت النساء کو بھی گھر بھیج دیا گیا تھا۔ وہاں پر دادا جی موجود تھے، جن سے آیت نے رابطہ رکھا ہوا تھا۔ ڈاکٹرز پوری جانفشانی سے رابعہ کے لئے مصروف تھے۔ طاہر کی درخواست پر اس مرض کے اندرون اور بیرون ملک کے کچھ ماہر ترین لوگوں سے رابطہ کر لیا گیا تھا۔ ممکن ٹیسٹ کیے جا رہے تھے۔ طاہر کی پوری کوشش تھی کہ رابعہ کسی طرح ہوش میں آ جائے۔ کیونکہ آیت کا ایک ہی فقرہ اس کے دماغ میں گونج رہا تھا۔

''مطلب، تم ان دونوں کی حفاظت نہیں کر سکے۔''

یہ فقرہ اس کے دماغ میں خنجر کی مانند پیوست ہو گیا تھا۔

یہی وہ لمحات تھے جب اس کا فون بج اٹھا، اس نے اسکرین پر دیکھا۔ اس کے بابا کا فون تھا۔ وہ چند لمحے کسی جذبے سے بے نیاز اسکرین دیکھتا رہا۔ اگلے ہی لمحے اس کے اندر ہلچل مچ گئی۔ اس نے بہت کچھ کہنے کے لئے کال رسیو کرنا چاہی، تبھی نجانے کس طاقت نے اسے روک دیا۔ اس نے ایک طویل سانس لی اور کال رسیو کر لی۔ اس نے ہیلو کہا تو سکندر حیات کی آواز گونجی

''کیا تم نے رابعہ کو طلاق دے دی ہے؟''

''بابا! آپ دعا کریں، وہ زندہ رہے، ورنہ اس کا قتل آپ کی گردن پر ہوگا۔'' طاہر نے خود پر قابو رکھتے ہوئے بڑے حوصلے

کے ساتھ دھیمے لہجے میں جواب دیا

''سرمد کو لے جانے کا مطلب یہ نہیں کہ تم جیت گئے ہو۔اسے چھوڑ کر آ جاؤ، ورنہ وہ نہیں رہے گا۔'' اس نے دوسری طرح سے دھمکی دی۔اس پر طاہر چند لمحے خاموش رہا، پھر ضبط کو تھامے بولا

''کسی کا بیٹا چھین لینے سے کیا آپ کا بیٹا آپ کو مل جائے گا۔ظلم مت کریں بابا۔''

''اب تم مجھے سکھاؤ گے؟'' وہ نے تڑپ کر کہا

''مجھے بحث نہیں کرنی، بس مجھے اتنا بتانا ہے، سرمد کی جان میں میری زندگی ہے۔'' یہ کہہ کر اس نے فون بند کر دیا۔وہ سمجھ گیا تھا کہ اس کا باپ ضد کی انتہا پر جا پہنچا ہے۔

❁......❁......❁

ابھی سورج نہیں نکلا تھا۔آیت النساء جائے نماز پر بیٹھی ہوئی تھی۔روزانہ اس وقت تک وہ اپنے معمولات سے فراغت کے بعد واک کے لئے نکل جایا کرتی تھی۔لیکن اُس دن آیت کی دُعا لمبی ہوگئی تھی۔اس کا واک پر جانے کا دھیان ہی نہیں تھا۔دعا ختم کر کے اس نے سوئے ہوئے سرمد پر نگاہ ڈالی اور اٹھ گئی۔اس نے کھڑکی میں سے دیکھا، دادو جی لان میں ٹہل رہے تھے۔اسے پتہ تھا کہ رات کے آخری پہر گھر واپس آ گئے تھے۔وہ رات بھر ایک لمحہ کے لئے بھی نہیں سو سکی تھی۔آیت باہر جانے کے لئے تیزی سے تیار ہونے لگی۔

وہ پورچ میں آئی تو دادو جی روزانہ کی طرح کاریڈور میں بیٹھے اخبار پڑھ رہے تھے۔وہ اس جانب بڑھ آئی تو دادو جی نے اخبار سمیٹ دی۔

''کیسی تھی رابعہ؟''

''جب میں آیا تھا، اس وقت تک تو اُسے ہوش نہیں آیا تھا۔''

''ٹھیک دادو، میں جا رہی ہوں ہسپتال، آپ سرمد کا بہت زیادہ خیال رکھیں۔'' وہ انتہائی سنجیدہ لہجے میں بولی

''ہاں، بیٹا میں سمجھ رہا ہوں۔سکندر حیات نے یہ بہت غلط کیا، خیر تم کسی بھی قسم کی فکر مت کرنا، میں کچھ مزید سیکورٹی کا بندوبست کر لیتا ہوں۔'' دادا جی نے وقت کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے کہا

''ٹھیک ہے میں چلتی ہوں۔'' آیت کہتے ہوئے پلٹ گئی۔

وہ ہسپتال پہنچی تو دن نکل آیا تھا۔کار پارکنگ میں کھڑی کر کے جب وہ آئی سی یو میں پہنچی تو ساجد باہر بیٹھا ہوا تھا۔اسے دیکھ کر کھڑا ہو گیا۔وہ اس کے قریب جا پہنچی اور سلام کرنے کے بعد پوچھا

''کیسی ہے رابعہ؟''

"ابھی تک ہوش نہیں آیا۔" اس نے شیشے کے پار پڑی ہوئی بے ہوش رابعہ کی جانب دیکھ کر بتایا۔ اس کے پاس ہی طاہر موجود تھا۔ دو ڈاکٹر اور نرسیں اس کے ارد گرد تھیں۔ آیت کو لگا جیسے کچھ اچھا نہیں ہے۔ وہ تیزی سے آئی سی یو میں بڑھ گئی۔ اس نے وہاں موجود بھی چہروں پر تشویش دیکھی۔ ڈاکٹر بار بار رابعہ کے سرہانے لگی مشینوں کو دیکھ رہے تھے۔ آیت کے لب دعا کے لئے ہلنے لگے۔ تبھی مشینیں خاموش ہو گئیں۔ ڈاکٹرز نے مایوسی سے طاہر کی طرف دیکھا۔ وہ سمجھ گیا۔ اس کی نگاہ آیت النساء پر پڑی۔ آیت نے دیکھا اس کی آنکھوں سے آنسوؤں بہہ نکلے تھے۔ ایک ڈاکٹر رابعہ کو پھر سے دیکھنے لگا۔ چند منٹ دیکھتے رہنے بعد اس نے سفید چادر اس پر ڈال دی۔ تبھی آیت کی آنکھیں بھی سارے بندھ توڑ گئیں۔

❀.......❀.......❀

"بڑی ماما! جو لوگ اللہ کو پیارے ہو جاتے ہیں، وہ کہاں رہتے ہیں؟" سرمد نے آیت سے پوچھا تو اس کا دل ہمک اٹھا۔ وہ جانتی تھی کہ اب اسے سرمد کے بے شمار سوالوں کے جواب بڑے تحمل سے دینا تھے۔ اس نے بڑے پیار سے اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا

"بیٹا! ربّ تعالیٰ کے پاس ایک بہت ہی خوبصورت جگہ ہے۔ جہاں بہت سکون اور آرام ہے۔ وہ وہاں جا کر رہتے ہیں۔"

"بڑی ماما، وہ تو سکون سے رہتے ہیں۔ ماما کو نہیں پتہ تھا کہ میں اور آپ یہاں پر ہیں۔ ہم انہیں یاد کرتے ہیں۔ پاپا بھی اب چپ رہتے ہیں۔" سرمد نے کہا

"دیکھو بیٹا، اللہ بہت پیار کرنے والا ہے نا۔ وہ جب اپنے بندے کو بہت زیادہ تکلیف میں دیکھتا ہے نا تو پھر اسے اپنے پاس بلا کر سکون دیتا ہے۔ آپ کی ماما کو بہت تکلیف تھی نا، اس لئے۔" آیت نے خود پر بہت زیادہ حد تک قابو پاتے ہوئے سکون سے کہا۔

"وہ مجھے بیچارہی تھی نا؟" سرمد نے دکھی لہجے میں کہا

"ہاں، اگر تم روئے، یا ماما کو یاد کیا تو پھر ماما کو یہاں آ کر پھر سے اسی تکلیف میں سے گزرنا پڑے گا۔ کیا تم چاہتے ہو کہ......"

آیت نے کہنا چاہا تو سرمد تیزی سے بات کاٹتے ہوئے بولا

"نہیں بڑی ماما، میں نہیں چاہوں گا۔"

"شاباش، تم بہت بہادر ہونا، اس لئے۔ میں ہوں، آپ کے پاپا ہیں۔ دادو ہیں، سب ہیں۔"

شاید سرمد سمجھ گیا تھا یا وہ خاموش ہو گیا۔ اس نے مزید سوال نہیں کیا۔ وہ آیت کی گود میں سر رکھے ہوئے لیٹا ہوا تھا۔

سرمد ایک ہفتے سے آیت ہی کے پاس تھا۔ رابعہ کو لحد میں اُتارنے سے پہلے سرمد کو وہاں لے جایا گیا تھا۔ طاہر چاہتا تھا کہ اسے نہ لے جایا جائے، مگر آیت النساء چاہتی تھی کہ سرمد کو ابھی سے حقیقت آشنا کر دیا جائے۔ اس نے سرمد کو ذہنی طور پر تیار کر لیا تھا۔ فارم ہاؤس پر

لوگ تعزیت کے لئے آتے رہے۔ وہیں ایصالِ ثواب کے لئے دعائیں ہوتی رہیں۔ لیکن سرمد کو آیت ہی کے گھر میں رکھا گیا۔ یہ آیت ہی جانتی تھی کہ سرمد کتنی بڑی نعمت سے محروم ہو گیا ہے۔ وہ یہ بھی جانتی تھی کہ اس کی ذمہ داری کس قدر بڑھ گئی ہے۔

جانے والوں کے ساتھ کوئی جا نہیں سکتا۔ دنیا کے کاروبار رُکتے نہیں۔ سو آیت نے سرمد کو سکول جانے کے لئے تیار کر لیا تھا۔ اب فارم ہاؤس پر بھی کوئی نہیں آتا تھا۔

اس صبح وہ سرمد کو لے کر فارم ہاؤس پر جا پہنچی۔ جیسے ہی اس نے پورچ میں کار روکی۔ اسے لگا جیسے وہاں سب اجڑا اجڑا سا ہے۔ جیسے وہاں کی ساری رونق رابعہ اپنے ساتھ ہی لے گئی ہے۔ وہ دکھی دل کے ساتھ سرمد کو لئے لاؤنج میں آئی وہاں بھی ویرانی تھی۔ وہاں کے ملازمین اس کی آمد کے بارے میں جان کر وہاں آنے لگے۔ تبھی وہاں کی خاص ملازمہ سے آیت نے پوچھا

”طاہر صاحب کہاں ہیں؟“

”وہ پیچھے والے لان میں بیٹھے ہیں۔“ اس نے بتایا

”وہ آفس نہیں گئے؟“ آیت نے قدرے حیرت سے پوچھا

”نہیں، وہ نہیں جا رہے ہیں۔“ اس نے بتایا

”اچھا، یہ تم سرمد کو سنبھالو، میں دیکھتی ہوں۔“ آیت نے کہا اور اٹھ کر باہر کی جانب چل پڑی۔ اس نے دور ہی سے دیکھا۔ سفید شلوار قمیض میں ملبوس طاہر، ایک کرسی پر سر نہیوڑے کسی سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔ اس کے بال بکھرے ہوئے تھے۔ وہ دنیا و مافیہا سے بے خبر بیٹھا ہوا تھا۔ آیت اس کے پاس جا پہنچی تو اس نے سر اٹھایا۔ جونہی اس پر نگاہ پڑی وہ سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ آیت اس کے سامنے والی کرسی پر بیٹھ گئی۔ چند لمحے یونہی خاموشی میں گزر گئے۔ تب وہ بولی

”کیا اس طرح بے حوصلہ بھی ہوا جاتا ہے؟“

”تم خود ہی اس کا بہت پہلے جواب دے چکی ہو؟“ طاہر نے اس کے چہرے پر دیکھتے ہوئے کہا

”کیا تم اس جواب کو دہرا سکتے ہو؟“ آیت نے پوچھا

”ہاں، یہی کہ میں سرمد اور رابعہ کی حفاظت کرنے میں ناکام رہا ہوں۔“ طاہر نے دکھی لہجے میں کہا

”تو پھر کیا کرو گے؟“ آیت نے سکون سے پوچھا

”ظاہر ہے، اپنے آپ کو سزا دینا تو بنتا ہے۔ سزا دوں گا۔“ اس نے انتہائی سنجیدگی سے کہا

”کیسے دو گے سزا خود کو؟“ اس نے پوچھا

”یہی تو سوچ رہا ہوں۔“ اس نے الجھتے ہوئے کہا

''مطلب ابھی تک سوچا نہیں، خیر جب کسی نتیجے پر پہنچو تو بتانا، فی الحال سرمد آیا ہے۔'' اس نے بتایا

''آیت میں بہت شرمندہ ہوں، تم سے سرمد سے رابعہ سے، میں اپنی شرمندگی کیسے مٹاؤں۔ یہ سمجھ میں نہیں آ رہا۔'' اس نے روہانسا لہجے میں میں کہا تو آیت کا من کٹ گیا۔ اس لئے بولی

''تم اس وقت ایسا نہیں سوچ رہے ہو، جس میں زندگی ہو۔ وہ تمہارا عشق، وہ بھی نہیں رہا؟''

''اس عشق کے لئے تو اس قدر صبر کئے بیٹھا ہوں۔'' طاہر نے کہا

''ورنہ کیا کرتے؟'' یہ کہہ کر وہ لمحہ بھر کو خاموش ہوئی پھر بولی، ''کیا اپنے بابا کے خلاف جاتے، ان سے بدلہ لیتے۔''

''ہاں، میں ان سے بدلہ لیتا، اپنا آپ ختم کر کے۔ لیکن یہ میرا عشق مجھے اجازت نہیں دے رہا۔ کیا سبق دیا ہے اس عشق نے بھی، صرف صبر کرنا ہے۔ ظلم سہنا ہے، صبر کرنا ہے۔ کچھ نہیں کہنا۔'' وہ یوں کہہ رہا تھا جیسے خود کلامی کر رہا ہو۔ آیت اس کی طرف دیکھتی رہی، کوئی بھی تبصرہ کئے بغیر بولی

''زندگی فرار کا نام نہیں، اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر جینے کا نام ہے۔ خیر، !میں کہہ رہی ہوں سرمد آیا ہے میرے ساتھ۔''

''اگر تم نے اسے اپنے ساتھ واپس لے جانا ہے تو میں نہیں ملوں گا۔'' اس نے اسی سنجیدگی سے کہا

''تم کہنا کیا چاہ رہے ہو؟'' آیت اسکی بات سمجھتے ہوئے بولی تو اس نے کہا

''یہی کہ اگر اس نے یہیں میرے ساتھ رہنا ہے تو پھر میں اس سے ملتا ہوں۔''

''کیا یہ تمہاری کیا منطق ہوئی؟'' اس نے پوچھا

''میری سوچ یہ کہہ رہی ہے کہ اگر میں سرمد کی خدمت کروں تو شاید میری تلافی ہو، ورنہ میری مزید زندگی کا کیا فائدہ۔ مجھے میرے حال پر چھوڑ دیا جائے۔'' طاہر نے وضاحت کرتے ہوئے کہا

''سرمد کی ذہنی حالت ایسی ہے کہ اسے ابھی میری ضرورت ہے اور......'' اس نے کہنا چاہا تو وہ اس کی بات کاٹتے ہوئے بولا

''میں زبردستی نہیں کر رہا اور نہ ہی میری ضد ہے۔ اگر اسے تمہاری ضرورت ہے تو ٹھیک ہے۔ سب سے پہلے سرمد ہے، اس کے بعد کوئی دوسرا ہے۔'' طاہر نے اپنی بات کی وضاحت کرتے ہوئے کہا

''یہ تمہارا فیصلہ ہے۔'' آیت نے حتمی لہجے میں پوچھا

''نہیں میری درخواست ہے، اگر تم قبول کر لو۔'' اس نے انکساری سے کہا، جس میں دکھ چھلک رہا تھا۔ آیت سوچ میں پڑ گئی۔ وہ کچھ دیر تک سوچتی رہی۔ پھر اٹھتے ہوئے بولی

''ٹھیک ہے وہ تمہارے پاس رہے گا۔''

یہ سنتے ہی طاہر میں گویا جان پڑ گئی۔ وہ بھی اٹھ گیا۔

لاؤنج میں کوئی نہیں تھا۔ سرمد کے بارے میں ملازمہ نے بتایا کہ وہ بیڈروم میں ہے۔ وہ دونوں وہاں چلے گئے۔ سرمد سو رہا تھا۔ یوں جیسے ماں کی مہک اسے گود کا احساس دیتی ہے۔ آیت باہر آ گئی۔ وہ سیدھی پورچ میں گئی اور کار میں بیٹھ کر واپسی کے لئے چل دی۔

شام تک وہ خود کو بہلائے رہی۔ وہ سوچتی رہی کہ طاہر اسے سنبھال لے گا۔ وہ بھی تو اس کے ساتھ بہت مانوس ہو گیا تھا۔ پھر طاہر بھی تو اپنی ذمہ داری کو سمجھتا ہے۔ جیسے جیسے سورج مغرب میں جھکنے لگا، اس کے اندر کی بے چینی بڑھنے لگی۔ کئی بار اس کا ہاتھ سیل فون کی طرف گیا تاکہ سرمد کے بارے میں بات کر سکے لیکن ہر بار رُک جاتی۔ یہ ایک طرح سے طاہر پر بے اعتباری والی بات تھی۔ اسے سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اگر حالت یہی رہی تو وہ رات کیسے نکالے گی؟

وہ بے دلی سے ڈنر لے کر اپنے کمرے میں چلی گئی۔ سامنے بیڈ تھا، مگر اس پر جانے کو اس کا من نہیں چاہا۔ وہ صوفے پر بیٹھ گئی۔ وہ خود کو بہلانے کی کوشش کرنے لگی۔ اس کا سارا دھیان سرمد کی طرف تھا۔ وہ کیا کر رہا ہوگا؟ کہیں وہ رابعہ کو یاد کر کے رو تو نہیں ہوگا؟ اسے نیند آ گئی ہوگی؟ حالانکہ وہ خود اسے سوتا ہوا چھوڑ کر آئی تھی۔ کافی تک یونہی بے سروپا سوچتے رہنے کے بعد اس سے رہا نہ گیا۔ اس نے سیل فون لیا اور کال ملانے لگی تاکہ ایک بار ہی سرمد کے بارے میں پوچھ لے۔ وہ نمبر ملانے لگی مگر پھر رُک گئی۔ اس نے سوچا، اُسے خود پر جبر کرنا چاہئے۔ آج رات کے بعد سرمد خود ہی فیصلہ کر دے گا کہ اس نے کیا کرنا ہے۔ وہ اٹھی اور بیڈ پر چلی گئی۔ وہ سوجانا چاہتی تھی لیکن نیند کا شائبہ تک اس کی آنکھوں میں نہیں تھا۔

رات کا پہلا پہر ختم ہو چکا تھا۔ وہ جاگ رہی تھی۔ تبھی اس کا سیل فون بجنے لگا۔ وہ طاہر کا نمبر تھا۔ اس نے جلدی سے کال رسیو کی۔ طاہر کی آواز اس کے کانوں پر پڑی۔

''میں آپ کے پورچ میں ہوں۔''

''خیریت......؟'' اس کا دل دھڑک اٹھا

''خیریت ہے۔ سرمد چاہ رہا تھا کہ وہ آپ کے پاس سوئے، اس لئے میں اسے لے کر آیا ہوں۔'' اس نے بڑے سکون سے جواب دیا تو وہ بے ساختہ تیزی سے کہتے ہوئے اٹھ گئی۔

''میں آ رہی ہوں۔''

وہ پورچ میں پہنچی تو سرمد کے ساتھ طاہر کھڑا تھا۔ اس نے سرمد کو گلے لگایا تو سرمد بولا

''بڑی ماما، مجھے نیند نہیں آ رہی تھی۔''

''ٹھیک ہے بیٹا، آپ یہاں سو جائیں۔'' اس نے پیار سے کہا

''میں چلتا ہوں۔'' طاہر نے کہا

''آپ بھی ادھر ہی سو جائیں۔'' آیت نے دھیمے سے لہجے میں کہا جس پر وہ سنجیدگی سے بولا

''نہیں میں فارم ہاؤس ہی جاؤں گا۔'' یہ کہہ کر وہ پیچھے کھڑی کار کی جانب بڑھ گیا۔ وہ ڈرائیونگ سیٹ پر جا بیٹھا۔ اس نے سرمد کی طرف دیکھ کر ہاتھ ہلایا اور کار بڑھا لے گیا۔ جس وقت وہ گیٹ پار نہیں کر گیا، تب تک وہ اندر کی جانب نہیں گئی۔ اُسے لگا، اُس سے کچھ غلط ہو گیا ہے۔ اس نے طاہر کو اندر آنے کا ہی نہیں کہا۔ یہ ٹھیک ہے وہ سرمد کے لئے پریشان تھی۔ لیکن اس قدر بھی نہیں کہ وہ طاہر کو بالکل فراموش کر دے۔ اسے تھوڑا قلق ہوا کہ یہ اچھا نہیں ہوا۔ لیکن اگلے لمحے اس نے اس خیال کو جھٹک دیا۔ وہ سرمد کو لئے بیڈروم میں چلی گئی۔

اس نے پر سکون نیند لی تھی۔ اس وقت وہ اپنے سارے معمولات سے فراغت لے کر واک کے لئے جانے والی تھی۔ جب سرمد بیدار ہو گیا۔ آیت نے واک پر جانا موخر کر دیا اور سرمد کو نہلانے دھلانے لگی۔ فریش ہو کر وہ دونوں ناشتے کی میز پر آ کر ناشتہ کرنے لگے۔ دادا جی واک کرنے اور اخبار وغیرہ پڑھنے کے بعد اپنے کمرے میں جا چکے تھے تا کہ تیار ہو کر ناشتے کی میز پر آئیں۔ اُن کے ناشتہ کر لینے تک دادا جی باہر نہیں آئے تھے۔

''بس بڑی ماما، میں نے ناشتہ کر لیا۔''

''خوب ڈٹ کے نا۔'' آیت نے پیار سے ممتا بھرے لہجے میں پوچھا

''بالکل ڈٹ کے۔'' اس نے مسکراتے ہوئے کہا

انہی لمحات میں آیت کا سیل فون بجا۔ طاہر نے نمبر جگمگا رہے تھے۔ اس نے کال رسیو کی تو طاہر بولا

''میں گیٹ پر کھڑا ہوں۔''

''گیٹ پر کیوں؟ اندر کیوں نہیں آئے؟'' آیت نے دبے ہوئے لہجے میں کہا، اسے رات والا رویہ یاد آ گیا تھا۔

''میں سرمد کو لینے آیا ہوں۔ اسے سکول جانا ہے۔''

''اوہ۔!'' آیت کے منہ سے سرسراتے ہوئے نکلا پھر تیزی سے بولی، ''تم آ جاؤ نا اندر۔''

''نہیں سرمد کو سکول سے دیر ہو جائے گی۔'' اس نے کہا تو ایک ہی لحہ میں سمجھ گئی کہ اب مزید اس بارے اسے بات نہیں کرنی چاہئے۔ وہ سرمد کو لے کر گیٹ پر چلی گئی۔ وہ سڑک پر کار میں بیٹھا تھا۔ آیت نے سرمد کو بٹھانے کے لئے کار کا اگلا دروازہ کھولا تبھی طاہر بولا، ''سرمد کو پیچھے بٹھاؤ، اس کی یونیفارم وہاں پڑی ہے، راستے میں پہن لے گا۔''

آیت نے پچھلی نشست پر دیکھا، سرمد کی یونیفارم پریس کی ہوئی ہینگر میں وہاں موجود تھی۔ اس نے کوئی بات کئے بنا، پچھلا دروازہ کھولا اور سرمد کو بٹھا دیا۔ اس کا بہت دل چاہ رہا تھا کہ وہ خود ساتھ میں جائے لیکن وہ ایسا خواہش کے باوجود نہیں کر سکی۔ طاہر چلا گیا

تھا۔وہ کتنی ہی دیر تک وہیں کھڑی رہی۔اسے لگا اس کی ساری سوچیں جامد ہو گئی ہیں۔

سہ پہر ہو گئی تھی۔آیت واپس گھر آ گئی۔اس کا دھیان سرمد ہی کی طرف لگا رہا۔آفس میں اس نے امبرین سے باتوں ہی باتوں میں نہ صرف سرمد کے بارے میں پوچھ لیا تھا بلکہ اُس کا خیال رکھنے کو بھی کہہ دیا۔گھر میں دادا جی نہیں تھے۔وہ نجانے کہاں تھے۔وہ کچھ دیر تک گھر میں رہی پھر لان میں آ بیٹھی۔اس کے پاس سوائے سرمد کے بارے میں سوچنے کے اور کوئی دوسری سوچ نہیں تھی۔اسے وہاں بیٹھے کچھ دیر ہوئی تھی کہ شکیل اسے گیٹ کے پاس دکھائی دیا۔وہ سیاہ سوٹ میں ملبوس تھا،اس کے ٹائی نہیں لگی ہوئی تھی۔بال سنورے ہوئے تھے لیکن یوں دکھائی دے رہا تھا کہ جیسے وہ خود سے لاپرواہ ہے۔اس نے دور ہی سے آیت کو لان میں بیٹھا دیکھا تو دھیمے سے چلتا ہوا اس کی جانب بڑھ آیا۔اس کے سامنے والی کرسی پر بیٹھتے ہوئے علیک سلیک کی اور مسکراتے ہوئے پوچھا

''کیسا چل رہا ہے؟''

''تم دکھائی نہیں دیئے اتنے دن کہاں تھے؟''جواب دینے کی بجائے اس نے پوچھ لیا

''کہیں بھی نہیں ادھر ہی تھا۔''اس نے ہولے سے کہا

''پھر دکھائی نہیں دیئے۔''اس نے پھر وہی پوچھا تو شکیل یوں ہو گیا جیسے کسی سوچ میں کھو گیا ہو۔کچھ دیر تک یونہیں خاموش بیٹھا رہا،پھر آیت کے چہرے پر دیکھتے ہوئے بولا

''مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے میری زندگی میں ایک دوراہا آ گیا تھا۔کئی دن پہلے جب میں آخری بار تم سے ملا تھا،اسی دن سے تذبذب کا شکار ہو گیا تھا۔مجھے لگا،تم میری باتوں کا پوری طرح جواب نہیں دینا چاہتی۔''

''ایسا کیوں لگا؟''آیت نے دلچسپی لیتے ہوئے پوچھا

''کیونکہ جب میں نے اپنے اس خیال کا اظہار تم سے کیا تو پتہ ہے تم نے کیا جواب دیا تھا۔''یہ کہہ کر وہ لمحہ بھر کو رکا،پھر بولا،''میری محبت سب کے لئے ہے،جیسا تعلق ہو گا،محبت ویسی ہو جائے گی۔''

''تو......''اس نے کہا

''یہ بات مجھے مطمئن کر دینے والی نہیں تھی۔اس سے تو دو ہی باتیں سامنے آتی ہیں،کیا میں اُس محبت کو نہیں سمجھ رہا،جس کے بارے تمہیں ادراک ہے،یا پھر تم نے مجھے ٹال دیا ہے؟''اس نے کہا تو آیت خاموش رہی وہ کہتا چلا گیا،''سب سے اہم سوال یہی تھا کہ تم شارلین سے کیوں ملانا چاہتی ہے؟سیدھی سی بات ہے،میں شارلین سے اور شارلین مجھ سے ختم کر چکی ہے۔میں نئی شادی کرنا چاہتا ہوں،جس پر تمہیں اعتراض بھی نہیں ہے؟تب پھر تمہارا یہ کہنا کہ میں چاہتی ہو تم سب کچھ بُھلا کر،پورے دل سے،بے رنگ ہو کر شارلین کو محبت دو۔مانتی ہوں تمہارے لئے مشکل ہو گی لیکن ناممکن نہیں ہے۔آیت یہ کیا ہے؟مجھے سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کیا تم کچھ وقت چاہتی ہے؟کیا تم

کسی دوسرے سے محبت کرتی ہے؟"

"میں تو سب سے محبت کرتی ہوں، خیر یہ سوچیں تمہیں کیوں آئیں اور اب....." آیت نے کہنا چاہا، مگر وہ اس کی سنی ان سنی کرتا ہوا بولا

"شاید میری یہ ساری سوچیں محو ہو جاتیں، یا کچھ ہی وقت کے بعد معدوم ہو جاتیں لیکن جیسے ہی میں نے شارلین سے دوبارہ رابطہ کیا......"

"واہ۔!تم نے شارلین سے رابطہ کیا؟ کیسا رہا؟" آیت نے بے ساختہ پوچھا

"مجھے کوئی بھی، کسی بھی قسم کا کوئی ردعمل نہیں ملا۔" وہ جذبات سے عاری لہجے میں بولا

"تو کوئی ردعمل نہیں؟" وہ سوچتے ہوئے انداز میں بولی

"ہاں، اس رابطے کے بعد مجھے لگا کہ جیسے میں نے ایک خلا میں صدا لگائی ہو۔ میں نے اپنے دوستوں میں شارلین سے دوبارہ رابطہ کی بات کی تا کہ وہ اس تک پہنچا دیں۔ میرے خیال میں یہی موثر تھا۔ اگر شارلین کے دل میں ذرا سی بھی چاہت ہوئی تو وہ کسی نہ کسی طرح ردعمل ضرور دے گی۔ مگر وہاں تو آواز صدا بہ صحرا ثابت ہوئی تھی۔ کسی دوست کی جانب سے بھی کسی بات کا اظہار نہیں ہوا تھا۔"

"مطلب ابھی تک تمہیں کوئی جواب نہیں ملا؟" آیت نے پوچھا تو بڑے جذب میں بولا

"میں منتظر تھا۔ لیکن تمہاری سہیلی رابعہ کو حادثہ پیش آ گیا۔ اس دوران جہاں تمہارا رابعہ سے تعلق سامنے آیا، وہاں یہ بھی پتہ چلا کہ طاہر باجوہ سے تمہارے تعلق کی نوعیت کیا رہی ہے۔ طاہر تم سے شادی کرنا چاہتا تھا، لیکن تم نے اس کی شادی رابعہ سے کروا دی۔ یہ کیا ہے؟"

"تم نے کیا سمجھا؟" آیت نے جواب دینے کی بجائے اس سے پوچھ لیا

"سچ بات تو یہی ہے۔ میں نے سوچا کہ کیا تم واقعی نفسیاتی مریض ہے؟ یا تمہارا جو محبت کا نظریہ ہے وہ درست ہے؟ اگر درست ہے تو شادی سے کیوں بچ رہی ہو؟ ایسے ہی بے شمار سوال ذہن میں آتے چلے گئے۔ جن کا جواب میرے پاس نہیں تھا۔" اس نے دھیرے دھیرے کہا اور اس کے چہرے پر دیکھنے لگا

"تو کیا تم مجھ سے کچھ پوچھنا چاہتے ہو؟" اس نے پوچھا

"نہیں، ابھی تمہیں کچھ بتانا چاہتا ہوں۔ کیونکہ میری سوچ کا رُخ ہی مڑ گیا۔"

"کیسے......" آیت نے پوچھا، تب وہ چند لمحوں تک خاموش رہا جیسے سوچ رہا ہو، پھر بولا

"یہاں تک سوچتے ہوئے میرے سامنے ایک مزید دوراہا آ گیا؟ میں نے سوچا، کیا میں اپنے ہی محبت کے نظریہ پر قائم رہوں یا

پھر تمہارے بتائے ہوئے نظریہ محبت پر تجربہ کر کے دیکھ لوں؟ میں اس بات پر سوچتا رہا یہاں تک کہ ایک دن مجھے یہ خیال آ گیا کہ میں جس نظریہ محبت پر تجربے کرنا چاہتا ہوں، پہلے مجھے یہ تعین کر لینا چاہئے، کیا مجھے کسی سے محبت ہے بھی؟ کیا مجھے شارلین سے محبت تھی؟ کیا مجھے آیت سے محبت ہو گئی ہے؟ کیا دونوں سے محبت ایک جیسی ہی ہے؟ اگر مجھے شارلین سے محبت نہیں تھی تو پھر میں شارلین سے محبت کا دعویدار کیسے ہوں؟ شارلین کا تو اس میں کوئی قصور نہیں، اس کا فیصلہ درست ہے۔ جسے محبت ہی نہیں، اس کو چھوڑ دینا ہی بہتر۔ اور اگر میں ویسی ہی محبت آیت سے کرتا ہوں تو کل اس کا انجام بھی شارلین کے جیسا ہو گا، اس کا مطلب ہے میں خود ہی کہیں غلط ہوں۔ مجھے خود اپنا آپ ٹٹولنا چاہئے؟ تم نے جو راہ دکھائی تھی کہ شارلین سے بے رنگ ہو کر محبت کرو، تو کیا میرے اندر کہیں انا موجود ہے جو مجھے بے رنگ نہیں ہونے دیتی؟''

''تو پھر کیا پایا تم نے؟'' آیت نے بہت کچھ سمجھتے ہوئے سکون سے پوچھا

''یہی کہ میں ایک بار پوری طرح سب کچھ بھلا کر شارلین سے رابطہ کروں، اپنی آخری حد تک کوشش کروں۔ جو بھی نتیجہ ہو۔ اس فیصلے کا پہلا اثر یہ ہو کہ میں نے جب اپنے آپ کو ٹٹولا، اپنے من میں جھانکا، اپنے ماضی میں دیکھا، بہت سارے چھوٹے چھوٹے واقعات فضول لگے، جنہیں میں نے زندگی کے لئے بہت اہم سمجھا ہوا تھا۔ یہ پچھلے تین چار دن اسی سوچ میں گزرے ہیں۔ مجھے احساس ہوا، بہت سارے ایسے معاملات ہیں، جس میں خود میری اپنی غلطی تھی۔''

''بہت اچھی بات کہ تم نے اپنے من میں جھانکا، خود اپنی غلطیوں کا ادراک کیا؟ لیکن ایک بات ہے، مجھے اب تک یہ سمجھ میں نہیں آ سکا کہ تم مجھے بتانا کیا چاہتے ہو، مجھ سے کیا پوچھنا......'' اس نے کہنا چاہا مگر شکیل نے اس کی بات قطع کرتے ہوئے تیزی سے کہا

''کچھ نہیں، کچھ بھی تو نہیں، میں نہ بتانا چاہتا نہ کچھ کہنا چاہتا ہوں، نہ پوچھنا، بس......'' وہ کہتے کہتے رُک گیا، جیسے وہ بہت حد تک اُلجھا ہوا ہو۔ اس پر آیت نے پوچھا

''اچھا تو پھر شارلین سے رابطے کا کیا ارادہ ہے؟''

''میں نے کل شام شارلین سے بات کی تھی۔'' اس نے سکون سے کہا

''تو پھر۔! کیا کہا اس نے؟'' آیت نے انتہائی سنجیدگی سے پوچھا

''وہ پہلے والے سارے قصور اپنی جگہ پر تو ہیں ہی، نئے بہت زیادہ غلطیاں، قصور اور کوتاہیاں مجھ پر لاد دیئے اس نے۔ میں وہاں سے کیوں بھاگ کر آ گیا؟ دوستوں کو اپنے اور میرے بارے باتیں کرنے والوں کی کیا ضرورت تھی؟ دوبارہ رابطہ کر کے میں وقت ضائع کر رہا ہوں۔ ایسا ہی سب کچھ جو وہ کہہ سکتی ہے۔'' اس نے انتہائی دکھ سے کہا

''ٹھیک طرح سے بات نہیں کی؟'' اس نے پوچھا

''اس کا لہجہ، بات کرنے کا انداز ہتک آمیز تھا۔'' شکیل نے شرمندہ سے لہجے میں بتایا

''ہوں، مطلب نہیں مانی۔'' آیت نے حتمی سے لہجے میں پوچھا

''نہیں، مجھے اندازہ ہے، اتنا وقت گزر گیا، اب تک اس کے خیالات میں بہت زیادہ تبدیلی آگئی ہوگی، میں......'' اس نے کہنا چاہا تو آیت سکون سے بولی

''تم کہتے ہو کہ میں نے بے رنگ ہو کر اس سے بات کی، جبکہ ابھی کئی رنگ تمہارے اندر کنڈلی مار کر بیٹھے ہوئے ہیں۔''

''میں سمجھا نہیں، میں تو...... کیسے رنگ؟'' اس نے الجھتے ہوئے پوچھا

''بدگمانی، ابھی تم اس کے بارے میں بدگمانی کر رہے ہو۔ یہ بے رنگی یونہی نہیں مل جاتی ہے شکیل، میں نے کہا تھا، تمہارے لئے مشکل ضرور ہے ناممکن نہیں۔ کوشش جاری رکھو'' اس نے کہا تو شکیل نے اس کی طرف یوں دیکھا جیسے وہ اس کی بات کو سمجھتے ہوئے بھی نہ سمجھنا چاہتا ہو۔ وہ کچھ دیر یونہی سر جھکائے بیٹھا رہا، پھر اٹھ کر چل دیا۔ جیسے اسے آیت کی بات بالکل بھی اچھی نہ لگی ہو۔ آیت نے بھی اسے نہیں روکا۔ اسے جاتا ہوا دیکھتی رہی۔ یہاں تک کہ وہ گیٹ پار کر گیا۔

آیت النساء شام ہونے تک کبھی شکیل کی باتوں میں اُلجھ جاتی اور کبھی اس کا رویہ اسے سمجھ میں نہ آتا۔ وہ یہ تو بہر حال سمجھ رہی تھی کہ شکیل کس طرح کے دور سے گزر رہا ہے۔ وہ اُس کے بارے میں سوچ کر مطمئن ہو جاتی۔ پھر جیسے ہی اسے سرمد کا خیال آتا، اسے بے چینی ہونے لگتی۔ اسی کشمکش میں شام اُتر آئی۔ یہاں تک کہ رات کا اندھیرا ہر طرف پھیل گیا۔

وہ ڈنر کے بعد ٹی وی لاؤنج میں آکر بیٹھ گئی۔ اسے لگ رہا تھا کہ ابھی کچھ دیر میں سرمد کو لے کر طاہر آجائے گا۔ دادا جی بھی وہیں آگئے۔ ٹی وی دیکھتے ہوئے وہ کافی دیر باتیں کرتے رہے۔ پھر دادا جی تو اٹھ گئے لیکن وہ وہیں بیٹھی رہی۔ اس کی نگاہیں سامنے ٹی وی اسکرین پر تھیں اور ذہن سرمد کی طرف۔ اسے ہر آواز پر گمان ہوتا کہ جیسے سرمد آگیا۔ فون اٹھاتی کہ پوچھ لے ابھی تک کیوں نہیں آیا۔ لیکن پوچھنے کی ہمت نہ کر سکی۔ اس کے انتظار کے ساتھ وقت بھی بڑھتا رہا، یہاں تک کہ رات کا دوسرا پہر بھی ختم ہو گیا۔ اسے یقین ہو گیا کہ اب سرمد سو گیا ہوگا۔ وہ اٹھی اور اپنے بیڈ روم میں چلی گئی۔ اس کے دل میں ہوک اٹھ رہی تھی، سرمد ماں کے بنا کیسے سویا ہوگا؟ کیا اس نے سونے سے پہلے ضد کی ہوگی کہ میں نے بڑی ماما کے پاس جانا ہے یا نہیں؟

❁......❁......❁

سرمد یونیفارم پہنے آئینے کے سامنے کھڑا بال سنوار رہا تھا۔ اس کے پاس طاہر کوٹ پکڑے کھڑا اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ جیسے ہی سرمد بال بنا چکا، طاہر نے کوٹ آگے بڑھایا تو اس نے پہن لیا۔ طاہر نے ایک ناقدانہ نگاہ سرمد پر ڈالتے ہوئے کہا

''چلیں شاباش، ناشتہ کریں۔''

''جی پاپا'' اس نے سعادت مندی سے سر ہلایا اور باہر کی جانب چل پڑا۔ طاہر اس کے پیچھے تھا۔ جیسے ہی وہ ڈائنگ ہال میں آ

ئے، ان کی نگاہ لاؤنج میں بیٹھی ہوئی بلقیس بیگم پر پڑی۔ وہ بڑے کروفر سے ایک صوفے پر بیٹھی ان دونوں کو دیکھ رہی تھی۔ طاہر کی جیسے ہی نگاہ بلقیس بیگم پر پڑی، وہ اس جانب مڑ گیا۔ اس کے ساتھ ہی سرمد بھی طاہر کے پیچھے لپکا۔

''السلام علیکم ماں جی۔'' طاہر نے دھیمے لہجے میں کہا۔

''وعلیکم السلام۔'' بلقیس بیگم نے اس کے چہرے پر دیکھتے ہوئے جواب دیا تو سرمد نے بھی سلام کر دیا۔ بلقیس بیگم نے سرمد کی آواز سنتے ہی اس کی جانب گھور کر دیکھا، جیسے اس کا سلام کرنا اسے بہت برا لگا ہو، لمحہ بھر رُک کر اس نے سلام کا جواب دیئے بنا کہا،'' میں نے تمہارے ملازموں سے سنا، تم اس لڑکے کی کنگھی پٹی کر رہے تھے عورتوں کی طرح؟''

بلقیس بیگم کی آواز اور لہجے میں حد درجہ طنز اور نفرت گھلی ہوئی تھی۔ طاہر نے سنا مگر اپنی ماں کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے بولا

''اماں آئیں، ناشتہ کریں۔''

''نہیں، میں ناشتہ کر کے آئی ہوں۔ مجھے تم سے بات کرنی ہے۔''

''جی حکم۔'' وہ کھڑے کھڑے متوجہ ہو گیا تو بلقیس بیگم نے سرمد کی طرف آنکھ کا اشارہ کرتے ہوئے کہا

''اسے بھیجو پہلے، پھر بات کرتی ہوں۔''

''آپ کو کچھ دیر انتظار کرنا پڑے گا۔ ابھی ہم نے ناشتہ کرنا ہے، پھر میں نے سرمد کو اسکول چھوڑنا ہے، اس کے بعد آ کر میں آپ کی بات سنتا ہوں۔''

طاہر نے کہا تو بلقیس بیگم کو جیسے آگ لگ گئی۔ وہ نفرت بھرے لہجے میں بولی

''اب ماں سے زیادہ تمہیں یہ بچہ عزیز ہو گیا ہے، جس کا پتہ نہیں کہ وہ کس کی اولاد ہے۔''

''اماں جی بس، آپ مزید کچھ نہیں کہیں گی، میں آتا ہوں۔'' اس نے سرمد کا بازو پکڑا اور واپس مڑنے لگا، تبھی بلقیس بیگم اٹھتے ہوئے بولی۔

''میں تو کچھ اور ہی سمجھ کر یہاں آئی تھی کہ تمہیں کوئی عقل آ گئی ہو گی۔ لیکن لگتا ہے میرا بیٹا مجھے واپس نہیں ملے گا۔''

''آپ اس بچے کی ماں لوٹا دیں، آپ کا بیٹا آپ کو مل جائے گا۔''

طاہر نے نرم لہجے میں بڑی بات کہہ دی تو بلقیس بیگم اس کی جانب ہونقوں کی طرح دیکھنے لگی۔

''اب تک تو تمہارا باپ ہی تمہارے خلاف تھا، کیا تم اپنی ماں کو بھی اپنا مخالف دیکھنا چاہتے ہو؟''

''مگر میں ان باتوں پر یقین نہیں رکھتا۔'' اس نے نرم لہجے میں جواب دیا

''کیا تم نہیں سمجھتے کہ تمہاری اس ہٹ دھرمی پر، نافرمانی پر تمہارا باپ تمہیں عاق بھی کر سکتا ہے۔ یہ جو تم ایم این اے بنے پھرتے

ہو، تمہارے باپ کی وجہ سے، ایک کوڑی کی عزت نہیں رہے گی تمہاری۔ عزت خاندان سے ہوتی ہے، ان ایرے غیروں سے نہیں، جن کے بارے میں کچھ پتہ ہی نہ ہو۔'' بلقیس بیگم نے غصے میں تھرتھراتے ہوئے کہا

''اماں جی، آپ نے جو بات بھی کرنی ہے، ہم سکون سے کرلیں گے، ابھی سرمد کو سکول سے دیر ہو رہی ہے، میں واپس آتا ہوں اسے چھوڑ کر۔''

''مطلب میں نے جواب تک تمہیں کہا، اس کا تم پر کوئی اثر نہیں؟'' بلقیس بیگم نے زچ ہوتے ہوئے غصے میں کہا تو کافی دور کھڑے ملازم کو طاہر نے پاس آنے کا اشارہ کیا۔ وہ تیزی سے آیا تو سرمد کی طرف اشارہ کر کے کہا

''اسے ناشتہ کراؤ، میں آتا ہوں ابھی۔''

وہ سرمد کو لے کر چلا گیا۔ طاہر نے اپنی اماں کی طرف دیکھا اور دھیمے لہجے میں کہا

''اماں جی، میں اس بچے کے سامنے ایسی باتیں نہیں کرنا چاہتا، جس کا اثر اس پر ہو۔''

''اس بچے کا خیال ہے، ماں کا نہیں؟'' وہ تنک کر بولیں

''خیال ہی تو ہے جو ایسا کر رہا ہوں، ورنہ اسے بھی پتہ چل جاتا کہ آپ اور میرے بابا، اُس بچے کی ماں کے قاتل ہیں۔'' طاہر نے خود پر قابو رکھتے ہوئے دبے لہجے میں کہا۔ اس پر بلقیس بیگم نے کہا

''جو بھی ہماری راہ میں آئے گا، وہ......''

''اماں جی ایسا نہیں کہتے، یہ تکبر ہے، جو میرے رَبّ کو پسند نہیں۔'' طاہر کے یوں کہنے پر وہ خاموش رہی، تب وہ کہتا چلا گیا، ''اگر میں بابا کی وجہ سے ایم این اے بنا ہوں تو میں آج ہی استعفیٰ دے دیتا ہوں۔ اگر وہ مجھے ایم این اے بنا سکتے ہیں تو وہ اپنا ایم پی اے نہیں بنا پائے۔ اور عزت، دنیا کی چند روزہ جاہ وحشمت سے نہیں ہوتی، رَبّ تعالیٰ سے، اس کی مخلوق سے جڑنے کے ساتھ ہوتی ہے۔ کسی کو مار دینے سے نہیں، زندگی دینے سے عزت بنتی ہے۔ بے شک زندگی اور موت دینے والا میرا رَبّ ہے لیکن ہمیں کسی بھی امتحان سے ڈرتے رہنا چاہئے۔ میرے رَبّ کے ہاں کسی کی کیا عزت ہے، اس پر سوچنا چاہئے۔''

''تمہارا دماغ خراب ہو چکا ہے۔ تمہیں اپنے ماں باپ کی کوئی پرواہ ہی نہیں۔'' بلقیس بیگم نے کہا

''پرواہ ہے اماں، یہ جس سے آپ نے ماں چھین لی ہے، اس کی کیا قصور، وہ کفارہ اب مجھے ادا کرنا ہے، کر سکتے ہیں آپ؟'' طاہر نے جذباتی ہوتے ہوئے کہا

''بولو، کیا دیں اس بچے کو، اسے دوا اور دُور کر اسے اپنی زندگی سے۔'' بلقیس بیگم نے غرور سے کہا

''میری زندگی دے دیں۔'' طاہر نے سکون سے کہا

''یہ کیا بات ہوئی؟'' وہ ایک دم سے غصے میں بولیں

''اس کے سوا چارہ نہیں ہے۔'' اس نے مودب لہجے میں کہا

''نہ تم سمجھ سکتے ہو نہ سنور سکتے ہو۔ کیا اب ہم تمہیں بھول جائیں۔'' انہوں نے پوچھا۔ اس سے پہلے کہ وہ جواب دیتا، ڈائننگ ہال سے سرمد کی آواز آئی

''پاپا۔ آجائیں، دیر ہو رہی ہے۔''

''جی آیا۔'' یہ کہہ کر اس نے اپنی ماں کی طرف دیکھا، پھر لمحہ بھر بعد بولا ''آپ ٹھہریں، میں اسے چھوڑ کر آتا ہوں۔''

''مجھے اب تمہارے ہاں نہیں رُکنا۔'' یہ کہہ کر وہ اٹھی اور ایک بھرپور نگاہ طاہر کے چہرے پر ڈالی پھر تیزی سے چلتی ہوئی باہر چلی گئی۔ طاہر کھڑکی سے دیکھتا رہا۔ وہ کار میں بیٹھیں اور چلی گئیں۔ اس نے ایک طویل سانس لی اور سرمد کی جانب بڑھ گیا جو اس کے انتظار میں ابھی تک بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے ناشتہ شروع ہی نہیں کیا تھا۔ طاہر اس کے پاس گیا تو اس نے کھانے کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

❀.......❀.......❀

اس دن سید ذیشان رسول صاحب اپنے کمرے میں تشریف فرما تھے اور بڑے خوشگوار موڈ میں تھے۔ طاہر اور وہ نوجوان ہی سامنے صوفے پر بیٹھے ہوئے تھے۔ اکثر ہی ایسا ہوتا کہ وہ دونوں وہاں موجود ہوتے تھے۔ دونوں ہی اب یہ سمجھ چکے تھے کہ ان کی منزل یا سطح ایک جیسی ہے، اسی لئے دونوں کو ایک ہی وقت ملتا ہے، ورنہ یہاں تو اجازت لینے کو بڑی دنیا پڑی ہے۔ انہیں ان کی منزل کے مطابق وقت ملتا ہے۔ کچھ دیر تک حالات حاضرہ پر، ان کی خیر خیریت دریافت کرنے کے بعد نوجوان نے سوال کیا

''حضور یہ انسان کا کائنات سے تعلق کیسے بنتا ہے؟''

اس پر شاہ صاحب چند لمحے خاموش رہے پھر کہتے چلے گئے۔

''زمین کا جتنا بھی نظام ہے، زمین جس نظام کے ساتھ منسلک ہے، سورج اور چاند کے ساتھ جو سولر سسٹم ہے، یہ سب محوری نظام ہے۔ اس میں دایاں یا بایاں نہیں ہے۔ جب دایاں یا بایاں کی بات ہوتی ہے تو اس کا مطلب ہے کہ اسی دائرے کے اندر ہی میں رہتے ہوئے، دائیں یا بائیں کی بات ہو رہی ہے۔ زمین کے اس محوری نظام میں زمین مرکز بنتی ہے۔ آپ کہیں گے کہ سورج مرکز ہے اور باقی سب اس کے گرد گھوم رہا ہے۔ آپ ٹھیک کہتے ہیں۔ لیکن یہ بھی ایک مرکز ہے کہ سورج کی روشنی بھی اسی زمین پر پڑتی ہے اور چاند کی بھی۔ ان کی روشنی سے زمین ایک توانائی کا ذریعہ بن جاتی ہے۔ چاند اور سورج اپنی روشنی سے فائدہ اٹھائیں یا نہ اٹھائیں لیکن زمین کی قوت بن جاتی ہے۔ زمین میں یہ صلاحیت ہے کہ وہ اس توانائی کو ڈی کوڈ کرتی ہے، تبدیل کرتی ہے۔ اب اس میں کیا راز ہے؟ راز یہ ہے کہ زمین اپنی مرکزی حیثیت قائم رکھے ہوئے ہے۔ دائروی نظام میں یہ ہمیشہ اپنی جگہ پر رہتی ہے، یہ اپنے مرکز سے باہر نہیں جاتی۔ اسی

لئے توانائی کا ذریعہ بھی ہے۔ جب انسان اسی طریقہ سے، زمین کی مانند اپنے آپ کو نظام قدرت کے ساتھ ایڈجسٹ کرتا ہے، تو وہ بھی توانائی کے ساتھ منسلک ہو جاتا ہے۔ سورج اور چاند کے انرجی زون میں زمین کی طرح۔ اسی طرح انسان قدرت کے ساتھ رہ کر ہی توانائی کا ذریعہ بنتا ہے۔"

"حضور اگر اسے مزید آسانی سے سمجھنا ہو تو......" نوجوان نے کہا تو شاہ صاحب نے مسکرا کر فرمایا

"اسے اگر مزید آسان ترین مثال سے بیان کروں تو یوں ہوگا کہ گھر میں باپ ہے، ماں ہے اور بچے ہیں۔ باپ اپنے گھر کے لئے سارے وسائل جمع کرتا ہے۔ ساری ذمہ داری اس پر ہے۔ لیکن عام طور پر مشاہدہ یہ ہے کہ جب بھی کوئی معاملہ ہوگا سارے بچے اپنی ماں کے ساتھ کھڑے ہوتے ہیں۔ ایسا کیوں؟ کیونکہ ماں کو خاندان میں، گھر میں ایک مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ جہاں بھی ماں نے فیصلہ لیا بچے اس کے ساتھ ہوتے ہیں۔ مرکزیت ہی در اصل قوت ہے۔ اب یہاں میں اصل بات کہہ دوں کہ درود پاک، جو ربّ تعالیٰ بھی اپنے نبی ﷺ پر پڑھتے ہیں اور اُمت بھی۔ یہ عبادت کا درجہ اور اعلیٰ ترین درجہ نبی رحمت ﷺ کی مرکزی حیثیت ہونے کی وجہ سے ہے۔ اسی تناظر میں یہ بات سمجھ لیں۔"

"بے شک ایسا ہی ہے، اور اس میں عشق کو درجہ کہاں پر ہے؟" نوجوان نے پوچھا

"مرکزی درجہ ہے۔ اب جو کوئی عشق کے دائرے میں ہے تو اسی دائرے میں رہ کر ہی سارے معاملات ہوں گے۔ چاہے جتنے مرضی دائیں بائیں بنالیں، مثبت منفی، یا جو بھی۔ دائرے سے باہر نہیں۔ اگر کوئی عشق کے دائرے سے نکل کر کچھ کرنا چاہتا ہے تو اس کا عشق خام ہے۔"

"یہ دائروی نظام انسان کو پابند کرتا ہے؟" اس نے پوچھا تو شاہ صاحب نے سنجیدگی سے کہا

"یہ دائروی نظام در اصل آزادی کا نام ہے۔ دائرہ اسے غلام یا پابند نہیں بناتا بلکہ اسے مزید آزادی بخشتا ہے۔ یہ آزاد ہو کر ہی سب چیزوں کو حاصل کرتا ہے۔ دائرے کے اندر رہ کر ہی حاصل کیا جانا ممکن ہے، باہر رہ کر نہیں۔ سورج چمک رہا ہے۔ سورج کی کرنیں زمین پر پڑ رہی ہیں۔ اس کی کرنوں کا اثر زمین پر ہوگا۔ اسی طرح بے رنگی کی طاقت دوسرے انسان پر ہوتی ہے۔ یہی تعلق پوری کائنات سے جوڑتا ہے۔"

"کائنات سے جڑ کر یا دائروی عمل میں مرکزی حیثیت اختیار کرنے کے بعد انسان کا عمل کیسے ترتیب پاتا ہے، مطلب اسے کیا کرنا ہوگا؟" نوجوان نے پوچھا تو شاہ نے سنجیدگی سے کہا

"انسان کو اپنی ذات میں توازن لانا ہوگا۔ بنیادی طور پر انسان میں توازن ہوتا ہے۔ لیکن معاشرہ اس میں عدم توازن کا باعث بنتا ہے۔ جہاں سے اس کے معاملات بھی عدم توازن کا شکار ہو جاتے ہیں۔"

''شاہ صاحب۔! یہ توازن کس طرح اور کیسے ہوگا؟''نوجوان نے تیزی سے پوچھا تو شاہ صاحب نے طاہر کی طرف دیکھ کر فرمایا

''انسان کی چاہت اور ارادہ اگر برابر آجاتے ہیں تو اس کا مطلب ہے وہ چاہت اور ارادہ کامیاب ہو جاتے ہیں۔ اگر چاہت اور ارادہ ایک دوسرے کی نفی کر رہے ہیں تو وہ فیصلہ کبھی بھی کامیاب نہیں ہوتا۔ جس طرح چاہت اور ارادہ دونوں ہم آہنگ ہو کر کامیاب ہو جاتے ہیں بالکل اسی طرح ظاہر اور باطن کو ہم آہنگ کر لینے سے کامیابی حاصل ہو جاتی ہے۔ چاہت اور ارادے کی ہم آہنگی میں ایک حیرت انگیز بات یہ ہے کہ اس میں عقل کو اہمیت نہیں دی گئی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عشق ہمیشہ سے بالاتر رہا ہے۔ دوسرا انسان کی چاہت میں بہت ساری چیزیں ایسی ہیں جو اس کی سمجھ میں نہیں آتیں۔ یہی وہ جگہیں ہیں، یہی وہ خلا ہیں، جہاں سے شیطان یا نفس، انسان کو اسکے ظاہری مفاد دکھا کر اُسے پھنسا دیتا ہے۔ اور انسان اپنے دل کی آواز سننے سے قاصر ہو جاتا ہے۔ اب اس میں ہوتا کیا ہے، جب کچھ وقت گزر جانے کے بعد وہ اسی حالت میں آگے تک کا سفر کرتا ہے تو اسے اندازہ ہوتا ہے کہ میں غلطی کر بیٹھا ہوں۔ یہاں مجھے عقل نے پھنسا دیا۔ چاہت اور ارادہ ہو تو عقل کو پیچھے رکھیں، تبھی بندہ کامیاب ہوتا ہے۔ اگر آگے لے آئے گا تو ناکام ہوگا۔''

''وہ شے جو اس توازن کو توڑتی ہے وہ کیا ہے؟''نوجوان نے پوچھا تو شاہ صاحب نے فرمایا

''ہر وہ بندہ جو اپنی اَنا پر کھڑا ہے وہ ساتھ میں یہ ضرور ثابت کرتا ہے کہ وہ حق پر ہے۔ جیسے دو متحارب فریق ہیں، دونوں لڑ پڑتے ہیں۔ تو دونوں فریق ہی اپنے آپ کو حق پر ثابت کرتے ہیں۔ ہم عدالت میں چلے جائیں، وہاں ہر ایک یہی کہے گا کہ وہ حق پر ہے۔ دراصل حق پر کیا ہے؟ حق پر ہے اُن کی اَنا۔ اگر سبھی اپنی اَنا چھوڑ دیں تو سب کو ہی وہی شے مل جائے جو وہ چاہتے ہیں۔ حق کے پردے میں شیطان یا نفس بڑا بھرپور وار انسان کی اَنا پر کرتا ہے۔ انسان اَنا اور حق کی جنگ میں ساری زندگی لڑتا رہتا ہے اور وہ شے بھی حاصل نہیں کر پاتا۔ مطلب وہ حقیقی خوشی حاصل نہیں کر سکتا۔ ساری زندگی بے چین اور تکلیف میں رہتا ہے۔ حاصل کچھ نہیں ہوتا اور ساری زندگی گزار کر چلا جاتا ہے۔ اس پر عشق کا دروازہ ہی نہیں کھلتا۔ کیونکہ عشق اور اَنا دونوں متحارب ہیں۔ عشق میں لازمی پہلو یہ ہے کہ وہ انسان کی اَنا کو ختم کر دیتا ہے۔ انسان میں تبدیلی پیدا کر دیتا ہے پھر انسان جو چاہتا ہے اسے مل جاتا ہے۔ عشق ایک تبدیلی ہے۔ اگر اَنا ہے تو عشق نہیں، اگر عشق ہے تو اَنا نہیں۔ جیسے دن ہے تو رات نہیں۔ اَنا مرکزیت بناتی ہے نفس کے ساتھ اور عشق مرکزیت بناتا ہے کائنات کے ساتھ۔''

''اَنا انسان پر حاوی کیوں ہو جاتی ہے؟''نوجوان نے پوچھا تو شاہ صاحب بولے

''ہم دیکھتے ہیں بہت سارے لوگ اپنی اَنا کا شکار ہو کر بہت سارے سورس رکھنے کے باوجود اپنی زندگی کو انجوائے نہیں کر پاتے۔ کیونکہ وہ حقیقی خوشی کے سامنے خود ہی حائل ہوتے ہیں۔ وہ اپنے مستقبل کو سنوارتا رہتا ہے۔ اپنے سورس پر اکتفا کرنے کی بجائے دوسروں کے سورسز کو اپنا حق مانتے ہیں، خوشی کے درمیان ہمیشہ اَنا حائل رہتی ہے۔ عشق کی طاقت اس پر کھلتی ہی نہیں۔ عشق آزادی دیتا ہے لیکن اس کے سامنے مورچہ کس نے لگایا ہوا ہے؟ وہ اَنا ہے۔ کیونکہ وہ اسے حق کا درس پڑھاتی رہتی ہے۔ مثبت منفی کا درس، یوں اَنا اس پر

حاوی ہو جاتی ہے۔ یہ غلط اور درست کے چکر میں کائنات سے تعلق کو چھوڑ بیٹھتا ہے۔''

''اب اس سے اگلی ایک بات ہے کہ ایک اَنا کا فیز ہے ایک عشق کا فیز، آخر کوئی تو ایسا بٹن ہے جو ایک سے دوسرا فیز چل پڑتا ہے؟'' نوجوان نے سوچتے ہوئے سوال کیا۔ اس پر شاہ صاحب نے کہا

''دیکھیں، اہل عشق ہیں یا نہیں ہیں، جیسے کوئی زندہ ہے مر گیا۔ اسی طرح عشق ہے یا نہیں ہے۔'' یہ کہہ کر وہ لمحہ بھر کو خاموش ہوئے، پھر کہتے چلے گئے،'' جب انسان، قوت کے اُس منبع سے جڑتا ہے جس نے قوت کو تخلیق کیا اور جو کہہ رہا ہے کہ تم میرے ساتھ جڑو گے تو میں تمہیں مثال بنا دوں گا۔ وہ انسان جب ربّ تعالیٰ سے جڑتا ہے تو وہ زمین پر خود انحصاری کی مثال بن جاتا ہے۔ یہ ہے حقیقی آزادی۔ اسے بقا کہہ لیں، یا پھر بے رنگی کی اعلیٰ ترین منزل یا پھر تعین کا درجہ۔ مزے کی بات یہ ہے کہ یہ منبع انسان کے اندر ہی ہے، جسے بڑے منبع سے ملاتا ہے اور خود کو ایکٹیویٹ کر لیتا ہے۔ اب انرجی کو بنانا کیسے ہے؟ اس کا استعمال کیا ہے؟ یہ ایک الگ سے بحث ہے۔ ابھی تو ہم یہ بات کر رہے ہیں کہ فیز کیا ہے۔''

''سرکار یہ عشق کا فارمیٹ ہے کیا؟ عشق اور عشق کی سمجھ کیسے؟ عشق کا فارمیٹ بھی تو ہوگا؟'' نوجوان نے قدرے مسکراتے ہوئے پوچھا تو شاہ صاحب نے متبسم چہرے سے کہا

''عشق اور عشق کا فارمیٹ، عشق کا راز بے رنگی ہے۔''

''یہ سارا عمل کس طرح سے ہے؟'' نوجوان نے پوچھا تو شاہ صاحب نے کہا

''انسان نے جو ایجادات کی ہیں، وہ دریافت کے بعد ہوئیں۔ مطلب لوہا دریافت ہوا تو انسان نے کیا سے کیا بنا دیا۔ بجلی، پیٹرول کی دریافت کے بعد کاریں، کمپیوٹر، ہوائی جہاز بن گئے۔ یہ ساری دریافتیں یہیں اس زمین سے ہوئیں ہیں۔ اسی زمین سے تعلق رکھنے والی چیزوں سے مل کر نئی ایجادات ہو رہی ہیں۔ دوسرے لفظوں میں یہ سارے سورس زمین کے ہیں۔ اسی طرح انسان کے اندر سارے سورس عشق کے ہیں۔ اور اس انرجی کے جو ایک منبع انرجی سے مل جانے کے بعد۔ سورج کی کرنوں کی طرح رحمت کا نزول ہو رہا ہے انسان اس کو حاصل کرنے والا بنے اور پھر اسے استعمال کرے۔ صرف بے رنگ ہونا شرط ہے۔ جتنا بے رنگ ہوگا، اتنا ہی بے رنگی کے سورس سے جڑ جائے گا۔ یہی بے رنگی اسے یکتائی میں لے جائے گی۔ یوں انسان اور کائنات کو تعلق جڑ جائے گا۔ دوسرے لفظوں میں ربّ تعالیٰ اور بندے کا تعلق بن جاتا ہے۔''

یہ کہتے ہوئے شاہ صاحب نے دیوار پر لگے کلاک کی طرف دیکھا تبھی طاہر اور وہ نوجوان سمجھ گئے کہ اب انہیں جانا چاہئے تاکہ دوسرے بھی آسکیں۔ سو وہ اٹھے، انہوں نے مصافحہ کیا اور باہر کی جانب بڑھ گئے۔

اس دن بھی آیت النساء نے آفس پہنچتے ہی امبرین کو فون کیا۔ وہی روزانہ کی طرح سرمد کے بارے میں پوچھا۔ انہی باتوں کے دوران اس نے بتایا کہ کل بچوں کو چھٹی ہے۔ یہ سنتے ہی اس کا دل ہمک گیا کہ وہ سرمد کے ساتھ ایک دن گزارے۔ اس نے فون کال ختم کر کے پلان کرنا شروع کر دیا۔ وہ آج ہی آفس کے بعد فارم ہاؤس جائے گی اور سرمد کو اپنے ساتھ لے کر ہی گھر جائے گی یا پھر طاہر سے بات کر کے وہ خود ہی اسے سکول سے لے کر گھر چلے جائے گی۔ اس نے پتہ کیا کہ طاہر آفس آ گیا ہے یا نہیں؟ وہ ابھی تک آفس نہیں پہنچا تھا، سو وہ اپنے معمول کے کاموں میں لگ گئی۔ تقریباً دو گھنٹوں کے بعد اسے بتایا گیا کہ طاہر اپنے آفس میں آ چکا ہے۔ وہ اٹھی اور اس کے آفس میں چلی گئی۔

طاہر باجوہ سر جھکائے لیپ ٹاپ پر کچھ لکھ رہا تھا۔ آہٹ پا کر اس نے سر اٹھایا تو اس کی نگاہ آیت کے چہرے پر پڑی۔ اس ایک لمحے میں آیت نے محسوس کیا کہ طاہر کا چہرہ کھل اٹھا ہے۔ خوشی کا وہ تاثر جو کسی بھی تصنع اور بناوٹ سے پاک ہوتا ہے، اس کے چہرے پر روشن چراغوں کی مانند دمک پھیل گئی۔ جس طرح ہر عمل کا ایک ردعمل ہوتا ہے۔ اسی طرح آیت نے اس خلوص بھرے تاثر کا اثر بھی ویسا ہی لیا۔ اس کے من بھی ایک خوشگواریت پھیل گئی۔ طاہر نے لیپ ٹاپ کو ایک طرف کرتے ہوئے مسکرا کر کہا

''زہے نصیب، آپ نے بھی قدم رنجہ فرما کر ہمارے آفس کو رونق بخشی۔''

''جناب، اسے ہم طنز سمجھیں یا عزت افزائی؟'' اس نے بھی مزاحاً کہا اور مسکراتے ہوئے سامنے پڑے صوفے پر بیٹھ گئی۔

''وہ کہتے ہیں نا کہ دل کو دل سے راہ ہوتی ہے، اپنے دل سے پوچھ لیں۔'' طاہر نے اُس کے چہرے پر دیکھ کر مسکراتے ہوئے جواباً کہا

''بھئی خوب، لگتا ہے آج کل شاعری پڑھی جا رہی ہے یا ہو رہی ہے۔'' آیت نے خوشگوار لہجے میں پوچھا تو طاہر نے بڑے سکون سے جواب دیا

''وہ جو تمام فنونِ لطیفہ کا منبع ہے، ہم تو اس چہرے کو پڑھ رہے ہیں۔''

طاہر کے یوں کہنے پر آیت چند لمحے خاموش رہی پھر خود کو نارمل کرتے ہوئے بولی

''آج شام کیا کر رہے ہو؟''

''کچھ بھی نہیں، کوئی خاص بات؟'' طاہر نے جواب دیتے ہوئے پوچھا

''اگر آج تم اور سرمد میرے ہاں آ جاؤ۔ مجھے پتہ چلا ہے کل سرمد کو چھٹی ہے۔'' اس نے ملائمت سے یوں کہا جیسے وہ پوچھتے ہوئے جھجک رہی ہے۔

''ویسے میرا اور سرمد کا کوئی بھی پروگرام پلان نہیں ہے۔ باقی ہم آ جائیں گے۔'' اس نے سکون سے کہا تو آیت نے اجازت طلب لہجے میں پوچھا

''نہیں اگر تم بزی ہو تو میں اسے سکول سے لے لیتی ہوں، تم آفس سے ادھر ہی آ جانا؟''

''کوئی بات نہیں، ایسے بھی ٹھیک ہے۔ ہاں بس اسے وقت پر سکول سے لے لینا۔'' طاہر نے مسکراتے ہوئے کہا

''نہیں میں اسے لے لوں گی، بلکہ کچھ پہلے ہی چلے جاؤں گی، تھوڑی دیر امبرین سے گپ شپ ہی سہی۔'' اس نے اپنا پروگرام بتا دیا

''او کے۔'' طاہر نے حتمی انداز میں کہا تو وہ اٹھ گئی۔

''ارے بیٹھو، چائے کافی کچھ تو، کچھ دیر تو بیٹھو۔'' طاہر نے تیزی سے کہا

''نہیں، میں کچھ کام سمیٹ لوں۔'' آیت نے کہا اور آفس سے نکلتی چلی گئی۔ طاہر اسے جاتے ہوئے دیکھ کر مسکرا دیا۔

اس وقت دوپہر ہونے والی تھی، جب آیت کا فون بج اٹھا۔ اس نے اسکرین پر دیکھا، دادا جی کا نمبر جگمگا رہا تھا۔ اس نے فون اٹھا کر کال رسیو کی تو وہ بولے

''تمہیں پتہ ہے شکیل صبح سے ہسپتال میں ہے؟''

''نہیں تو، کیا ہوا اسے؟'' آیت نے پریشانی سے پوچھا

''مجھے بھی ابھی کچھ دیر پہلے پتہ چلا ہے۔ بس بیٹھے بیٹھے بے ہوش ہو گیا۔ اسے فوراً ہسپتال لے جایا گیا۔ ابھی تک وہ وہیں ہے۔'' دادا جی نے ہسپتال کا نام بتاتے ہوئے کہا

''اچھا، تو وہ بے ہوش ہو گیا۔ خیر، آپ جا رہے ہیں اس کی طرف عیادت کے لئے؟'' آیت نے پوچھا تو دادا جی نے کہا

''بیٹا! میں اس وقت شہر سے باہر ہوں، اگر تم جا سکو تو ٹھیک ورنہ پھر میں آ کر چلا جاؤں گا۔''

''نہیں دادا و، میں چلی جاتی ہوں۔'' آیت نے کہا

''ہاں ضرور ابھی جاؤ، تمہارا جانا بنتا ہے، ابھی جاؤ۔'' دادا جی نے تیزی سے کہا اور فون بند کر دیا۔ آیت نے وہیں کام چھوڑا اور ہسپتال کے لئے چل دی۔ لفٹ میں داخل ہوتے ہی اس نے طاہر کو فون کر کے صورت حال کا بتایا۔

''ٹھیک ہے تم جاؤ۔ میں لے لوں گا سرمد کو۔'' طاہر نے سکون سے کہا تو اسے اطمینان ہو گیا۔ لیکن دل میں نجانے کیوں پریشانی پھیل گئی۔ پورچ میں کھڑی کار میں بیٹھنے سے لیکر ہسپتال پہنچ جانے تک، ایک خیال اسے بار بار آنے لگا تھا۔ میرے اور سرمد کے ملنے میں اتنی رکاوٹیں کیوں آ رہی ہیں؟

وہ ہسپتال کے اس کمرے میں جا پہنچی۔ دھیمی سی روشنی میں شکیل بیڈ پر پڑا تھا۔ اس کی آنکھیں بند تھیں۔ اس کے پاس اس کی امی بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ چہرے سے اتنی پریشان نہیں لگ رہی تھیں۔ اس سے آیت کو یہ سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ شکیل کسی بھی خطرے سے باہر ہے۔

آیت سلام کر کے ان کے پاس بیٹھ گئی، پھر دھیمے سے لہجے میں پوچھا

''آنٹی کیا ہوا؟''

''پتہ نہیں بیٹی، صبح بس بیٹھے بیٹھے یونہی بے ہوش ہوگیا۔ یہ تو اچھا ہوا کہ ہم پاس بیٹھے ہوئے تھے، اگر یہ کمرے میں ہوتا تو نجانے کب تک بے ہوش رہتا ہمیں پتہ ہی نہ چلتا۔ بس پھر یہاں لے آئے۔'' انہوں نے دکھ بھرے لہجے میں بتایا

''ڈاکٹر کیا بتاتے ہیں؟'' آیت نے دھیمی آواز سے پوچھا

''کچھ نہیں، بس انہوں نے ٹریٹمنٹ کیا اس کا اور کر رہے ہیں؟'' انہوں نے بتایا تو آیت نے تیزی سے پریشانی میں پوچھا

''کیا تب سے ہوش نہیں آیا اسے مطلب......''

''ایک بار ہوش آیا، پورے حواسوں میں آیا ہے، بات بھی کی ہم سے، اب دوا کے اثر سے سو رہا ہے۔'' آنٹی نے تفصیل بتائی تو وہ سکون سے بولی

''اوہ اچھا۔ خیر میں خود ڈاکٹر سے بات کر لیتی ہوں۔''

''ہاں بیٹا۔ تم پوچھ لینا۔'' انہوں نے اسی دکھ سے کہا اور پھر تفصیل بتانے لگیں کہ وہ شکیل کو یہاں کس طرح سے لے کر آئے۔ چھوٹا بھائی اپنے کام پر چلا گیا تھا، گھر میں نوکر تھا، اور ڈرائیور۔ وہی ساتھ میں انہیں بٹھا کر ہسپتال تک لے آئے۔ وہ ابھی یہی باتیں کر رہی تھیں کہ شکیل کا چھوٹا بھائی وہیں آ گیا۔ آنٹی اس بارے روداد سنا رہی تھیں کہ شکیل کی آنکھ کھل گئی۔ اس نے اپنے اردگرد دیکھا تو اس کی امی نے تیزی سے پوچھا

''کیسے ہو بیٹا؟''

''ٹھیک ہو امی، آپ پریشان نہ ہوں۔ میں ٹھیک ہوں۔'' اس نے خمار آلود آواز میں کہا

کچھ دیر یونہی گپ شپ کے بعد شکیل نے اپنے چھوٹے بھائی سے کہا

''جاؤ، امی کو گھر چھوڑ آؤ۔''

''میں ایسے کیسے چھوڑ کے چلی جاؤں بیٹا؟'' امی نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا

''امی، تب تک آیت میرے پاس بیٹھی ہے۔ آپ یہاں پریشان ہو رہی ہیں۔ عقیل آ جائے گا نا میرے پاس۔'' اس نے کہا تو امی نے چند لمحے سوچا پھر جانے کو اٹھ گئی۔ وہ دونوں چلے گئے تو آیت نے کہا

''میں ڈاکٹر سے پوچھ کر آتی ہوں، کیا ہوا ہے تمہیں۔''

''یہاں آ جائے گا تو پوچھ لینا، ویسے مجھے احساس ہے کہ میرے ساتھ کیا ہوا تھا۔'' اس نے الجھے ہوئے لہجے میں کہا

''اچھا، کیا ہوا تھا؟'' آیت نے غور سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا اس پر شکیل کچھ دیر خاموش رہا، پھر جیسے اس میں تھوڑی

قوت پیدا ہوئی، وہ تھوڑا سا اٹھا اور سرہانے کی جانب ٹیک لگاتے ہوئے بولا

''دیکھو، میں نے نفسیات کا علم حاصل کیا، تو مجھے انسان بارے، اپنے بارے اتنا تو پتہ ہے، کیا شے بندے پر کیسا اثر چھوڑتی ہے۔ جیسے کوئی ڈاکٹر یہ جانتا ہے کہ بیماری کیا ہے، اس کا علاج کیا ہے لیکن وہ خود بھی بیمار ہو جاتا ہے۔ سو۔! میں جب سے یہاں آیا ہوں، میں سمجھتا ہوں کہ میں ایسے ہی کسی ڈپریشن کے شدید جھٹکے کی جانب بڑھ رہا تھا۔ میں اندر سے خوش نہیں تھا۔ میں دھیرے دھیرے کسی بھربھری مٹی کی طرح جھڑتا چلا جا رہا تھا۔ اس دوران میں نے اپنے آپ کو سنبھالنے کی کوشش کی، خود پر قابو بھی پایا بھی لیکن نہ خود کو سنبھال پایا اور نہ ہی اپنے آپ پر قابو رکھ سکا۔ سب کچھ میرے بس سے باہر ہوتا چلا گیا اور آج یہاں ہوں۔''

''کیا میں پوچھ سکتی ہوں کہ تم نے خود کو سنبھالنے کے لئے کیا کچھ کیا؟'' آیت نے گہری سنجیدگی سے پوچھا تو وہ لمحہ بھر سوچنے کے بعد بولا

''بہت کچھ، سب سے پہلے میں نے خود کو یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ میں نے جو کیا ٹھیک کیا۔ میں اور شارلین الگ ہوئے، اس کے ساتھ میرا بیٹا گیا۔ میں یہاں آ گیا۔ میں نے خود کو یہ یقین دلایا کہ میں حق پر ہوں اور میرا یہ قدم بالکل ٹھیک ہے۔ اس کے بعد میں نے اپنی تنہائی دور کرنے کی کوشش کی۔ میں نے سوچا کہ نیا جیون ساتھی مل جانے سے میں سب کچھ بھول جاؤں گا۔ میں اسی جستجو میں تھا کہ تم مل گئی۔''

''اچھا، تو پھر......؟'' آیت نے بات بڑھائی

''آیت، میں اعتراف کرتا ہوں کہ مجھے تم سے محبت نہیں ہو سکی، وہ محبت جس کے بارے میں تمہارا اپنا نظریہ ہے۔ جس محبت کو میں ٹھیک سمجھتا تھا، اس میں ایک بار خطا کھا گیا، ویسی محبت...... بلکہ وہ محبت نہیں۔ وہ میں وہاں، یہاں جب چاہے کسی سے شادی کر لیتا۔'' اس نے الجھتے ہوئے کہا

''پھر تنہائی دور کی نہیں؟'' آیت نے پوچھا

''میں نے جیسے کہا کہ مجھے تم سے محبت نہ ہو سکی لیکن تم نے میرے لاشعور تک کو ہلا کر رکھ دیا۔ تم محبت نہیں لیکن ایک محور ضرور بن گئی ہو۔ جس کے گرد میں اپنی زندگی کو سوچ سکتا ہوں۔ تمہارا یہ محبت والا نظریہ جو باطن کے ساتھ جڑنے والا ہے، اس نے مجھے اٹریکٹ تو کیا لیکن میں اس میں اُتر نہیں سکا۔ جس نے میرے ساتھ یہ کیا کہ میں تیزی سے اپنے آپ پر قابو کھوتا چلا گیا۔ شاید آگہی بہت بڑی زحمت ہے، میں اگر کوئی عام انسان ہوتا تو شاید میں تمہاری بات نہ سمجھتا اور نہ یہ حالت ہوتی۔'' وہ یوں کہہ رہا تھا جیسے بے بس ہے۔ اس کا لہجہ خاصا دردمند تھا۔ اس پر آیت نے بڑے سکون سے کہا

''ایسا نہیں ہے شکیل، اگر اس دنیا میں مسائل پیدا ہوتے ہیں تو اس کے حل بھی یہیں ہیں۔ اگر کوئی حل نہ کرنا چاہئے تو الگ بات ہے۔''

''کیسے...... یہ کیسے ہوگا؟'' اس نے الجھتے ہوئے کہا

''تمہارا مسئلہ کوئی بہت بڑا نہیں ہے، تم اپنے مسئلے کے حل میں خود ہی رکاوٹ ہو۔'' اس نے مسکراتے ہوئے کہا تو شکیل نے اسکے چہرے پر دیکھتے ہوئے پوچھا

''وہ کیسے؟''

''دیکھو، میں بتاتی ہوں۔'' یہ کہہ کر وہ لمحہ بھر کو خاموش ہوئی پھر کہتی چلی گئی، ''زندگی ہر لمحہ مسرت کا نام ہے زندگی وہ شے ہے جس سے ہر لمحہ مسرت پھوٹتی ہے۔ زندگی یہی ہے کہ ہم ہر لمحہ جی کر دکھاتے ہیں۔ ہم اپنی خوشی اور مسرت کے ساتھ زندہ ہیں۔ اگر کوئی اپنے عشق کے ساتھ ہے تو تمام چیزیں اس عشق کے زیر اثر ہیں۔ اب ہم دیکھتے ہیں ایسے لوگ بظاہر جن کی زندگی بڑی صعوبت میں گذری لیکن انہوں نے جی کر دکھایا۔ ایسا جیئے کہ آج تک زندہ ہیں۔ اس کا آخر راز کیا ہے۔ وہ ہے ان کی باطنی محبت۔ اس میں طاقت اتنی ہے کہ وہ ظاہر پر چھا جاتا ہے۔ صبر کرنے کی قوت کہاں سے آتی ہے۔ اس کا باطن فراہم کرتا ہے۔''

''یہ باطن سے ملنا،..... تم کہہ تو رہی ہو، اس سے ہوگا کیا؟'' اس نے اکتاتے ہوئے کہا

''اس قوت کا حصول، جس میں زندگی ہے۔ دیکھو، اگر ظاہر اور باطن یکجا نہیں ہیں تو ان میں یکتائی نہیں آئے گی۔ دونوں ہی اک دوسرے کو قوت دینے والے ہیں۔ جب دونوں برابر ہو جائیں گے تو ایک نئی قوت پیدا ہوتی ہے۔ اور یہ سب کرنے والا عشق ہے۔ اب میں اس کی ایک مثال دیتی ہوں۔ ہمارے پاس بیج ہے اور زمین بھی ہے۔ ہم لاکھ یہ سمجھتے ہیں کہ بیج کو زمین میں بو دیں گے تو یہ پھوٹ پڑے گا۔ بیج سمجھ رہا ہے کہ وہ زمین کے اندر چلا جائے گا تو پھوٹ پڑے گا اور ایک درخت بن جائے گا۔ زمین یہ جانتی ہے کہ جیسے ہی بیج میرے اندر آئے گا، میں اسے اُگا دوں گی۔ یہاں تک محض تھیوری ہے، مفروضہ ہے سوچنے سمجھنے کی حد تک تو ہے لیکن تخلیق کے عمل کا جو کیف و سرور ہوتا ہے، وہ دونوں کے پاس نہیں ہے۔ جب وہ دونوں اس عمل سے گزریں گے تو ایک نئی قوت پیدا ہوتی ہے اور وہ ہے نیا شجر۔ نئی زندگی۔''

''میں باطن کو بھی سمجھ رہا ہوں اور ظاہر کو بھی، کیا مجھے یہی کرنا ہوگا، تو ہی میرا مسئلہ حل ہوگا؟'' اس نے کہا تو آیت بولی

''اپنے باطن کے ساتھ ہم آہنگ ہونے کی راہ میں جو رکاوٹیں ہیں، انہیں دور کر دو۔ باطن کے ساتھ مل کر تو دیکھو۔ عشق توانائی کا ذریعہ ہے۔ عشق میں آ کر نہ صرف خود کو قوت بنا لو، بلکہ اسی قوت کا ذریعہ بھی بن جاؤ۔ تم دولت کے محتاج مت بنو بلکہ دولت تمہاری محتاج بن جائے۔ عشق ایک طاقت ہے اور یہ طاقت کیسے ہے؟ انسان خود کو اس قوت میں خود کو بدل لیتا ہے جب وہ اس قوت میں بدل جاتا ہے تو پھر جو وہ سوچتا ہے، جو چاہتا ہے، جو ارادہ کرتا ہے اس کے مطابق ہو جاتا ہے۔ یہ ہے بنیادی بات۔''

''میں اپنے باطن سے جڑ جاؤں گا تو میرا اپنا آپ کہاں رہے گا، میں تو ختم ہو جاؤں گا۔'' اس نے یوں کہا جیسے کہیں اس کے اندر ضد بول رہی ہے۔ تب آیت نے مسکراتے ہوئے کہا

''باطن کی یکتائی ظاہر کی وحدت کو قائم رکھتی ہے۔ ظاہر کی وحدت، باطن کی یکتائی کو قائم رکھتی ہے۔ یہ ایک توازن ہے۔ اگر ان

میں سے کوئی شے باہر جائے گی تو تصادم برپا کرے گی۔ تشخص برقرار نہیں رہے گا۔ عشق اگر اپنی انفرادیت دکھاتا ہے تو ساتھ میں وہ شخص جو عشق پر کاربند ہے وہ اس کی انفرادیت کو قائم رکھتا ہے اور اپنی انفرادیت اس عشق سے دکھاتا ہے۔''

''میں نے مان لیا کہ تم سب درست کہہ رہی ہو، میں اسے سمجھ بھی رہا ہو تمہاری بیج اور زمین والی مثال کی طرح، لیکن سوال یہ میں اپنے باطن سے جڑ جاتا ہوں تو اس کا اثر شارلین پر کیا ہوگا؟ میں یہاں وہ وہاں؟'' اس نے بات سمجھ کر اس کے بارے میں مزید سوال کر دیا۔

''شکیل، میں یہ جو کچھ تمہیں کہہ رہی ہوں، یہ کوئی جُوا نہیں، رسک نہیں، نہ کوئی ٹریپ ہے اور نہ تمہیں برین واش کرنے کی کوئی کوشش۔ بلکہ میں جو کہہ رہی ہوں یہ ایک فطری تقاضا ہے۔ یہ حقیقت پرمبنی ہے۔ یہ عشق کی حقیقی فلاسفی ہے۔ تم بات کر رہے ہو افعال کی منفی مثبت، کھونا پانا، نفع نقصان، اسی میں الجھے ہوئے ہو۔ میں یہ کہتی ہوں کہ اس کائنات کے دائرے میں یہ منفی مثبت کہاں ہیں۔ انسان کا جب دوسرے انسان تعلق ہوگا۔ اسی تعلق کے دائرے میں مثبت منفی ہیں، گلے شکوے، ناراضگی، ہمدردی، محبت، یا جو بھی ہو وہ ممکن ہے۔ لیکن جہاں تعلق ہے ہی نہیں، تعلق کا کوئی دائرہ ہی نہیں وہاں کیا مثبت منفی؟ وہ سب بے اثر ہے۔''

''میں تو شارلین سے محبت کرتا ہوں۔ میں دائرہ بنا لیتا ہوں وہ کہاں؟'' شکیل نے کہا

''تم شارلین سے محبت کرتے ہی نہیں ہو۔ سنو۔! اس نے جو مانگا کیا تم نے وہ سب دے دیا؟''

''سب سے مراد؟'' اس نے پوچھا

''روپیہ پیسہ، وقت، رویہ، اس نے جو خواہش کی وہ سب پوری کیں؟'' آیت نے پوچھا

''نہیں، ایسا کچھ نہیں، میں یہ سب نہیں دے سکا۔'' اس نے اعتراف کرتے ہوئے کہا

''تو پھر کس دائرے کی بات کرتے ہو، تم اس کے دائرے ہی میں نہیں آئے، تمہارے عشق کا تشخص کہاں برقرار رہتا؟ تم نے دائرہ بنایا ہی نہیں جس میں اسے مرکزی حیثیت دیتے یا اپنی ذات کو مرکزی حیثیت دلوا سکتے؟ آج تم جس طرح یہاں ہسپتال میں پڑے ہو، ختم ہو جاتے ہو، تمہاری دولت، وقت اور سب کچھ کیا یہ حقیقی مسرت دے سکتا ہے۔ سچی خوشی انسان کی انسان سے جڑنے میں ہے، لیکن اس سے پہلے انسان کو خود سے جڑنا ہوگا۔ اپنے باطن سے، ظاہر اور باطن ایک کرنا ہوگا۔'' آیت نے اس کے چہرے پر دیکھتے ہوئے کہا تو وہ چونک گیا۔ پھر دھیرے سے بولا

''میں کیسے کر سکتا ہوں بولو، میں ابھی سب کچھ کرنے کو تیار ہوں۔''

''وہ ساری چیزیں جو تمہیں خود سے جڑنے نہیں دے رہیں۔ وہ سب ختم کر دو۔ پھر دیکھو، عمل کا ردعمل کیا ہوتا ہے۔ یہ ممکن ہی نہیں کہ انسان دائرے میں رہ کر کوئی عمل کرے اور اس کا ردعمل نہ ہو۔'' آیت نے کہا وہ سوچ میں پڑ گیا۔ ان کے درمیان یہ خاموشی طویل ہوگئی۔ آیت سمجھ رہی تھی کہ اندر ایک طوفان ہے۔ اَنا سے الگ ہونے میں بڑی تکلیف ہوتی ہے۔ وہ خاموش رہی۔ اسی دوران اس کے

کمرے میں ڈاکٹر آ گیا۔ شکیل کو ہوش میں دیکھ کر مسکراتے ہوئے بولا

''کیسے ہیں آپ؟''

''میں اب ٹھیک ہوں۔ اچھا محسوس کر رہا ہوں۔'' اس نے بھی مسکراتے ہوئے کہا

''ٹھیک ہے، میں دیکھ لیتا ہوں، پھر اگر آپ چاہیں تو گھر جا سکتے ہیں۔'' ڈاکٹر نے کہا اور اسے دیکھنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد ڈاکٹر نے کہا، ''میرے خیال میں اب آپ نارمل ہیں۔''

''اب میں گھر جا سکتا ہوں؟'' شکیل نے پوچھا

''ہاں، مگر کچھ دیر مزید رُک جائیں۔ ایک دو ٹیسٹ لے لوں پھر چلے جایئے گا۔'' ڈاکٹر نے کہا اور اس کے چارٹ پر لکھنے لگا۔ ڈاکٹر کے جانے کے بعد شکیل نے آیت سے کہا

''گھر فون کر دو، سب ٹھیک ہے، میں تمہارے ساتھ ہی گھر چلا جاؤں گا، اگر تم بزی......''

''نہیں، میں تمہیں لے جاؤں گی۔'' آیت نے تیزی سے کہا اور سیل فون اٹھا لیا۔

آیت النساء جس وقت شکیل کو گھر چھوڑ کر اپنے گھر آئی تو سورج ڈوبنے کو تھا، شام ہونے کو تھی۔ اس کے دل میں ایک کسک تھی۔ اسے آج سرمد سے ملنا تھا لیکن نہ مل سکی۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ فارم ہاؤس چلی جائے یا طاہر سے کہے کہ وہ سرمد کو چھوڑ جائے۔ گھر آنے تک وہ کوئی فیصلہ نہ کر پائی تھی۔ اس نے کار پورچ میں روکی اور داخلی دروازے کو پار کر کے لاؤنج میں آئی تو سامنے بیٹھے سرمد پر نگاہ پڑی۔ وہ کسی کھلونے سے کھیل رہا تھا۔ اسے دیکھتے ہی تیر کی مانند اس کی جانب بڑھا۔ آیت نے اسے گلے لگا کر پیار کرتے ہوئے پوچھا

''ارے آپ کب آ گئے؟''

''میں اور پاپا تو کافی دیر سے آ گئے تھے۔'' سرمد نے خوش ہوتے ہوئے بتایا تو آیت کی نگاہ دادا جی اور طاہر پر پڑی جو ایک طرف بیٹھے باتیں کر رہے تھے لیکن اب اس کی جانب متوجہ تھی۔ وہ سرمد کو اٹھائے ان کی طرف بڑھتے ہوئے بولی

''میرے دیر سے آنے کی وجہ سے بور تو نہیں ہوئے۔''

''نہیں، پاپا نے بتایا تھا کہ آپ کسی کی عیادت کرنے گئی ہیں اور عیادت کرنا ثواب کا کام ہے نا۔ پھر میں بور نہیں ہوا۔''

''اچھا، مطلب تمہارے پاپا تمہیں اچھی اچھی باتیں بھی سکھاتے ہیں۔'' آیت نے کہا۔ تب تک وہ ان کے پاس پہنچ چکی تھی۔ وہ سرمد کو گود میں بٹھاتے ہوئے خود ایک صوفے پر بیٹھ گئی۔ علیک سلیک کے بعد وہ شکیل کا احوال بتانے لگی۔ وہ بتا چکی تو دادا جی نے کہا

''یہ تو اچھا ہوا تم نے اسے گھر چھوڑ دیا۔''

تبھی طاہر نے اٹھتے ہوئے کہا

''میں چلتا ہوں۔ سرمد کو کل شام لے لوں گا۔''

''ارے کہاں، یہیں رہونا۔'' آیت نے تیزی سے کہا

''نہیں میں کچھ کام کرلوں گا۔'' اس نے کہا اور دادا جی سے ہاتھ ملا کر سرمد کی طرف دیکھ کر ہاتھ ہلاتے ہوئے وہ باہر کی جانب چل دیا۔ آیت اس کی طرف مسکراتے ہوئے دیکھتی رہی۔ وہ داخلی دروازہ پار گیا۔

''بڑی ماما۔! آج پھر دادا ابو کو لے کر فاسٹ فوڈ چلیں۔''

''نہ بھائی، مجھے معاف رکھو۔ اپنی ماما ہی کو لے جاؤ۔'' دادا جی نے مسکراتے ہوئے کہا

''نہیں آپ جائیں گے ہمارے ساتھ۔'' سرمد آیت کی گود سے نکل کر دادا جی کی گود میں چلا گیا۔

''نہیں، میں نہیں۔'' انہوں نے بچوں کی طرح سر ہلاتے ہوئے کہا

''دادو مان جائیں نا، سرمد کہہ رہا ہے۔'' آیت نے کہا

''اچھا، تیار ہو جاؤ۔'' دادا جی ہنستے ہوئے بولے تو اس پر وہ دونوں بھی ہنس دیئے۔

❁ ❁ ❁

طاہر باجوہ آفس میں بیٹھا اپنے کام میں مگن تھا۔ انہی لمحوں میں اس کا سیل فون بجا۔ وہ ساجد کی کال تھی۔ اس نے فون اٹھا کر کال رسیو کی اور سیٹ کی پشت سے ٹیک لگاتے ہوئے بولا

''ہاں ساجد بولو۔''

''وہ بات میں تمہیں بعد میں بتاتا ہوں لیکن پہلے میری ایک بات کا جواب دو۔'' ساجد نے کہا

''بولو، بلکہ پوچھو۔'' اس نے کہا

''رابعہ بھابی تو نہیں رہیں، لیکن اب تم نے شادی کرنی ہے، کوئی خیال ہے، کیا ارادہ ہے؟'' ساجد نے کچھ دبے دبے الفاظ میں پوچھا

''تم سیدھے سیدھے بولو، کہنا کیا چاہتے ہو؟'' اس نے کہا تو تیزی سے کہتا چلا گیا۔

''دیکھو، تمہارے بابا سکندر حیات صاحب روزانہ مجھے بلوا کر دھمکی دیتے ہیں کہ میں تمہیں شادی کے لئے تیار کروں۔ وہاں تمہارے پاس لاہور جاؤں، وہیں ڈیرے ڈال لوں اور تمہیں مناؤں، ورنہ......''

''ورنہ کیا......'' اس نے پوچھا

''تم جانتے ہو، تیرے بابا نے میرا جینا حرام کر دینا ہے۔ اگر ایک پرچہ دے دیا نا میرے خلاف تو پولیس مجھے جب جی چاہے تنگ کرتی رہے گی۔'' ساجد نے اکتاتے ہوئے کہا

''یار یہ کوئی بات نہیں، کیسی باتیں کر رہے ہو؟'' اس نے غصے میں کہا

''تم تو آتے نہیں ہو یہاں، لاہور تم نے چھوڑا نہیں، یہاں کے سارے معاملے تمہارے ابا حضور دیکھتے ہیں، پولیس ان کے آگے کیا ہے۔ اب ایم پی اے سے میں کچھ کہہ نہیں سکتا، اگر کہا تو تیرے بابا اسے بھی اپنے خلاف سازش قرار دے دیں گے۔ میری زندگی بھی عجیب گھن چکر بن گئی ہے یار۔'' اس نے آزردہ ہوتے ہوئے کہا تو طاہر اسے سمجھاتے ہوئے بولا

''کچھ نہیں ہوتا کہہ دو کہ میں تمہاری بات نہیں سنتا۔''

''اور سنو، میں نے اتنا کہہ دیا تو جو تھوڑا بہت تیرے بابا کے عتاب سے بچا ہوا ہوں، وہ بھی پردہ ہٹ جائے، خدا کے بندے وہ مجھے تمہارا دوست سمجھ کر ابھی کچھ نہیں کہتے۔'' اس نے غصے میں کہا تو اسے ہنسی آ گئی۔ اس نے خود پر قابو پاتے ہوئے کہا

''اچھا چل بول کیا کہتے ہیں؟''

''بتا تو دیا ہے۔ میں تمہیں شادی کے لئے تیار کروں۔'' اس نے کہا تو طاہر بولا

''اچھا ان کی بات مان کر ایک دو دن کے لئے آ جا یہاں، پھر میں تمہیں جواب دے دوں گا۔''

''بات اصل میں کچھ اور ہے۔ وہ تمہارے لئے لڑکی تلاش کر کے بیٹھے ہوئے ہیں۔ مجھے یہ ٹاسک دیا جا رہا ہے کہ تمہیں مناؤں۔ ورنہ ان سے جو ہو سکے گا پھر وہ کریں گے۔ دھمکی اصل میں یہی ہے۔'' ساجد نے اصل بات بتائی تو وہ پریشان ہو گیا۔

''ہاں، یہ بات پریشانی والی ہے، ظاہر ہے وہ مجھے تو کچھ نہیں کہیں گے، نقصان وہ سرمد ہی کا کریں گے۔ ایسا میں ہونے نہیں دوں گا۔'' اس نے جذباتی ہوتے ہوئے کہا

''وہ زیادہ وقت نہیں دینا چاہتے۔ کیونکہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اگر زیادہ وقت دیا گیا تو کہیں وہ لڑکی والے ہی نہ بھاگ جائیں یا پھر رابعہ والی بات کہیں نہ کھل جائے۔''

''یہ تو کریں گے۔ خیر، میں دیکھتا ہوں۔'' طاہر نے پریشانی میں کہا

''دیکھو، تم اپنے ماں باپ کو کچھ کہتے نہیں ہو، مجھے پریشان کر کے یہ بات انہوں نے تم تک پہنچا دی۔ ایک ہفتے سے میں ٹال رہا تھا کہ میری بات سن کر تم پریشان ہو جاؤ گے۔ وہ ٹلنے والے نہیں ہیں۔'' ساجد نے آزردہ لہجے میں کہا

''کچھ نہیں ہوتا، میں وہاں کے ڈی ایس پی کو تمہارے بارے میں فون کر دوں گا۔'' اس نے تسلی دی

''بات تو پھر وہی ہے، اس سے تمہارا بابا ہمیں مقابلے پر سمجھے گا۔ تم نے کچھ کہنا نہیں، میں غریب آدمی مارا جاؤں گا۔'' اس نے احتجاجاً کہا

''یار تھوڑا حوصلہ کر، میں تمہیں کچھ نہیں ہونے دوں گا۔ تم انہیں کہہ دو کہ مجھ تک ساری بات پہنچ گئی ہے اور چند دن تک میں ان کا

جواب دے دوں گا۔'' طاہر نے اسے حوصلہ دیتے ہوئے کہا

''ٹھیک ہے، میں آج ہی حویلی جا کر کہہ دیتا ہوں۔تم جانو اور تمہارا باپ۔''اس نے جان چھڑانے والے انداز میں کہا

''اور ہاں، دھیان رکھنا، کوئی ایسی ویسی بات ہو تو مجھے بتا دینا۔'' طاہر نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔

''بتا دوں گا، تم بھی سرمد کا اب بہت خیال رکھنا۔''اس نے جواباً اسے سمجھایا۔

پھر کچھ دیر ادھر اُدھر کی باتوں کے فون بند کر دیا۔ طاہر کی سوچوں میں طوفان آ گیا تھا۔ وہ یہ سوچ کر ہی لرز گیا تھا کہ سرمد کو کوئی نقصان پہنچانے کی سوچ رہا ہے۔ اس نے ایک بار تو یہ ظلم سہہ لیا تھا، کیا دوسری بار وہ برداشت نہیں کر سکتا تھا؟ اس سوال نے اسے ہلا کر رکھ دیا۔ اس سے بھی اہم سوال یہ تھا کہ کیا اس بارے وہ آیت سے بات کرے یا نہیں؟ ایک اور امتحان درپیش تھا۔

❀ ..... ❀ ..... ❀

اس دن آیت النساء ایک بزنس میٹنگ میں تھی۔ شہر کے بڑے بزنس مین اس میں شامل تھے۔ کسی حکومتی پالیسی پر بات چیت چل رہی تھی۔ وہ میٹنگ ابھی درمیان ہی میں تھی کہ خاموشی پر لگے ہوئے فون پر امبرین کے نمبر جگمگانے لگے۔ اس نے کال ڈراپ کر کے میسج کر دیا کہ میں میٹنگ میں ہوں۔ چند لمحے بعد ہی امبرین کا میسج آ گیا۔ اس نے دیکھا تو ایک دم سے حواس باختہ ہو گئی۔ کھیل کے میدان میں کھیلتے ہوئے سرمد کے چوٹ لگ گئی تھی۔ اس کی پٹی کر دی گئی تھی۔ ممکن ہے عام حالات میں امبرین اسے یہ بتاتی ہی نہ لیکن آیت نے اسے سختی سے کہا ہوا تھا کہ ذرا سی بھی کوئی بات ہو تو اسے فوراً مطلع کیا جائے۔ اگرچہ امبرین نے یہ بھی لکھ دیا تھا کہ خطرے والی کوئی بات نہیں لیکن پھر بھی آیت نے وہ میٹنگ چھوڑی اور جلدی میں عمارت سے باہر آ گئی۔ وہ کار میں بیٹھی اور سیدھی اس کے اسکول جا پہنچی۔

سرمد اس وقت امبرین ہی کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے سر پر پٹی بندھی ہوئی تھی۔ شرٹ پر خون کے دھبے تھے۔ کالر پر بھی خون کے نشان تھے۔ آیت ایک بار اسے دیکھ کر دھک سے رہ گئی۔ اس نے تیزی سے سرمد کے پاس بیٹھتے ہوئے پوچھا

''کیسے ہوا یہ سب؟ چوٹ زیادہ تو نہیں لگی؟''

''بڑی ماما! میں سب کے ساتھ فٹ بال کھیل رہا تھا، میں گول کرنے لگا تو سیدھا پول میں جا لگا۔ اب پٹی ہو گئی ہے میں ٹھیک ہوں۔'' سرمد نے کہا تو اس کی سانس میں سانس آیا

''میرے کہنے پر یقین نہیں آیا کیا؟'' امبرین نے ناراضگی بھرے لہجے میں پوچھا تو آیت نے ایک طویل سانس لی اور پھر کافی حد تک مطمئن انداز میں کہا

''آ تو گیا تھا لیکن خود کو نہ روک پائی۔''

''میں نے اسے دودھ بھی پلا دیا ہے اور بسکٹ بھی کھلا دیئے ہیں۔'' یہ کہہ کر اس نے سرمد کی طرف دیکھا اور اسے کہا، ''بتا دو اپنی

بڑی ماما کو۔“

اس پر وہ مسکرا دیا اور پھر بڑی معصومیت سے بولا

”اب میں جاؤں اپنی کلاس میں؟“

”ہاں جاؤ۔“ امبرین نے کہا تو وہ اٹھ کر جانے لگا تبھی آیت نے روک کر کہا

”نہیں جانا، میں تمہیں ہسپتال لے کر جاؤں گی، چلو میرے ساتھ۔“

”ٹھیک ہے بڑی ماما، میں بیگ لے لوں۔“

”لے لو۔“ اس نے کہا اور ساتھ ہی اٹھ گئی۔ تبھی امبرین بھی اس کے ساتھ اٹھتے ہوئے بولی

”آیت۔! ویسے مجھے تمہاری اس کے ساتھ محبت دیکھ کر رشک آتا ہے۔“

”تم کیا جانو بی بی، یہ میرے لئے کیا ہے۔“ آیت نے کہیں ڈوب کر کہا

”میں کبھی کبھی سوچتی ہوں، تمہارے بچے ہو گئے تو ان کے ساتھ کیا کرو گی؟“ امبرین نے ہنستے ہوئے کہا تو آیت مسکراتے ہوئے بولی

”وہ جب وقت آیا تو خود ہی دیکھ لینا، تم نے انہیں پڑھانا ہے۔“ اس پر امبرین قہقہہ ہی لگا سکی۔ تبھی آیت نے اس سے کہا، ”ایک پورا کمرہ ڈسپنسری کے لئے مختص کر دو، اور آن کال ڈاکٹر کا بھی بندوبست کرو۔“

”ٹھیک ہے۔“ امبرین نے کہا تو آیت نے طاہر کو فون کال ملا دی، رابطہ ہوتے ہی اس نے کہا

”میں سرمد کے سکول میں ہوں۔“

”خیریت......؟“ اس نے لرزتے ہوئے لہجے میں پوچھا تو پرسکون لہجے میں بولی

”بس ایسے ہی مجھے پتہ چلا کہ سرمد کھیلتے ہوئے گر گیا ہے اور اسے معمولی سی چوٹ لگی ہے۔“

”اوہ۔!“ اس کے منہ سے بے ساختہ نکلا، نجانے اس ایک لمحے میں کتنے خیال آ کر گزر گئے تھے۔ اس بے ساختہ پن میں جو ایک خوف تھا، وہ آیت سے چھپا نہ رہ سکا۔ اس لئے بولی

”طاہر، تم خیریت سے ہو نا؟“

”ہاں ہاں میں ٹھیک ہوں۔ اب کدھر ہے سرمد؟“ اس نے تیزی سے جواب دیتے ہوئے پوچھا

”میں ایسے ہی اسے ساتھ لے جا رہی ہوں، راستے میں ہسپتال سے پٹی بھی کرواتی جاؤں گی۔ یہاں کیا پٹی ہوئی ہو گی۔“ آیت نے اپنے لہجے کو بہت حد تک عام سا رکھتے ہوئے کہا

''اچھا، کس ہسپتال میں جا رہی ہو؟'' اس نے پوچھا تو آیت نے نام بتا دیا، اتنے میں سرمد بیگ لے کر اس کے پاس آ گیا، تبھی آیت نے اسے فون دیتے ہوئے کہا، ''لو پاپا سے بات کرو اور انہیں اپنے بارے میں بتاؤ۔''

یہ کہتے ہوئے آیت نے اسپیکر آن کر دیا۔ سرمد فون کے قریب آ کر بولا

''پاپا۔! میں ٹھیک ہوں۔''

''زیادہ چوٹ تو نہیں آئی؟'' طاہر کی آواز ابھری

''نہیں پاپا، میں ٹھیک ہوں، آپ پریشان نہ ہوں۔'' سرمد نے کہا

''ٹھیک ہے، آپ اپنی ماما کے ساتھ جاؤ، میں بھی آتا ہوں۔'' طاہر نے کہا

''ٹھیک ہے۔'' سرمد نے کہا اور پیچھے ہٹ کر اپنا بیگ سنبھالنے لگا۔ آیت نے فون بند کر دیا اور سرمد کو لے کر کار کی جانب بڑھ گئی۔

ہسپتال میں جب ڈاکٹر نے سرمد کی پٹی اتار کر اس کا زخم دیکھا تو زخم اتنا زیادہ نہیں تھا لیکن اس کے ارد گرد کافی بڑا نیل کا نشان پڑ گیا تھا۔

''کہیں کوئی سیریس بات تو نہیں؟''

جس طرح آیت نے پوچھا، اس کے ردعمل میں ڈاکٹر نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا

''نہیں، کچھ نہیں ہے۔ فکر کی بات نہیں۔ میں نئی پٹی کر دیتا ہوں۔'' یہ کہتے ہوئے چند لمحے رکا پھر بولا ''ہاں اگر سر میں درد محسوس ہو اور مسلسل ہو تو پھر ضرور دکھا لیں۔''

''جی ٹھیک ہے۔'' آیت نے کہا تو عام سے لہجے میں اندر سے کانپ گئی تھی۔ اسے برسوں پہلے سرمد کا ہسپتال میں جانے کا واقعہ یاد آ گیا تھا۔ جب وہ بہاولپور گئی تھی اور انہی دنوں اسے طاہر باجوہ ملا تھا۔ ایک نرس آگے بڑھ کر سرمد کے پٹی کرنے لگی تھی۔ اسی دوران طاہر بھی وہاں آ گیا۔

اس نے آتے ہی سرمد کی طرف دیکھا اور پھر آیت سے مخاطب ہو کر بولا

''زخم زیادہ گہرا تو نہیں ہے؟''

''نہیں معمولی سی چوٹ ہے، دیکھ لو۔'' آیت نے سرمد کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا

''لیکن یہ شرٹ پر......'' وہ کہتے کہتے رُک گیا تو سرمد بولا

''پاپا، میں ٹھیک ہوں۔ آپ اور ماما پریشان نہ ہوں۔ اب تو میرے درد بھی نہیں ہو رہا۔''

''او کے۔'' طاہر نے کہا اور نرس کو پٹی کرتے ہوئے دیکھنے لگا۔ کچھ دیر بعد وہ تینوں ہسپتال سے باہر آ گئے۔ پارکنگ کے پاس آ

کر آیت نے طاہر کی طرف دیکھا، اس کے ذہن میں یہی تھا کہ سرمد اب کس کے ساتھ جائے گا؟ وہ ابھی یہ سوچ ہی رہی تھی کہ طاہر نے یہ لفظ کہہ دیئے۔ چند لمحوں کے لئے خاموشی چھا گئی۔ اس کا جواب کیا ہو سکتا تھا؟ یہ خاموشی سرمد نے توڑی۔

''پاپا! فارم ہاؤس چلیں نا، میں نے ڈریس بدلنا ہے۔'' اس نے کہا تو گویا فیصلہ کر دیا کہ اُسے کس کے ساتھ جانا ہے۔ آیت اس پر مسکرا دی۔ اسے اپنے آپ پر مان بڑھ گیا تھا۔

''اوکے، آپ جاؤ۔ اگر سر میں معمولی سا بھی درد ہو تو مجھے کال کرنا۔'' آیت نے کہا

''میں شام کے وقت لے آؤں گا۔'' طاہر نے کہا تو آیت نے آنکھوں کے اشارے سے اس کی بات مان لینے کا عندیہ دیا۔

آیت گھر آ گئی۔ وہ اتنی جلدی گھر نہیں آتی تھی۔ اس لئے لاؤنج میں بیٹھے ہوئے دادا جی نے پوچھا

''خیریت بیٹا! آج جلدی واپس آ گئے ہو۔ طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟''

''ہاں، میں ٹھیک ہوں لیکن سرمد......'' یہ کہتے ہوئے اس نے ساری روداد سنا دی

''اوہ، اب کیسا ہے وہ؟''

''ٹھیک ہے، آ جائے گا شام کو۔'' اس نے کہا پھر لمحہ بھر رُک کر بولی، ''دادو، میں نے آپ سے ایک بات کرنی ہے۔ بہت اہم بات۔''

''بولو بیٹا، کیا بات ہے؟''

''دادو، آپ ایسا کریں، میری اور طاہر کی شادی کروا دیں۔'' آیت نے عام سے لہجے ایک بہت بڑی بات کہہ دی تھی۔ جس پر دادا جی حیرت سے اس کی طرف دیکھنے لگے۔ وہ چند لمحے اسی کیفیت میں رہے پھر خود پر قابو پا کر بولے

''میں جانتا ہوں بیٹا، تم اس سے محض سرمد کی وجہ سے شادی کرنا چاہتی ہو۔ مجھے نہیں معلوم کہ طاہر کے لئے تمہارے دل میں وہ جذبہ یا کیفیت اب بھی ہے، جب ہم نے طاہر سے تمہاری شادی کی بات کی تھی۔ مجھے یہ بھی علم نہیں کہ اب طاہر کیا چاہتا ہے۔ یا تم دونوں کی آپس میں کیا انڈرسٹینڈنگ ہے۔ لیکن......'' یہ کہہ کر وہ خاموش ہو گیا

''لیکن کیا دادو......؟'' آیت نے الجھتے ہوئے پوچھا

''تب کی بات اور تھی، اس وقت میں نے اور شکیل کے والدین نے سب طے کر لیا ہوا ہے۔ یہ درمیان میں شکیل نے ہی کچھ دنوں کے لئے شادی کو موخر کر دیا، اب چند دن پہلے وہ ہسپتال جا پہنچا، یہ سب اسی وجہ سے رُکا ہوا ہے۔ ورنہ سب طے ہے اور ہم چاہتے ہیں کہ جلد از جلد تمہاری شادی شکیل سے ہو جائے۔'' دادا جی نے تفصیل سے بتایا تو آیت نے بڑے سکون سے کہا

''ابھی شادی ہوئی تو نہیں نا۔ آپ انہیں منع کر دیں۔''

''ایسے کیسے منع کر دوں۔ دو ماہ ہو گئے ہیں، ساری بات چیت چلتے ہوئے۔'' یہ کہہ کر وہ لمحہ بھر کو رُکے اور پھر بولے، ''انہیں منع کیا

بھی جا سکتا ہے لیکن کوئی وجہ؟''

''یہی کہ میں طاہر سے شادی کر رہی ہوں۔'' اس نے پھر اسی سکون ہی سے کہا

''بیٹا کیسی باتیں کر رہی ہو؟'' دادا نے جھنجھلاتے ہوئے کہا

''دادو، جس طرح آپ میرے بنا نہیں رہ سکتے، میں بھی سرمد کے بغیر نہیں رہ سکتی۔ طاہر کی رابعہ سے شادی ایک دوسرا مسئلہ تھی لیکن اب...... اب میں سرمد کو نہیں چھوڑ سکتی ہوں۔'' اس نے یوں بھیگے ہوئے لہجے میں کہا جیسے وہ رو دے گی۔ دادا جی اس کی طرف دیکھتے رہے، پھر بولے

''ایک دم سے تو کچھ نہیں ہو سکتا۔ میں چند دن میں ہی انہیں منع کر پاؤں گا نا، اس دوران میں طاہر سے بھی بات کر لیتا ہوں۔ تم جانتی ہو اس کے والدین کا بھی ایک بڑا ایشو ہے۔ مجھے کچھ سوچنے سمجھنے کا موقع دو میرے بچے۔''

''او کے، لیکن جلدی پلیز، سرمد کو......'' آیت نے کہنا چاہا تو دادا جی نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا

''ٹھیک ہے۔ میں سمجھ گیا۔''

آیت نے دادا کی طرف دیکھا، پھر مسکرائی اور اٹھ کر تیزی سے اندر کی جانب چلی گئی۔

❀......❀......❀

اس دن آیت النساء واک کے بعد گھر آئی تو حسب معمول دادا جی کوریڈور میں بیٹھے اخبار پڑھ رہے تھے۔ وہ اُن کے قریب پہنچی تو وہ اخبار پر نگاہیں ہٹا کر بولے

''آج کا کیا پروگرام ہے؟''

''آج آف ہے، آفس تو جانا نہیں، ناشتہ کر کے فارم ہاؤس جاؤں گی سرمد کے پاس۔ میرا تو یہ پروگرام ہے، آپ بتائیں؟'' آیت ان کے ہاتھ پر ہاتھ رکھتے ہوئے بولی

''ٹھیک ہے۔'' دادا جی نے کہا اور پھر سے اخبار پر نگاہیں جما لیں۔

''دادو کوئی خاص بات؟'' اسے تسلی نہیں ہوئی تھی

''نہیں، تم ناشتہ لگواؤ۔'' دادا نے عام سے انداز میں کہا تو وہ کندھے اُچکائے اندر چلی گئی۔ وہ ان کا موڈ سمجھ چکی تھی۔ اب وہ جو بھی کہتی رہتی، انہوں نے بتانا نہیں تھا۔

ناشتے کے بعد آیت تیار ہو کر فارم ہاؤس جانے کے لئے لاؤنج میں آئی تو دادا جی کے پاس ایک سفید فام جوان عمر لڑکی بیٹھی ہوئی باتیں کر رہی تھی۔ اس کے سیاہ گھنگریالے بال، تیکھے نین نقش، گہری نیلی آنکھیں، پتلی سی تھی۔ اس نے سفید پتلون، ہلکے کاسنی کی شرٹ اور

سیاہ جوتے پہنے ہوئے تھے۔اس نے گھوم کر آیت کی طرف دیکھا اور آہستہ سے کھڑی ہوگئی۔تبھی دادا جی نے کہا

''آیت،ان سے ملو،یہ ہے شارلن،شارلن شکیل۔''

''واہ،کیا بات ہے۔'' آیت نے خوشگوار لہجے میں کہا اور شارلن کی جانب بڑھی پھر اسے گلے لگاتے ہوئے انگریزی میں بولی،''کیسی ہو شارلن؟''

''میں ٹھیک ہوں۔''اس نے انگریزی میں جواب دیا تو آیت ایک دم سے مسکرادی اور پھر پوچھا

''بہت اچھا،آؤ بیٹھو۔'' آیت نے اس کا ہاتھ پکڑ کر صوفے پر بٹھایا تو دادا اٹھتے ہوئے بولے

''او کے کرو گپ شپ۔''

یہ کہتے ہوئے وہ باہر چلے گئے۔

''شارلین،تم اچانک......؟''

''ہاں،میں اچانک ہی آئی ہوں،چند دن پہلے مجھے بھی معلوم نہیں تھا کہ میں یوں پاکستان آجاؤں گی۔میں کل شام یہاں پہنچی ہوں۔شکیل خود گیا تھا ائیر پورٹ لینے۔''اس نے انتہائی سنجیدگی سے بتایا

''میں تو سن رہی تھی کہ تم اور شکیل......''

''وہ سب ٹھیک تھا،میں اسے طلاق دینے والی تھی۔حتمی طور پر سب ختم کر دینا چاہتی تھی۔اس کے لئے میں پورا پلان کر لیا تھا اور یہ فیصلہ تب کیا تھا،جب مجھے یہ چلا کہ شکیل تم سے شادی کرنا چاہتا ہے۔''اس نے کہا تو آیت نے بڑے تحمل سے پوچھا

''اچھا،تمہیں پتہ چل گیا تھا کہ وہ مجھ سے شادی کرنا چاہتا ہے؟''

''ہاں،اس نے اپنے دوست کو تمہاری تصویر بھیجی تھی اور پھر بیٹے حیدر کو بھی اور اس سے پوچھا تھا کہ تمہاری یہ نئی ماما،تمہیں کیسی لگی ؟تب مجھے پتہ چلا اور میں نے سوچا کہ اس نے سب کچھ ختم کر دیا ہے تو مجھے اپنا قانونی حق لے لینا چاہئے۔''

''تو پھر تمہارا یہاں آنا،اس قانونی حق......'' آیت نے وضاحت کے لئے پوچھا

''نہیں،نہیں،میں اب شکیل کو لینے آئی ہوں اپنے ساتھ،ہمارے درمیان سب مسئلے ختم ہو گئے ہیں۔''اس نے تیزی سے کہا

''یہ تو بہت اچھی بات ہے۔سارے مسائل ختم ہو گئے۔کیا میں جان سکتی ہوں کہ......''اس نے پوچھنا چاہا تو شارلین نے اسکی بات کاٹتے ہوئے کہا

''تم ہی نے سارے مسئلے حل کئے اور خود ہی پوچھ رہی ہو۔''

''میں سمجھی نہیں؟'' آیت نے واقعتاً نہ سمجھتے ہوئے پوچھا

''دیکھو، میں تمہیں شروع سے بتاتی ہوں۔'' یہ کہہ کر وہ لمحہ بھر کے لئے خاموش ہوئی پھر بولی،''میرے اور شکیل کے درمیان تقریباً دو برس تک انڈرسٹینڈنگ چلی۔ مجھے وہ اس لئے پسند تھا کہ وہ بہت اچھا ہے، بہت محنت کرتا ہے۔ وہ پڑھا لکھا ہے اور دولت کمانا جانتا ہے۔ ہم دو برس تک دوست رہے اور اس کے بعد ہم نے فیصلہ کرلیا کہ ہم شادی کریں گے اور ہم نے شادی کرلی۔ ایک برس بعد ہمارا بیٹا پیدا ہو گیا۔''

''مسائل کب شروع ہوئے؟'' آیت نے پوچھا

''بیٹا پیدا ہونے کے بعد۔ مجھے لگا کہ وہ مجھ سے متنفر ہو گیا ہے۔ مجھ میں کشش نہیں رہی یا وہ بدل گیا ہے۔ اس پر دولت کمانے کا بھوت سوار ہو گیا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ میں گھر میں رہوں اور وہ کام کرے۔ جبکہ میں ایک فیشن ڈیزائنر ہوں۔ میں بہت سارا پیسہ کما سکتی ہوں۔ پھر میں نے اس کے سامنے ایک شرط رکھ دی کہ اگر میں نہیں کماؤں گی تو پھر سب میرے نام کرو۔ میں جانتی تھی کہ اس نے مجھے چھوڑنا نہیں، مجھے ہی اسے چھوڑنا پڑے گا، قانون ہی ایسا ہے وہاں کا۔ مجھے لگا کہ وہ مجھے اپنا دست نگر رکھنا چاہتا ہے۔ میں ایسی زندگی نہیں چاہتی تھی، جس میں ہم ایک چھت کے تلے رہیں اور اجنبی کی مانند زندگی گزاریں۔ ہمارے درمیان تلخیاں بڑھنے لگیں۔ ہم کئی کئی دن ایک دوسرے کو دیکھتے بھی نہیں تھے۔ میں نے ضد میں آکر ایک فرم جوائن کرلی۔ اس سے وہ چڑ گیا۔ اختلافات زیادہ ہو گئے۔ پھر ہم میں علیحدگی ہو گئی۔ کچھ عرصے بعد وہ پاکستان آ گیا۔''

''تم نے منانے کی کوشش کیوں نہیں کی؟'' آیت نے پوچھا

''کیونکہ میں حق پر تھی۔'' اس نے حتمی انداز میں کہا

''ٹھیک، اور شکیل بھی سمجھ رہا تھا کہ وہ بھی حق پر ہے۔ خیر۔! تم لوگ قریب ہوتے ہوئے الگ ہو گئے اور دور رہ کر اچانک مل گئے، یہ سب کیا؟'' آیت نے مسکراتے ہوئے پوچھا

''تمہارا بہت شکریہ کہ تم نے اسے راہنمائی دی۔ مجھے اس نے سب بتایا۔'' شارلین نے خوشگوار لہجے میں کہا تو آیت بولی

''یہ تو بتاؤ، کیسے؟''

''کچھ عرصے سے وہ میرے ساتھ رابطے کی کوشش کر رہا تھا۔ میں اسے کچھ اور ہی سمجھ رہی تھی۔ جب سے تمہاری تصویر اس نے بھیجی تھی۔ میں یہی سمجھ رہی تھی کہ وہ کچھ لے اور دے کر میرے ساتھ معاملہ ختم کرنا چاہتا ہے تاکہ قانونی طور پر کسی زد میں نہ آئے۔ لیکن چند دن پہلے مجھے پتہ چلا کہ وہ ہسپتال میں ہے۔ اس کے ایک دوست نے مجھے بتایا۔ پھر وہی دوست میرے پاس آیا۔ اس کے ساتھ وکیل بھی تھا۔ اس نے وہاں کا سب کچھ میرے نام کر دیا تھا۔ سب دولت، گھر، گاڑی سب۔ پھر میں نے شکیل سے رابطہ کر کے پوچھا۔ یہ سب کیوں کیا۔'' شارلین یہ کہتے ہوئے تھوڑا جذباتی ہو گئی

''تو پھر۔!'' آیت نے اسے جذباتیت سے نکالنے کے پوچھا تاکہ اس کی توجہ بٹ جائے

''تو اس نے مجھے یہ کہا کہ میرا سب کچھ تمہارا ہے۔ اگر یہ سب چیزیں دے دینے کا نام ہی محبت ہے تو جان لو کہ میں تم سے محبت کرتا ہوں۔''

''اور یہی سن کر یہاں آ گئی؟'' آیت نے خوشگواریت سے پوچھا تو وہ بولی

''نہیں۔ میں شکیل کو بہت اچھی طرح جانتی ہوں۔ میں سمجھتی ہوں کہ یہ اس میں بہت بڑی تبدیلی تھی، اتنی بڑی کہ جس کا میں یقین نہیں کر سکتی تھی۔ مجھے پاگل کر دینے والا سوال یہی تھا کہ وہ ایسا کیوں ہو گیا ہے؟''

''جواب ملا؟'' آیت نے پوچھا

''ہاں، مجھے شکیل نے بتایا کہ جس کے ساتھ میں شادی کرنا چاہتا تھا، اسی نے مجھے بتایا کہ محبت ہوتی کیا ہے۔ ہم دو دن لگا تار بات کرتے رہے۔ اس نے مجھے تمہارا نظریہ محبت سمجھایا۔ اس نے مجھے سب سمجھا کر یہ بتایا کہ سب لے لو۔ مجھے اب ضرورت نہیں۔ میں اب اپنی نئی زندگی یہاں شروع کر سکتا ہوں۔ صرف تمہیں یہ بتانا تھا کہ مجھے تم سے محبت ہے اور بس۔''

''اس نے یہ نہیں کہا کہ آ جاؤ یا دوبارہ سے نئی زندگی کا آغاز کریں......؟'' آیت نے پوچھا

''نہیں اس نے صرف یہی سمجھایا اور یہی کہا کہ مجھے اپنی زندگی جینے کا پورا حق ہے جو فیصلہ بھی کرو اس میں آزاد ہو۔ کسی بھی قسم کا کوئی بوجھ مت رکھنا۔ یہ بھی اختیار مجھے دے دیا کہ اگر بیٹا ملوانا چاہوں یا نہیں۔'' شارلین نے جذب سے بتایا

''تو پھر......''

''پھر میرا اور اس کا مسئلہ ہی نہیں رہ گیا، تب ناراضگی کس بات کی؟ وہ پھر بھی میری محبت ہے، میرے بیٹے کا باپ، میں نے سوچا اسے خود لے آؤں۔ سو میں آ گئی۔'' اس نے کاندھے اچکاتے ہوئے کہا

''بہت اچھا کیا، ورنہ میں نے اس سے شادی کر لینا تھی۔'' آیت نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا تو شارلین بھی کھل کے ہنس دی پھر سنجیدہ ہوتے ہوئے بولی

''میں جانتی ہوں۔ جس کے خیالات اتنے اچھے ہیں، اور جس نے اپنے خیالات کے مطابق عمل کر کے بھی دکھا دیا، وہ کسی پر ظلم نہیں کر سکتا۔ تم بہت اچھی ہو تم نے توڑا نہیں جوڑا ہے۔''

''بہت اچھا کیا، تم اسے لینے یہاں آ گئی مرد کو اگر محبت دے سکتی ہے تو وہ عورت ہے۔ اس میں عورت کا بھی بڑا پن ہے۔ خدا تم دونوں کو آباد رکھے۔'' آیت نے مسکراتے ہوئے کہا

''تمہارا بہت شکریہ، تم نے شکیل کا خیال رکھا، اسے بھٹکنے سے بچا لیا۔'' شارلین نے محبت سے اس کے دونوں ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لیتے ہوئے کہا

''چلو آؤ، میں تمہیں تھوڑا گھما پھرا لاؤں۔ چلوگی؟'' آیت نے اٹھتے ہوئے پوچھا۔ اس کے ذہن میں سرمد تھا، جو اس کا انتظار کر رہا تھا۔ جس کے ساتھ اس نے کل آنے کا وعدہ کیا ہوا تھا۔

''چلو، آج کا دن میں نے تمہارے نام کیا ہے۔'' شارلین نے کہا اور اٹھ گئی۔

پورچ میں کار کھڑی تھی۔ آیت ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھی، شارلین پسنجر پر، تو آیت نے کار بڑھا دی۔

❀ .... ❀ .... ❀

دادا جی اور طاہر ایک اوپن ایئر ریستوران نے ایک گوشے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ اُن دونوں کے درمیان یہ ملاقات طے تھی۔ جیسے ہی آیت اور شارلین فارم ہاؤس پہنچیں، طاہر وہاں سے نکل کر اس ریستوران میں آ گیا تھا۔ دادا جی یہاں اس کا انتظار کر رہے تھے۔ تھوڑی دیر اِدھر اُدھر کی باتوں کے بعد دادا جی نے کہا

''طاہر۔! کیا تم جانتے ہو کہ میں نے تمہیں یہاں کیوں بلایا ہے؟''

''جی، یہ آپ ہی بہتر بتا سکتے ہیں، تاہم اتنا احساس تو ہے کہ کوئی بہت ہی اہم بات ہے۔'' اس نے مودب لہجے میں کہا

''بیٹا۔! آیت نے خود مجھ سے یہ کہا کہ میں تم سے شادی کی بات کروں۔ مطلب، آیت تم سے شادی کی خواہش مند ہے۔'' دادا جی نے بڑے تحمل سے کہا تو وہ بولا

''جی، میں جانتا تھا کہ ایسا ہی ہوگا، کیونکہ وہ سرمد کے بنا نہیں رہ سکتی۔''

''تو پھر تم کیا کہتے ہو؟'' دادا جی نے پوچھا

''جیسے اس کی خواہش ہے۔'' اس نے دھیمے سے لہجے میں کہا

''مطلب، میں سمجھا نہیں، اس کی خواہش ہے تمہاری نہیں؟ کیا یہ زور زبردستی ہے کوئی؟'' دادا جی نے بات کو واضح کرتے ہوئے سکون سے پوچھا

''بات دراصل یہ ہے دادا جی، میں نے پہلے بھی رابعہ سے شادی اسی کے کہنے پر کی تھی، آپ بھی یہ بات اچھی طرح جانتے ہیں۔ جہاں تک میری خواہش یا مرضی ہے تو میں اب سرمد کو نہیں چھوڑ سکتا۔ اسی طرح آیت بھی اُسے نہیں چھوڑ سکتی۔ اب ہماری خواہشیں یا مرضی نہیں دادا جی، اب ہمارے درمیان سرمد ہے۔'' طاہر نے بھی بڑے تحمل سے اپنا موقف واضح کیا۔

''میں سمجھتا ہوں اس بات کو۔ لیکن ایک بات ہے۔'' اس نے یہ کہتے ہوئے سوالیہ انداز میں طاہر کی جانب دیکھا تو اس نے پوچھا

''وہ کیا دادا جی؟''

''میں جانتا ہوں رابعہ سے شادی کو لے کر تمہارے والدین کا ردعمل کیا تھا اور انہوں نے اس کے ساتھ جو کیا، سب سامنے

ہے۔کیا تم سمجھتے ہو کہ اس شادی پراُن کا رویہ کیا ہوگا؟‘‘انہوں نے اپنا خدشہ ظاہر کیا

’’میں نہیں جانتا،ان کا ردعمل کیا ہوگا۔کیونکہ میں ان سے نہیں ملا۔لیکن اب میں بہت محتاط ہوں۔‘‘اس نے گول مول انداز میں اپنی بات کہہ دی

’’دیکھو بیٹا۔!تمہارا سیاسی کیریئر وہاں پر ہے۔مجھے اس سے کوئی غرض نہیں کہ تم کہاں رہتے ہو کہاں نہیں رہتے۔آیت نے بھی وہاں بزنس شروع کر رکھا ہے۔اگر تم دونوں کی شادی ہو جاتی ہے تو مجھے تم لوگوں کے معاملات اور جو بھی فیصلے ہوں ان پر کوئی اعتراض نہیں لیکن جو......‘‘انہوں نے کہنا چاہا تو وہ جلدی سے بولا

’’مجھے اب سیاست سے کوئی لینا دینا نہیں ہے۔وہ ایک عجیب طرح کی زندگی ہے۔رابعہ کا معاملہ کچھ دوسرا تھا لیکن آیت وہ نہیں ہے۔اس کی حفاظت کرنا میری ذمہ داری ہے۔‘‘

’’کیا اس شادی پر تم انہیں شامل نہیں کرو گے؟‘‘انہوں نے پوچھا

’’نہیں،کیونکہ وہ سرمد کو ہماری زندگی سے نکالنا چاہتے ہیں۔میں ایسا نہیں کر سکتا۔وہ میرے والدین ہیں،ان کا ادب مجھ پر فرض ہے لیکن ظلم ایک حد تک برداشت کیا جا سکتا ہے۔‘‘طاہر نے پھر اشاروں میں ہی کہا

’’مجھے بس تمہارے والدین ہی کی طرف سے خدشہ ہے،تم جانتے ہو اور یہ سمجھتے ہو کہ انہیں روکنے کی قوت مجھ میں ہے لیکن۔! تمہارے گھر کے معاملات تمہارے ہیں،انہیں تم نے ہی حل کرنا ہے۔‘‘دادا جی نے سکون سے کہا تو وہ بولا

’’جی میں جانتا ہوں اور سمجھتا بھی ہوں۔میں بہر حال انہیں سمجھا لوں گا۔‘‘

’’تو ٹھیک ہے بیٹا،تم اور آیت دونوں مل کر یہ طے کر لو کہ کیا کرنا ہے۔‘‘دادا نے کہا

’’جی ٹھیک ہے۔میں آج کل میں اس سے بات کر لیتا ہوں۔‘‘اس نے سعادت مندی سے کہا اور دادا کی طرف دیکھنے لگا تو وہ مسکراتے ہوئے بولے

’’میرا خیال ہے ہم بات کر چکے ہیں۔‘‘

’’لیکن اب یہ تو بتا سکتے ہیں کہ آرڈر کیا کریں۔‘‘یہ کہتے ہوئے وہ ہنس دیا تو دادا جی بھی مسکرا دیئے۔

’’ہاں بھئی بلایا میں نے میزبان تو میں ہی ہوں گا نا۔‘‘وہ بولے

’’نہیں آپ سب کچھ ہیں،مہمان،میزبان اور مہربان۔‘‘اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

تبھی دادا جی نے ویٹر کو اشارہ کر دیا۔

❀......❀......❀

سہ پہر ہونے کو تھی۔ آیت النساء کے گھر میں بزنس کمیونٹی کے بہت سارے لوگ آرہے تھے۔ ان میں خواتین کی تعداد زیادہ تھی۔ لاؤنج بھرا بھرا لگ رہا تھا۔ دادا جی کے ساتھ شکیل کھڑا مہمانوں کا استقبال کر رہے تھا۔ ایسے میں طاہر کی کار پورچ میں رُکی۔ اگلی نشست پر سے سرمد اترا، جبکہ پچھلی نشست سے طاہر اور ساجد کار سے باہر آئے۔ ان کے پیچھے ہی منیب کی کار رکی، جس کے ساتھ اس کی فیملی کی چند خواتین باہر آگئیں۔ طاہر باجوہ نے بہترین تراش کا سوٹ پہنا ہوا تھا۔ بالکل اسی جیسا سوٹ سرمد کا بھی تھا۔ ان کے آتے ہی لاؤنج میں ہلچل ہوئی۔ طاہر وہاں موجود ہر شخص سے ملا۔ اس ملنے ملانے میں کچھ وقت لگ گیا۔ جیسے ہی طاہر اپنے لئے مخصوص صوفے پر بیٹھا، ان کے پاس نکاح خواں آکر بیٹھ گیا اور دادا جی سے اجازت چاہی۔

ایجاب وقبول ہوا۔ آیت النساء سے اجازت کے بعد وہاں موجود مبارک باد دینے لگے۔ خطبہ اور دعا کے بعد آیت النساء کو اندر سے لایا گیا۔ اس کے ساتھ دائیں جانب شارلین تھی اور بائیں طرف امبرین تھی۔ انہوں نے اسے طاہر کے ساتھ بٹھا دیا۔ ان دونوں کے درمیان میں سرمد بیٹھا ہوا تھا۔ آیت النساء بہت خوبصورت دکھائی دے رہی تھی۔ اس نے گہرے سبز رنگ کا لہنگا پہنا ہوا تھا، جس پر سنہرا بھاری کام تھا۔ پہلی بار کسی نے اسے یوں میک اپ اور سنگھار میں دیکھا تھا۔ طاہر کے چہرے پر مسکراہٹ کے ساتھ ایک اطمینان بھرا تاثر تھا۔ وہ یہ بات ذہن میں بھی نہیں لے کر آیا کہ اس کی شادی پر اس کے والدین نہیں ہیں۔ بزنس کمیونٹی کے وہ خاص لوگ وہاں موجود تھے، جن سے ان دونوں کا روزانہ ہی سابقہ رہتا تھا۔ مغرب تک مہمان کھاتے پیتے اور ایک دوسرے سے گپ شپ کرتے رہے۔ امبرین نے ایسے وقت ہی میں سرمد کو سنبھال لیا۔ مغرب ہوتے ہی مہمان جانے لگے، یہاں تک کہ گھر والے ہی رہ گئے۔ ایسے میں دادا جی نے آیت کو رخصت کیا۔

طاہر کی کار پورچ میں کھڑی تھی۔ آیت النساء جب دادا کے گلے ملی تو نجانے آنسو کہاں سے آگئے۔ دونوں ہی پھوٹ کر رو دیئے۔ اگر چہ وہاں پر ہر بندے کو یہ احساس تھا کہ اب دادا جی اکیلے رہ گئے ہیں لیکن جب بھی بیٹی گھر سے رخصت ہو کر اپنے سسرال جاتی ہے تو ہر آنکھ اشک بار ہو جاتی ہے۔ شاید یہ ایک فطری تقاضا ہے جو مشرقی تہذیب میں رچ بس گیا ہوا ہے۔

کار کی اگلی نشست پر طاہر تھا، تو پچھلی پر آیت اور امبرین بیٹھی ہوئیں تھیں۔ ان کے درمیان سرمد بیٹھا ہوا خاموش خاموش سا تھا۔ کار میں بھی خاموشی تھی، ایسے میں آیت کی نگاہ سرمد کے چہرے پر پڑی تو آیت نے سرمد سے پوچھا

''آپ اتنے خاموش خاموش سے کیوں ہیں؟''

''بڑی ماما! آپ رو کیوں رہی تھیں؟'' اس نے معصومیت میں سوال کر دیا۔

''کیوں آپ کو ماما کا رونا اچھا نہیں لگا؟'' امبرین نے اس سے پوچھا

''نہیں، میں بڑی ماما کو کبھی روتے ہوئے نہیں دیکھا، یہ آج کیوں رو رہی تھیں؟'' اس کے پوچھنے پر آیت کو لگا کہ سرمد کو شاک لگا ہے۔ تبھی وہ بولی

''دیکھو۔!اب میں ہمیشہ آپ کے ساتھ رہوں گی، یہ آپ کو پتہ ہے نا؟''

''ہاں، پاپا نے بتایا تھا،لیکن آپ روکیوں رہی تھیں۔'' اس کا ذہن ابھی تک وہیں تھا۔

''اس لئے کہ اب دادو یہاں اپنے گھر میں اکیلے ہو جائیں گے۔ ان کا خیال کون رکھے گا۔ اس دکھ سے مجھے رونا آ گیا۔'' آیت نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا

''اچھا، تو یہ بات ہے، ہم دادا جی کو اپنے پاس لے آئیں گے۔'' اس نے اپنی طرف سے حل دیا

''اب یہ تمہارا کام ہوگا، وہ نہیں آئیں گے اپنا گھر چھوڑ کر لیکن آپ لے آنا۔'' آیت نے اسے سمجھایا

''یہ تو کوئی بات نہیں، میں ضد کر کے لے آؤں گا۔'' اس نے خوش ہوتے ہوئے کہا

''تو بس پھر۔'' اس نے سرمد کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا تو وہ مطمئن ہو گیا۔

جس وقت ان کی کار فارم ہاؤس کے پورچ میں رکی تو وہاں ساجد، منیب اور اس کے گھر والوں کے ساتھ شکیل اور شارلین بھی کھڑے تھے۔ اسے دیکھ کر شارلین نے کہا

''مجھے تمہارا روایتی استقبال کرنا تو نہیں آتا لیکن تمہارے اپنے ہی گھر پر تمہارا خوش آمدید۔''

''ہم جو ہیں روایتی استقبال کرنے والے، چل بھئی بیگم۔'' منیب نے کہتے ہوئے اپنی بیوی کو اشارہ کیا تو وہ آگے بڑھ آئی۔ ساری خواتین اسے لے کر لاؤنج میں چلی گئیں۔

پر تکلف ڈنر کے بعد سبھی آئے ہوئے مہمان چلے گئے۔ تھکا ہوا سرمد بھی امبرین کے پاس سو گیا۔ آیت وہیں رابعہ کے بیڈ روم میں طاہر کا انتظار کر رہی تھی۔ اس نے وہاں کچھ بھی نہیں بدلا تھا۔ سب ویسے ہی رہنے دیا۔ اس نے طاہر سے یہی کہا تھا کہ ہمیں یہ احساس رہے کہ رابعہ ہمارے ساتھ ہے، ہم اسے نہیں بھولے۔ آیت انہیں خیالوں میں کھوئی ہوئی تھی کہ ہلکی سی آہٹ کے ساتھ طاہر اندر آ گیا۔ وہ سیدھا ایک الماری کی جانب بڑھا، اس میں سے ایک پیکٹ نکالا اور پھر اس کے پاس آ بیٹھ گیا۔

''آیت النساء، آج سے ہم زندگی کے اس سفر پر ہمسفر ہیں۔ ہماری خوشیاں، دکھ، غم سب کچھ ایک ہے۔ ایسی ہی ایک رات جب میں نے رابعہ کے ساتھ سفر شروع کیا تھا تو اس کا دل رکھنے کو، اسے احساس دلانے کو دو ڈائریاں دی تھیں۔ ایک میں نے خود رکھی اور دوسری اسے دے دی اور یہ کہا کہ اگر میری طرف سے کوئی بھی منفی خیال اس کے من میں آئے تو لکھ دے۔'' آیت خاموش رہی۔ اس نے پیکٹ سے دونوں ڈائریاں نکالیں۔ اور اس کے سامنے رکھ دیں، پھر انہیں کھولتے ہوئے کہا، ''دونوں ہی کوری ہیں۔ اس نے کچھ نہیں لکھا اور نہ میں نے۔ یہ میں تمہیں اس لئے دکھا رہا ہوں کہ اس سے شادی تمہارا حکم تھا، اور میں نے پورا کیا۔ لیکن میں شرمندہ ہوں کہ میرے والدین نے اسے قبول نہیں کیا اور.....'' یہ کہتے ہوئے وہ آزردہ ہو گیا

''طاہر۔! زندگی اور موت کا فیصلہ تو ربّ تعالیٰ کے پاس ہے، انسان اس معاملے میں عاجز ہے۔ بس انسانوں کی آزمائش ہوجاتی ہے۔ میں کسی بھی آزمائش پر پورا اترنے کی کوشش کروں گی۔'' آیت نے دھیمے سے کہا تو وہ بولا

''آیت، تمہاری یہ بات سچ ہوئی کہ قدرت نے اگر چاہا تو ہمیں ملا دے گی۔ آج ہم مل گئے۔ تحمل، حوصلہ، برداشت، یہ سب عشق کی دین ہیں۔ ہم اپنا یہ سفر بھی اسی عشق کے ساتھ ہی کریں گے۔'' آیت نے کہا تو وہ مسکرا دیا۔ چند لمحے یونہی خاموشی کے ساتھ گذر جانے کے بعد وہ بولا

''میں نے کبھی سوچا بھی نہیں کہ سرمد ہمارے درمیان عشق قرار پا جائے گا۔ کبھی میں عاشق اور تم معشوق اور کبھی تم عاشق اور میں معشوق۔''

''مقام عشق پر فائز ہونے کے لئے عاشق اور معشوق دونوں سے گزرنا پڑتا ہے اور یہ سفر ختم نہیں ہوتا۔ جو بھی یہ کہتا ہے کہ عشق کا سفر لا حاصل ہے، وہ کبھی مقام عشق پر فائز ہوتا ہی نہیں۔ وہ پہلے یہ دیکھ لے کہ اس کا عشق کیسا ہے؟ ناقص عشق والا تو دائرے ہی میں نہیں آتا۔ حاصل اور لا حاصل تو بعد کی بات ہے۔ عشق ہو اور وہ لا حاصل ہو ایسا ممکن ہی نہیں ہے۔ عشق اگر بے رنگ نہ کرے تو وہ عشق ہی نہیں۔'' آیت نے دھیمے سے لہجے میں کہا۔ طاہر یہ سن کر سر ہلانے لگا جیسے اس کی بات سے اتفاق کر رہا ہو۔ کچھ دیر بعد بولا

''ویسے تو میرا اور تمہارا ملن ہو جانا، ہم دونوں کے لئے ایک بہت بڑا تحفہ ہے لیکن یہ میری طرف سے تمہارے لئے۔'' یہ کہتے اس نے ایک چھوٹا سا پیکٹ اس کی طرف بڑھا دیا۔ آیت نے وہ پیکٹ لیا اور کھولنے لگی۔ چند لمحوں بعد جب وہ تحفہ سامنے آیا تو اس کے چہرے پر خوشی پھیل گئی۔ آنکھیں اور لب تک مسکرانے لگے۔ اس پیکٹ میں کنگن، ہیرے کی انگوٹھی اور سچے موتیوں والے بُندے پڑے ہوئے تھے۔

''یہ آپ نے......'' آیت نے خوشگوار حیرت سے دیکھتے ہوئے کہا

''ہاں میں نے سنبھال کر رکھے تھے۔'' اس نے خوش ہوتے ہوئے کہا پھر بولا ''نکاح کے بعد تم یہ آپ جناب......''

''جی، اب آپ میرے مجازی خدا ہو۔''

آیت نے شرم سے کہا تو اس نے ایک گہری سانس لی پھر بولا

''میں بھی آپ کو اب آپ ہی کہوں گا کہ آپ میری شریک حیات ہو۔ آؤ، شکرانے کے نوافل پڑھ لیں۔'' یہ کہتے ہوئے وہ اُٹھ گیا۔ آیت بھی اٹھ گئی۔

کچھ دیر بعد وہ سادہ سے لباس میں ربّ تعالیٰ کے حضور کھڑے تھے۔

فارم ہاؤس کو گیٹ سے لے کر لان تک رنگین روشنیوں سے سجایا ہوا تھا۔ لان میں پر تکلف ولیمہ ڈنر کا اہتمام کیا گیا تھا۔ آیت النساء اور طاہر باجوہ میں یہ طے ہو چکا تھا کہ سادگی سے نکاح کے بعد ولیمہ اہتمام سے کیا جائے گا تا کہ ان کی شادی میں سبھی ملنے والوں کو شامل کیا جائے۔ ایک مہنگے ہوٹل کے لوگ سارا اہتمام کر چکے تھے۔ مہمانوں کے آنے کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا۔ ساجد اور منیب کے ساتھ طاہر باجوہ مہمانوں کے استقبال کے لئے کھڑا تھا۔ اس کے اردگرد کافی لوگ تھے۔ طاہر نے اپنے سیاسی تعلقات والے لوگوں کو بھی دعوت دی ہوئی تھی۔ یوں طاہر کے آفس سے لے کر بزنس کمیونٹی تک اور بہاول پور کے سیاسی ورکرز سے لے کر اسلام آباد کے ایوانوں تک سبھی موجود تھے۔ خواتین کی طرف آیت النساء موجود تھی، جس کے پاس سرمد تیار ہوا بیٹھا تھا۔ اس کے اردگرد شارلین اور امبرین تھیں۔ اس کے آفس سٹاف سے کر سرمد کے سکول اساتذہ تک، پرانی سہیلیوں سے لے کر بزنس کمیونٹی تک کو بلایا ہوا تھا۔

دونوں طرف کے پنڈال بھرے ہوئے تھے۔ ابھی کھانا شروع نہیں ہوا تھا کہ پورچ میں کار رُکی۔ طاہر نے دور ہی سے دیکھ لیا کہ اس کے بابا سکندر حیات آ گئے ہیں۔ ساجد سمجھ گیا تھا کہ کیا کرنا ہے۔ اسے اچھی طرح معلوم تھا کہ طاہر نے انہیں بلایا نہیں تھا۔ اب جبکہ وہ آ گئے تو اس نے طاہر کی جانب دیکھا۔ طاہر نے آنکھوں کے اشارے سے اسے سمجھا دیا۔ وہ منیب کو لے کر فوراً آگے بڑھا۔ اتنی دیر میں بلقیس بیگم بھی کار سے اتر آئی تھی۔ ساجد اور منیب ان کے پاس پہنچ گئے۔ منیب نے بلقیس بیگم کو خواتین کے پنڈال کی طرف جبکہ ساجد نے سکندر حیات کو لیا اور طاہر کی جانب بڑھ آیا۔ وہ دو قدم آگے بڑھا اور باپ سے بغل گیر ہو گیا۔ سکندر حیات نے اسے پیار کیا اور ساجد کے ساتھ چلتا ہوا وہاں تک آیا جہاں دادا جی بیٹھے ہوئے تھے۔ دونوں آپس میں ملے۔ اس کے ساتھ ہی ساجد نے وہاں موجود ہوٹل مینیجر کو ڈنر کے لئے کہہ دیا۔

تقریباً ایک گھنٹے بعد مہمان واپس جانے لگے تو سکندر حیات بھی اٹھ گیا۔ ساجد دیکھ رہا تھا۔ وہ تیر کی طرح اس کی جانب بڑھا۔ وہ جیسے ہی قریب پہنچا، سکندر حیات نے بڑے کروفر سے کہا

”بیگم صاحبہ کو بلاؤ۔“

”آپ ابھی سے جا رہے ہیں۔“

اس نے پوچھا تو اس کی تیوریوں پر بل پڑ گئے، پھر دھیمے سے لہجے میں بولا

”طاہر کو بتانا، ہم کل صبح کچھ ضروری باتیں کرنے آئیں گے۔“

”جی ٹھیک ہے۔“ ساجد نے مودب لہجے میں کہا تو وہ بولا

”تو جاؤ، بلاؤ بیگم صاحبہ کو۔“

”جی جی......“ یہ کہتے ہوئے وہ خواتین کے پنڈال کی جانب بڑھ گیا۔

کچھ دیر بعد وہ دونوں میاں بیوی پورچ میں کھڑی کار میں بیٹھ کر چلے گئے۔ طاہر دور کھڑا انہیں جاتا ہوا دیکھتا رہا۔ تبھی ساجد نے سکندر حیات کا پیغام اسے دے دیا۔ وہ چند لمحے اس پر سوچتا رہا، پھر سر جھٹک دیا۔

رات گئے جب ہر طرف سکون ہو گیا۔ طاہر بیڈ روم میں گیا تو آیت النساء اس کے انتظار میں جاگ رہی تھی۔ سرمد سو رہا تھا۔ وہ سکون سے بیڈ پر آ کر بیٹھ گیا تا کہ سرمد ڈسٹرب نہ ہو۔ وہ خاموش بیٹھا تھا کہ آیت النساء نے اس کی طرف دیکھ کر پوچھا

''خیریت......کوئی مسئلہ تو نہیں؟''

''نہیں، ٹھیک ہے سب، یہ بابا اور اماں کو تم نے انوائیٹ کیا تھا؟'' اس نے دھیمے سے انداز میں پوچھا تو آیت النساء نے اس کے قریب بیٹھتے ہوئے کہا

''نہیں، میں نے نہیں بلایا، آپ کو پتہ ہے، میں نے جسے بھی بلایا، وہ آپ ہی کے ذریعے بلایا تھا۔''

''تو اس کا مطلب ہے وہ خود ہی آئے۔'' خود کلامی کے سے انداز میں کہتے ہوئے اس نے ساجد کے ذریعے بابا کا پیغام بھی اسے بتا دیا۔

''ٹھیک ہے، آ جائیں۔'' آیت نے سکون سے کہا

''نجانے مجھے کیوں عجیب سا لگ رہا ہے۔'' اس نے الجھتے ہوئے کہا

''گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ سب ٹھیک ہو جائے گا، آپ تھک گئے ہوں گے، اب آپ سو جائیں۔'' آیت نے تسلی آمیز لہجے میں کہا تو خاموش ہو گیا۔ وہ اس کی طرف دیکھتی رہی پھر سائیڈ ٹیبل کی لائیٹ آف کر دی۔

اگلی صبح وہ تینوں ناشتے کے بعد لاؤنج میں بیٹھے ہوئے باتیں کر رہے تھے۔ سرمد ان دونوں سے سوال کر چکا تھا کہ آج کا دن کیسے گزاریں گے؟

''آپ بتاؤ......'' آیت نے جواباً اسی سے پوچھ لیا

''پہلے تو چھٹی والے دن میں اور پاپا لان میں کھیلتے تھے۔ اب آپ بتائیں، کیا آپ بھی ہمارے ساتھ کھیلیں گی؟'' اس نے پوچھا تو طاہر جلدی سے بولا

''نہیں یار، تمہاری بڑی ماما، اچھا نہیں کھیلتی ہیں، یہ صرف ہمیں دیکھیں گی بس۔''

''ٹھیک ہے۔'' وہ ایک دم سے مان گیا تو آیت نے پوچھا

''ایسا نہ کریں کہ آج ہم سب دادو کے پاس چلیں، پھر شام کو آ جائیں گے؟''

''یہ بھی ٹھیک ہے۔ ابھی ہم تھوڑا سا کھیل لیتے ہیں، پھر چلیں گے۔'' سرمد نے کہا تو وہ سبھی ہنس دیئے۔ انہیں لمحات میں ان کے

پورچ میں کار آن رُکی۔تھوڑی دیر کے بعد سکندر حیات اور بلقیس بیگم اندر آ گئے۔طاہر انہیں دیکھ کر کھڑا ہو گیا تو آیت بھی اٹھ کھڑی ہوئی۔وہ دونوں علیک سلیک کرنے کے بعد صوفے پر بیٹھ گئے۔وہ دونوں بھی سامنے والے صوفے پر بیٹھے تو ان دونوں کے درمیان سرمد بیٹھ گیا۔تبھی سکندر حیات نے کہا

''یہ مجھے لگا کہ تم دونوں میاں بیوی نے ہمارا احترام کیا، کھڑے ہو گئے، اس سے مجھے لگا کہ تم دونوں میری بات اچھی طرح سمجھ جاؤ گے۔''

''کیسی بات......'' طاہر نے پوچھا

''یہی کہ تمام گلے، شکوے اور رنجشیں ختم کر کے اب تم اپنے گھر لوٹ آؤ، آیت دیر ہی سہی، اب ہماری بہو بن چکی ہے۔تم دونوں اُدھر بہاول پور میں آ کر رہو۔نئی زندگی کی شروعات کرو اپنے خاندان کے ساتھ، اسی میں عزت ہے اور بھلائی بھی۔'' سکندر حیات نے اپنے لہجے میں رعب اور دبدبہ رکھتے ہوئے کہا

''آپ نے ایسا کہا، بہت اچھا لگا لیکن بابا آپ بھول رہے ہیں کہ ہم دو نہیں تین ہیں، میں، سرمد اور آیت......تین ہیں ہم۔اور ......'' اس نے کہنا چاہا تو سکندر حیات نے اس کی بات ٹوکتے ہوئے کہا

''یہ اچھی بات ہے کہ تم نے اور آیت نے ایک بے چارے یتیم بچے کے سر پر ہاتھ رکھا ہے۔لیکن تم ساری زندگی اسے ساتھ میں نہیں رکھ سکتے ہو۔اس کا بھی بندوبست کر دیں گے۔''

اس کے یوں کہنے پر آیت النساء ایک لمحہ کو تڑپ کر رہ گئی لیکن خود پر قابو رکھتے ہوئے وہ خاموش رہی۔تبھی طاہر نے گھمبیر لہجے میں کہا

''نہیں بابا۔! یہ یتیم نہیں ہے۔میں اس کا باپ ہوں اور آیت النساء اس کی بڑی ماما ہے۔یہ فارم ہاؤس اس کا ہے، ہم تو اس کے پاس رہ رہے ہیں۔''

''دیکھو، یہ بچہ تم دونوں کے پاس نہیں رہے گا۔اس کے خاندان والے ہیں، اس کا چاچا ہے، تایا ہے، وہ اس کے سرپرست ہیں، قانونی طور پر بھی وہ اسے لے سکتے ہیں۔'' سکندر حیات نے ان کی طرف دیکھتے ہوئے ہلکی ہلکی مسکان میں کہا

''یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟'' طاہر نے گھبراتے ہوئے کہا

''وہ آئے تھے میرے پاس، انہوں نے مجھ سے کہا کہ میں ان کا بچہ انہیں واپس دِلا دوں۔میں نے ان سے کہا کہ میں بات کروں گا طاہر سے۔وہ دے دے گا اس بچے کو۔وہ لوگ تو میرے ساتھ ہی آنا چاہ رہے تھے۔مگر میں نے منع کر دیا۔'' سکندر حیات نے یوں کہا جیسے دھمکی دے رہا ہو۔

''بابا! آپ ایسا کچھ نہیں کریں گے۔'' طاہر نے ایک دم سے جذباتی ہوتے ہوئے کہا

''میں خاموش ہو جاؤں گا تو وہ عدالت چلے جائیں گے۔ پھر ہم نہ عوام سے کچھ کہہ پائیں گے اور نہ میڈیا چپ رہے گا۔ ایک طوفان بدتمیزی اٹھ کھڑا ہوگا۔ کیوں سر دردی لیتے ہو تم دونوں، نئی زندگی کی شروعات ہیں، سکون سے اپنی زندگی گذارو۔ کیوں اس بچے کے لئے اپنی زندگی برباد کرتے ہو۔'' اس بار سکندر حیات کے لہجے میں دبا دبا غصہ تھا۔ طاہر نے آیت کی طرف دیکھا، جس کا چہرہ سرخ ہو چکا تھا۔ اپنی طرف دیکھتا ہوا پا کر اس نے طاہر سے مخاطب ہو کر کہا

''میرے پاس اس کا بہت اچھا حل ہے؟''

''کیا......'' طاہر نے تیزی سے پوچھا تو وہ سکون سے بولی

''میں بتاتی ہوں۔'' یہ کہہ کر اس نے اپنی ملازمہ کو بلایا، چند ہی لمحوں میں وہ آ گئی۔ تبھی آیت نے کہا،'' ہمارے ہاں مہمان آئے ہیں، شیف سے کہو کہ ان کے لئے چائے بھجوائے۔ سرمد کو لے جاؤ اور سیکورٹی چیف سے کہنا کہ اس کا خیال رکھے۔''

''جی بہتر۔'' ملازمہ نے کہا اور سرمد کو لے گئی۔ وہ جب وہ لاؤنج سے چلے گئی تو آیت نے پہلو بدلا اور سکندر حیات کی طرف دیکھ کر بڑے سکون اور تحمل سے بولی

''محترم سکندر حیات صاحب۔! میں ایک بزنس وویمن ہوں۔ میں وہاں ایک روپیہ لگاتی ہوں جہاں سے مجھے دو روپے واپسی کی اُمید ہو۔ میں اپنی آمدنی کا تیں فیصد اب سرمد کی سیکورٹی کے لئے لگاتی ہوں۔ عدالتیں کوئی بڑی بات نہیں، میں اپنی ساری آمدنی لگا کر بھی عدالت کا کیس لڑ لوں گی۔ کیونکہ مجھے احساس تھا کہ ایک دن ایسا آنا ہے کہ سرمد کے معاملے میں عدالت کا سامنا کرنا پڑے گا۔''

''تم مجھے دھمکی دے......'' سکندر حیات نے کہنا چاہا تو وہ تیزی سے بولی

''ابھی آپ میری پوری بات سنیں۔''

''بولو......'' اس نے غصے میں کہا

''اس کے علاوہ یہ کوئی بڑی بات نہیں ہوگی کہ رابعہ قتل کیس دوبارہ کھل جائے۔ یہ تو تھی میری ظاہری بات۔ لیکن۔! آپ ہمارے والدین ہیں۔ جس طرح آپ نے دنیا داری رکھی ہے، اسی طرح رکھیں اور ہمیں اپنی زندگی جینے دیں۔''

''دیکھو لڑکی، نہ ہمارے لئے عدالتیں نئی ہیں اور نہ قتل کیس۔ اگر تم یہ شوق پورا کرنا چاہتی ہو تو ٹھیک ہے، تم یہ شوق بھی پورا کر لو۔'' سکندر حیات نے دبے دبے غصے میں کہا تو وہ بولا

''نہیں، میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ میں کسی صورت بھی اس لڑکے کو برداشت کرنے والا نہیں ہوں۔''

اس پر آیت نے خود پر قابو رکھتے ہوئے کہا

''نہ کریں برداشت، آپ سکون سے اپنے ہاں رہیں اور ہمیں یہاں رہنے دیں۔ میرا اور طاہر کا بزنس یہاں ہے اور سرمد کا اسکول بھی یہیں ہے۔ میرا خیال ہے ہمیں اس موضوع پر مزید بات نہیں کرنی چاہئے۔''

تبھی بلقیس بیگم نے تڑپ کر کہا

''دیکھو آیت میں ایک ماں ہوں، تم پرائے بچے کے لئے یوں تڑپ رہی ہو اور میں نے تو اسے جنم دیا ہے، کیا تم میری تڑپ نہیں سمجھتی ہو۔''

''کاش آپ نے رابعہ کے بارے میں ایسا سوچا ہوتا۔ اس کے بیٹے سے آپ نے ماں چھین لی؟ کیوں کیا اُس کے ساتھ ایسا، کیا بگاڑا تھا اُس نے آپ دونوں کا۔ اسے سے ماں چھین کر آپ نے اپنا بیٹا گنوا لیا ہے ماں جی۔ اب میں آپ کو اُس وقت تک نہیں مل سکتا، جب تک سرمد کی ماں اسے نہیں مل جاتی، کیا آپ اس کی ماں لوٹا سکتے ہیں؟'' طاہر نے بے حد جذباتی ہوتے ہوئے کہا تو سکندر حیات بولا

''بلقیس بیگم۔! تم دل پر پتھر رکھ لو، تمہارا بیٹا تمہیں نہیں ملنے والا۔'' یہ کہہ کر اس نے طاہر کی طرف دیکھا اور انتہائی غصے میں کہا، ''میں تمہیں عاق کر دوں گا، پھر میں دیکھتا ہوں، تمہاری سیاست کیسے رہے گی اور عوام میں تم......''

''بابا۔! میں سیاست کو ویسے ہی چھوڑ رہا ہوں۔ اب میرے لئے کوٹھی، بنگلہ، جھونپڑی سب ایک جیسے ہیں۔ آپ مجھ سے سب کچھ چھین لو، میں اپنے رہنے کے لئے دوبارہ کوئی گھر بنا لوں گا۔ وہ چھوٹا سا کیوں نا ہو۔'' یہ کہہ کر اس نے دونوں ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا، ''آپ میرے والدین ہیں تو میں نے سرمد کے بارے میں اتنی باتیں سن لیں، میں نہیں چاہتا کہ میں کوئی گستاخی کروں۔ پلیز۔! مجھے میرے حال پر چھوڑ دیں اور آپ اپنی دنیا میں خوش رہیں۔''

یہ کہتے ہوئے وہ اٹھا اور اندر کی جانب چلا گیا۔ وہ اُسے جاتا ہوا دیکھتے رہے۔ تبھی بلقیس بیگم نے انتہائی غصے اور بے بسی میں کہا

''میرے گھر میں آگ لگانے والی تم ہو آیت، میں تمہیں معاف نہیں کروں گی۔''

''اور مجھے اپنا گھر بچانا آتا ہے۔ میں کسی پر ظلم نہیں کرتی۔ سرمد میری زندگی ہے پلیز۔! ہمیں جینے دیں۔ مجھے بس یہی کہنا ہے۔'' آیت نے کہا اور اٹھ کر کھڑی ہوگئی۔

''بہت پچھتاؤ گی آیت۔'' بلقیس بیگم نے کہا اور اٹھ کر باہر کی جانب چل دی۔ سکندر حیات اٹھا اور وہ بھی اس کے پیچھے چل دیا۔ کچھ دیر بعد پورچ سے کار روانہ ہوگئی۔

آیت النساء انہیں جاتا ہوا دیکھتی رہی۔ وہ یہ بات پوری طرح سمجھتی تھی کہ کبھی بھی سرمد کو اس سے چھین لینے کی کوشش کی گئی تو کہاں کہاں سے وار ہو سکتے ہیں۔ اس نے وقت سے بہت پہلے سارا بندوبست کر لیا ہوا تھا۔ رابعہ کی زندگی ہی میں اس نے سارے دستاویزی ثبوت بنا کر رکھ لئے تھے۔ اس نے ایک طویل سانس لی اور اندر کی جانب چل دی۔

آیت النساء، طاہر باجوہ اور سرمد کو پتہ ہی نہیں چلا کہ دو ماہ سے زیادہ وقت کیسے گزر گیا۔ وہ صبح تیار ہوتے، مل کر ناشتہ کرتے، سرمد کو سکول چھوڑ کر آفس چلے جاتے۔ جیسے ہی سرمد کو چھٹی ہونے کا وقت ہوتا، وہ واپس آ جاتے۔ اگر آفس میں کوئی کام ہوتا تو طاہر واپس چلا جاتا لیکن آیت واپس نہیں جاتی تھی۔ وہ باقی سارا وقت سرمد کو ہوم ورک کرواتی، اس کے ساتھ باتیں کرتی، لان میں چہل قدمی کرتی، پھر سر شام وہ ڈنر کی تیاری میں مدد کرتی۔ ایک معمول بن گیا تھا۔ وہ بہت خوشگوار دن گزار رہے تھے۔

انہی دنوں میں آیت نے کچھ دیر پہلے اس نے ایک بزنس میٹنگ لی تھی۔ وہ آفس میں بیٹھی ہوئی کام کر رہی تھی لیکن باوجود کوشش کے اس کا من کام میں نہیں لگ رہا تھا۔ اسی دوران اسے چکر آنے لگے۔ اسے یوں لگا جیسے ہر شے گھوم رہی ہے اور وامٹنگ ہونے لگی ہے۔ وہ تیزی سے واش روم کی جانب بڑھ گئی۔ وہاں تک جاتے ہوئے وہ نارمل ہو گئی۔ وہ کچھ دیر کھڑی رہی پھر واپس اپنے ٹیبل تک آئی اور کرسی پر بیٹھ گئی۔ اسے احساس ہو گیا تھا کہ اس کے ساتھ ایسا کیوں ہو رہا ہے۔ خوشی کی ایک لہر اس کے وجود میں پھیل گئی۔ اس نے ٹیبل پر پڑا ہوا فون اٹھایا اور طاہر کو کال ملا دی۔ اس کے بولنے سے پہلے ہی طاہر نے پوچھا

”جی بیگم صاحبہ، کیسے یاد کیا۔“

”جلدی سے آئیں، ہمیں ہسپتال جانا ہے۔“ اس نے خود پر قابو رکھتے ہوئے نارمل لہجے میں ہی کہا تھا لیکن اس کا بدلا ہوا لہجہ سن کر وہ پریشان ہوتے ہوئے بولا

”خیریت تو ہے نا......“

”آپ جلدی سے آؤ۔“ یہ کہتے ہوئے اس نے فون بند کر دیا۔

طاہر اسی بلڈنگ میں موجود ایک آفس میں تھا۔ وہ فوراً ہی پہنچ گیا۔ اسے دیکھتے ہی آیت اٹھی

”آیت آپ ٹھیک تو ہو نا؟“

”ہاں، میں ٹھیک ہوں، آپ چلیں میرے ساتھ۔“ یہ کہتے ہوئے وہ باہر کی جانب بڑھ گئی۔ طاہر کچھ نہ سمجھتے ہوئے اس کے ساتھ چل پڑا۔ کچھ دیر بعد وہ اس کے ساتھ بیٹھی ہوئی ہسپتال کی جانب جا رہی تھی۔ راستے میں طاہر نے کچھ نہیں پوچھا، اس کی ساری توجہ ڈرائیونگ پر تھی۔ کچھ ہی دیر میں وہ ہسپتال میں تھے۔ وہ سیدھی ایک خاتون ڈاکٹر کے پاس جا پہنچی۔ وہ ادھیڑ عمر ڈاکٹر الماس حبیب فربہ مائل بدن کی تھی۔ تیکھے نین نقش والی، سفید رنگ کی ہنس مکھ سی ڈاکٹر الماس نے اسے دیکھتے ہی کہا

”تو آپ آ گئیں۔“

”جیسا آپ نے بتایا تھا، مجھے ویسا محسوس ہوا ہے۔“

”آؤ۔“ پھر طاہر کی طرف دیکھ کر اٹھتے ہوئے بولی، ”آپ بیٹھیں۔“ وہ بیٹھ گیا تو ڈاکٹر نے آیت کو ایک اندرونی کمرے کی

طرف جانے کا اشارہ کیا۔

تقریباً آدھے گھنٹے بعد جب وہ واپس آئی تو آیت کے چہرے پر گلاب کھلے ہوئے تھے۔اس کی آنکھوں میں خوشی کے دیپ روشن تھے۔وہ طاہر کے پہلو میں آ کر بیٹھ گئی۔اس کے ساتھ ہی ڈاکٹر آ کر بیٹھ گئی۔اس نے مسکراتے ہوئے طاہر سے کہا

''آپ کے لئے خوشخبری ہے کہ آپ باپ بننے والے ہیں۔''

''الحمدللہ۔!''اس نے سکون سے کہا تو ڈاکٹر نے آیت کی جانب متوجہ ہوتے ہوئے کہا

''میں تمہاری رپورٹس کے ساتھ کچھ لٹریچر بھی دے رہی ہوں،اس کے ساتھ میرے ساتھ رابطہ نمبر وغیرہ ہیں۔تم جب بھی مجھے سے بات کرنا چاہو کر سکتی ہو۔''یہ کہتے ہوئے اس نے فائل آیت کی جاب بڑھا دی۔اس نے وہ رپورٹ پکڑی اور وہاں سے اٹھ گئے۔

فارم ہاؤس آ کر طاہر نے آیت کو بیڈ پر لٹاتے ہوئے کہا

''اب آپ آرام کریں اور آپ کا یہ شوہر نامدار اب آپ کی خدمت کے لئے حاضر ہے۔''

''بہت شکریہ،یہ خدمت آپ اپنی اولاد کے لئے کر رہے ہیں یا......''

''دونوں کے لئے،بیوی کو آرام دوں گا تو......''

'لیکن میں نے آرام نہیں کرنا،مجھے اور بہت کچھ کرنا ہے۔''آیت نے مسکراتے ہوئے کہا تو وہ حیرت سے بولا

''آپ نے اور بہت کچھ کیا کرنا ہے؟''

''یہ میں بعد بتاؤں گی۔''آیت نے خوشدلی سے کہا

''آپ نے جو بھی بتانا ہے تو وہ میں سُن لوں گا،لیکن ابھی آپ میری سُنو۔''اس نے کہا اور پھر اس کے قریب بیٹھتے ہوئے بولا،''میرا یہ فرض بنتا ہے کہ میں آپ کو آرام اور سکون دوں۔میں زیادہ محنت کروں گا،جس قدر ممکن ہو سکے گا آپ کو ایک بہترین پر سکون ماحول دوں تاکہ میری آنے والی اولاد کو کوئی پریشانی نہ ہو۔''

''طاہر۔!میں سمجھتی ہوں۔آپ مجھے پر سکون ماحول دو،میں آپ کو ہر طرح سے صحت مند اولاد دینے کا وعدہ کرتی ہوں۔''

''ربّ تعالی نے عورت کو تخلیق کی جو قوت اور صلاحیت دی ہے،وہ ایسا کر سکتی ہے اور بہتر کر سکتی ہے۔میں اپنی ہر ممکن حد تک ایک بہترین ماحول دینے کی پوری کوشش کروں گا مگر آپ میری ایک بات مانیں گی۔''طاہر نے اسے یقین دلاتے ہوئے کہا تو وہ خوش ہو تے ہوئے بولی

''کس بات کا یقین؟''

''اب آپ آفس نہیں جائیں گی۔''اس نے کہا تو آیت نے سوچتے ہوئے کہا

"گھر پر رہ کر آپ کی مدد کر سکتی ہوں؟" آیت نے کہا

"کیا ایسا ممکن ہے؟" اس نے خوش ہوتے ہوئے پوچھا

"بالکل ممکن ہے۔" وہ پر شوق لہجے میں بولی

"تو پھر ڈن۔" طاہر نے کہا تو ان میں طے ہو گیا۔

شام ہونے تک دادا جی سمیت سبھی ملنے والوں کو معلوم ہو گیا۔

اس دن کے بعد آیت کسی بزنس میٹنگ میں نہیں گئی، بلکہ اس نے فارم ہاؤس کا ایک کمرہ اپنے آفس کے طور پر بنا لیا ہوا تھا۔ جدید دور میں رابطے کی سہولیات اس نے وہاں میسر کر لیں تھیں۔ وہ بہت سارا کام وہیں بیٹھ کر دیکھ لیتی تھی۔ وہ چونکہ تخلیق کے عمل سے گزر رہی تھی، اس لئے وہ ہمہ وقت ڈاکٹر الماس کے ساتھ رابطے میں رہتی تھی۔ دن بہت پر سکون گزر رہے تھے۔

دو ماہ یونہی بیت گئے۔

اس دن آیت النساء فارم ہاؤس میں بنائے اپنے آفس میں بیٹھی تھی۔ اس کے سامنے لیپ ٹاپ تھا اور وہ اس کی اسکرین پر دیکھ رہی تھی۔ دن کا پہلا پہر ختم ہونے کو تھا کہ امبرین کا فون آ گیا۔ وہ سکول ہی کے کچھ معاملات پر بات کرنا چاہتی تھی۔ آیت نے اسی وقت آ جانے کا کہا اور فون بند کر کے اپنے کام سمیٹنے لگی۔

آیت کو لاؤنج میں آ کر بیٹھے چند منٹ ہی ہوئے تھے کہ امبرین آ گئی۔ جیسے ہی اس کی نگاہ آیت النساء پر پڑی، وہ بے ساختہ حیرت زدہ ستائشی لہجے میں بولی

"آیت۔! اتنی پرکشش ہو گئی ہو تم؟ ماں بننے جا رہی ہو یا مقابلہ حسن کی تیاری کر رہی ہو؟"

"ارے آؤ بیٹھو تو سہی۔"

آیت نے عام سے انداز میں کہا تو اس کے پاس صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولی

"کیا کرتی ہو کیا کھاتی ہو کہ اس قدر پیاری لگ رہی ہو، لگتا ہے پر سکون زندگی کا اثر ہے۔ سارا دن آرام کرنا، خود پر توجہ دینے کے علاوہ تمہیں کوئی کام تو ہو گا نہیں۔" اس نے یوں کہا جیسے اس کی حیرت ابھی تک کم نہ ہوئی ہو۔ تب آیت النساء نے سوچتے ہوئے کہا

"تمہارے اندازے کچھ غلط ہیں اور کچھ درست۔ مگر۔! جس طرح تم سمجھ رہی ہو، ایسا نہیں ہے۔"

"میں سمجھی نہیں، ٹھیک بھی اور غلط بھی؟" اس نے پوچھا

"اچھا، میں تمہیں تمہاری ایک ایک بات کا جواب دیتی ہوں۔ میں پر سکون زندگی گزار رہی ہوں، اس میں کوئی شک نہیں۔ میری

پر سکون زندگی کا سارا احصار طاہر نے بنایا ہے وہ باہر کی کسی پریشانی کو گھر میں داخل نہیں ہونے دیتا۔'' اس نے پر سکون انداز میں بتایا

''ہاں مجھے پتہ ہے، طاہر بھائی نے سارا بزنس سنبھال لیا ہے۔'' امبرین نے کہا

''نہیں، ہم دونوں، میں گھر میں بیٹھ کر اس کا پورا ساتھ دیتی ہو۔ ہم ایک ایک معاملے پر پوری طرح مشورہ کرتے ہیں۔'' اس نے بتایا۔

''تو پھر پریشانی کا ہے کی ہے۔'' امبرین نے پوچھا

''میرے ساس سسر ہمارے لئے پریشانیاں پیدا کر رہے ہیں۔ وہ ہر حالت میں طاہر کی واپسی چاہتے ہیں۔ اسکے لئے ان سے جو ہوسکتا ہے وہ کر رہے ہیں۔ لیکن طاہر نے باہر کی ساری پریشانیاں اپنے خود اپنے ذمے لے کر اپنے گھر کو محفوظ رکھا ہوا ہے۔ وہ ہفتے میں دو دن بہاول پور رہتے ہیں، مطلب زیادہ کام کرتے ہیں۔ بزنس بھی دیکھتے ہیں اور اپنی سیاست کو بھی۔'' آیت نے سمجھانے والے انداز میں کہا

''پھر تم سارا دن آرام......'' امبرین نے کہنا چاہا تو آیت بولی

''نہیں، میں آرام نہیں کرتی، مجھے خود پر پہلے سے زیادہ توجہ دینا پڑتی ہے۔ میں اپنے آنے والے بچے کی تربیت کر رہی ہوں۔''

''تربیت ابھی سے، مطلب میں سمجھی نہیں؟'' اس نے پوچھا

''اچھا، میں تمہیں سمجھاتی ہو، کل تم نے بھی ماں بننا ہے، تمہیں یہ پتہ ہونا چاہئے۔'' یہ کہہ کر وہ لحہ بھر کو خاموش ہوئی پھر کہتی چلی گئی، ''ربّ تعالیٰ نے ماں کو ایسے ہی اعلیٰ درجے پر فائز نہیں کر دیا، بلکہ عورت میں وہ تمام صلاحیتیں موجود ہیں جس سے وہ نہ صرف وہ اپنی نسل کی تخلیق کرتی ہے بلکہ اس کی تربیت بھی کر سکتی ہے۔ ایسے بچے کی تربیت بھی جو ابھی اس کی کوکھ میں ہے۔ ماں کو چاہے نہ بھی معلوم ہو لیکن بچے کی تربیت وہیں سے شروع ہو جاتی ہے۔'' آیت نے سمجھانے والے انداز میں اسے بتایا

''یہ کیسے ہو جاتا ہے؟'' امبرین نے پوچھا

''یہ انسان کے اپنے ہی تجرباتی علم سے یہ ثابت ہوا ہے۔ تم اتنا تو جانتی ہو کہ ماں جو کچھ کھاتی پیتی ہے، اس کا اثر بچے پر ہوتا ہے۔ ماں کے جذبات بھی بچے پر اثر چھوڑتے ہیں۔ بالکل اسی طرح ماں کا تخیل بھی بچے کی ذہنی نشو و نما پر اثر کرتا ہے۔ ماں جو سوچتی ہے وہی بچے کی سوچ کا بھی حصہ بن جاتا ہے۔'' آیت نے بتایا

''یہ بات تو سمجھ میں آتی ہے کہ ماں کو پر سکون ماحول دیا جائے ماں کی خوراک، تخیل، سوچ سب اثر رکھتے ہیں، ایسا ہوتا کیسے ہے؟'' امبرین نے پوچھا

''اس کی بھی وجہ ہے، بے سبب کچھ نہیں ہوتا، میں تمہیں ایک چھوٹی سی کہانی سناتی ہوں۔'' یہ کہہ کر وہ لحہ بھر کو رکی اور پھر بولی، ''دیکھو۔! جس طرح ربّ تعالیٰ کی دوسری انواع ہیں، دوسری جاندار مخلوقات، اسی طرح انسان بھی ایسی مخلوق ہے، جس نے اس دنیا میں آنے والے بڑے بڑے طوفانوں، زلزلوں اور دوسری آفات کے باوجود اپنے آپ کو برقرار رکھا۔ ایسا اس لئے ہوا کہ انسان وہ واحد

مخلوق ہے، جسے شعور ہے۔ یہ شعور کیسے ہے؟ یہ ایک الگ بحث ہے۔ تاہم حیرت انگیز بات یہ ہے کہ انسان کا بچہ دوسری انواع کے مقابلے میں انتہائی نازک ہے۔ اسے زیادہ دیر تک اپنی ماں سے جڑے رہنے یا اپنی حفاظت کی ضرورت پڑتی ہے۔ پرانے وقتوں میں بہت زیادہ بچے ہونے کے باوجود بہت کم بچے، بچ پاتے تھے۔ آہستہ آہستہ انسان کے تجربات بڑھے، موجودہ دور میں آنے تک بہت سارے مصائب، آفات اور حادثات کا سامنا کرنے کے بعد اسے اپنے بچے کی حفاظت کا طریقہ آ گیا۔ تب ماں اور بچے کے درمیان تعلق کو بھی سمجھنے کا موقعہ ملا۔ یہ سب تجربات سے سامنے آیا۔ اب ماں قبل از پیدائش اپنے بچے کی ذہنی اور جسمانی استعداد بڑھا سکتی ہے۔ اسے جیسا بنانا ہے اپنی کوکھ ہی میں سبق دے سکتی ہے۔ اب سمجھ میں آیا ہے کہ ماں کی گود کس طرح بچے کی پہلی درس گاہ ہے۔"

"میرا سوال اب بھی وہی ہے کہ کیسے، کیسے دے سکتی ہے یہ سبق؟" امبرین نے پوچھا

"اس کے لئے تمہیں اصل حقیقت کو سمجھنا ہوگا۔ حقیقت یہ ہے کہ انسان جب تک مادے کے ساتھ اپنے باطن سے نہیں جڑے گا تب تک اسے خود سمجھ میں نہیں آئے گا کہ یہ دراصل ہوتا کیسے ہے۔ انسان جب نیچر سے جڑتا ہے تو نہ صرف نیچر کو مسخر کر کے اسے کھولتا ہے بلکہ انسان کی اپنی صلاحیتیں بھی اس پر آشکار ہوتی ہیں۔ انسان جیسا ماحول بنائے گا، اس کا بچہ ویسا ہی پروان چڑھے گا۔ کیا تم نے آقا ﷺ کی حدیث مبارکہ نہیں سنی کہ ہر بچہ فطرت سلیمہ پر پیدا ہوتا ہے اب والدین اسے یہودی بنا دیں یا نصرانی۔ "بنانے" کا یہاں مطلب ماحول ہی سے ہے۔ اگر ماں اپنی کوکھ ہی سے اعلیٰ ذہنی صلاحیتوں کا شعور دیتی ہے تو بچہ اعلیٰ ذہنی صلاحیتوں کا شعور لے کر ہی پیدا ہوتا ہے۔ ہم فطرت سے الگ نہیں ہو سکتے انسان مادے سے، نیچر سے نبرد آزما ہے اور اپنے تجرباتی علم سے کبھی ہواؤں کو مسخر کر رہا ہے اور کبھی پانی کو۔ انسان نیچر ہی سے اپنی بقا کا سامان پیدا کر لیا۔ ضروریات پوری کیں، سہولیات لیں یہاں تک کہ آسائشات سے زندگی گذار رہا ہے۔" آیت نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا تو وہ بولی

"مگر میں نے جو پوچھا، اس کا جواب نہیں دیا تم نے۔"

"بتا رہی ہوں نا" اس نے کہا، پھر بولی، "یہ سب اپنی جگہ لیکن انسان کا انسان سے تعلق ایک الگ علم رکھتا ہے۔ ہمارے بہت سارے سماجی علوم ہیں۔ جو دراصل ماحول ہی کو بہتر بنانے کے لئے ہیں۔ انسانوں کے جس معاشرے نے سماجی علم سے استفادہ کر کے اپنے ماحول کو بہتر بنایا۔ وہ زیادہ ذہین، اعلیٰ ذہنی صلاحیتوں کے مالک اور دنیا کے بہترین دماغ ہیں۔ کیونکہ ذہنی پسماندگی، دراصل ماحولیاتی پس ماندگی سے ہوتی ہے۔" آیت نے سمجھانے والے انداز میں کہا تو امبرین خاموش ہو گئی پھر دکھی لہجے میں بولی

"جب معاشرہ ہی ایسا ہو، جس میں ساس اور بہو ایک دوسرے کی دشمن ہیں۔ ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کی کشمکش ہو، اپنی بقا کی جنگ لڑی جا رہی ہو۔ ایسے میں نئی نسل کی ذہانت......"

"تم ٹھیک کہہ رہی ہو، مگر یہ ممکن ہے کہ ہمیں اپنی نئی نسل کو ذہین، اور اعلیٰ صلاحیتوں کا مالک بنانا چاہئے، ماحول بن سکتا ہے۔ ماں

کو صاف ستھرا پریشانیوں سے پاک ماحول دیں۔ دیکھو۔! ماضی میں ہمیں بہت ساری ایسی مثالیں ملتی ہیں کہ بچے حافظ قرآن پیدا ہوئے۔ کیونکہ ان کی مائیں قرآن کو پڑھتی ہی نہیں سمجھتی بھی تھیں۔ ذہین اور فطین لوگوں کی ماؤں کو دیکھیں، ان کے بارے میں جانیں۔''

''تم کیا کر رہی ہو؟'' امبرین نے مسکراتے ہوئے پوچھا

''میں جو کر رہی ہوں وہ میں نے انسان کے تجرباتی علم اور اپنے دین سے سیکھا۔ قرآن پاک میں آیا ہے کہ ربّ تعالیٰ نے ہَوا کو انسان کے لئے مسخر کر دیا۔ میں سوچتی ہوں کیسے کر دیا۔ مجھ پر راز کھلتے ہیں۔ میں اپنے تخیل کو آزماتی ہوں۔ اس سے متعلق دستاویزی فلمیں دیکھتی ہوں۔ یہی سبق میں اپنے بچے کو دیتی ہوں۔ ربّ تعالیٰ نے 'شدید محبت' کرنے والوں کا ذکر کیا، میں سوچتی ہوں وہ کیسے ہوتے ہیں؟ 'شدید محبت' کسے کہتے ہیں؟ ربّ تعالیٰ کی کیسی کیسی نعمتیں ہیں؟ ان نعمتوں کا استعمال کیا ہے؟ ربّ تعالیٰ حسین ہے اور حُسن کو پسند کرتا ہے، میں سوچتی ہوں حُسن کیا ہے؟ میں میوزک سنتی ہوں۔ وہ میوزک جو نیچر سے متعلق ہے۔ میں پرندوں کی، جھرنوں کی آوازوں کو اپنے اندر اُتارتی ہوں۔ میں سوچتی ہوں میرے آقا ﷺ نے ایک ماں سے اعلیٰ اُمت کی پرورش کا جو مطالبہ کیا ہے میں اس پر عمل پیرا ہو کر اپنے بچے کو سبق دیتی ہوں۔ اس سے باتیں کرتی ہوں۔ میں طاہر کے ساتھ، کمپیوٹر کے ساتھ ریاضی کے عقدے حل کرتی ہوں۔ میں ہر لمحہ اپنے بچے کے ساتھ منسلک ہوں۔ میں آرام نہیں کرتی ہر لمحہ اپنے بچے کے ساتھ تربیت میں مشغول رہتی ہوں۔''

''واہ۔! تم تو واقعی مصروف ہو۔ یہ کیسا حسین عمل ہے۔'' اس نے کہا

''دیکھو۔! جس طرح نور سے سارے رنگ پھوٹتے ہیں، اسی طرح ماں اپنے بچوں کو بہت کچھ دے رہی ہوتی ہے۔ اگر ماں بے رنگ ہوگی تو بچہ بھی بے رنگ ہوگا۔ میں اگر محبت میں جی رہی ہوں تو میرا بچہ بھی محبت لے کر پیدا ہوگا۔ ماں ہی بچے کو بے رنگی کی قوت دیتی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ربّ تعالیٰ نے انسان کو بے رنگ ہونے کی صلاحیت بخشی ہے، رحمتہ العالمین ﷺ کی تعلیمات انسان کو بے رنگ کر دیتی ہیں۔ پھر اسی کی بے رنگی سے دُنیا میں رنگ پیدا ہوتے ہیں۔ تاریخ شاہد ہے، جو مائیں بے رنگ تھیں، انکے بے رنگ بچوں نے اس دنیا کو الوہی رنگ دیئے اور آج بھی انکا نام روشن ہے۔'' آیت نے کہا تو ان کے درمیان کافی لمحے خاموشی رہی، امبرین سوچتی رہی، پھر بولی۔

''ایک بات ہے آیت؟''

''وہ کیا؟'' آیت نے پوچھا

''جب تمہاری اپنی اولاد ہو جائے گی تو کیا سرمد سے تمہاری محبت ویسے ہی رہے گی، جیسی اب ہے؟''

''یہ میں تمہیں ابھی نہیں کہہ سکتی، کیا ہوتا ہے، یہ وقت بتائے گا؟'' آیت نے مسکراتے ہوئے کہا

''یہاں تم تذبذب کا شکار کیوں ہو؟'' امبرین نے پوچھا

''اس لئے کہ یہ بات میرے لئے کوئی معنی نہیں رکھتی۔ یہ سب سوشل کریٹس (social creates) ہیں۔ معاشرے کی اپنی تخلیق کردہ۔ اور ہم اس پر ایمان کی حد تک یقین رکھتے ہیں۔ مثال کے طور پر دریا تو دریا ہے لیکن اگر کوئی دریا کو بھگوان کا درجہ دے دے،

دیوتا کہے انسانوں کی قسمت کا فیصلہ کرنے والا کہے تو کوئی کیا کہہ سکتا ہے۔لیکن انسان کے اپنے تجرباتی علم نے دریاؤں کی طغیانی کو زیر کرلیا ہوا ہے ان کے راستوں پر کنٹرول حاصل کرلیا۔اب اگر کوئی معاشرہ اس تجرباتی علم سے فائدہ نہیں اٹھاتا تو اسکی مرضی ، یا وہ دریا کو بھگوان ہی سمجھتا رہے۔ ہمارے معاشرے میں کیوں یہ فرض کرلیا گیا ہے ماں اپنی اولاد کے بغیر دوسرے بچے سے محبت نہیں کرسکتی ؟ چاند گرہن میں کیوں سکون سے نہیں بیٹھ سکتی؟ یہ سب سوشل کریٹس (social creates) ہیں جبکہ ہمیں حقیقت کو تسلیم کرنا چاہئے۔‘‘

’’میں ضرور سوچوں گی۔‘‘امبرین نے کہا

’’یہی تو بات ہے کم ازکم سوچنا ضرور۔خیر تم بتاؤ، کیا بات ڈسکس کرنا تھی۔‘‘ آیت نے پوچھا تو وہ سکول کے معاملات اسے بتانے لگی۔

صبح کا نور دھیرے دھیرے دُنیا پر پھیل رہا تھا۔آیت النساء ہسپتال کے کمرے میں موجود بستر پر پڑی تھی۔اسے کافی دیر پہلے آپریشن روم سے یہاں لایا گیا تھا۔ڈلیوری نارمل ہوگئی تھی۔وہ آنکھیں بند کئے ہوئے تھی، جیسے گہری نیند میں ہو۔ ہر طرف سکوت تھا۔ایسے میں کمرے کا دروازہ کھلا۔ایک نرس اپنے ہاتھوں میں گول گھتے اور صحت مند بچہ لئے اندر آگئی۔اس کے پیچھے ہی ڈاکٹر الماس تھی۔آیت النساء نے اپنی آنکھیں کھول دیں۔

’’یہ لیں جی اپنا بیٹا۔مبارک ہو آپ کو۔‘‘نرس نے یہ کہتے ہوئے وہ بچہ آیت النساء کو تھمایا۔وہ اسے پکڑتے ہوئے بولی

’’خیر مبارک۔‘‘یہ کہہ کر اس نے بیٹے کے چہرے پر دیکھتے ہوئے پوچھا’’اسے میرے پاس لانے میں اتنی دیر کیوں کردی؟‘‘

’’یہ رویا نہیں تھا۔جیسے عام بچے روتے ہیں۔میں پریشان ہوگئی۔سو میں اس کے مختلف ٹیسٹ کرتی رہی۔اس لئے دیر ہو گئی۔‘‘ڈاکٹر الماس نے مسکراتے ہوئے جواب دیا

’’آپ کو کیا لگا تھا؟‘‘ آیت نے مسکراتے ہوئے پوچھا

’’نہیں وہ نہیں، جو میں نے سوچا، یہ بالکل نارمل ہے۔ ہر طرح سے نارمل۔‘‘ یہ کہہ کر وہ چند لمحے سوچتی رہی، پھر بولیں،’’ویسے ایک بات ہے، جس طرح اس بچے نے مجھے حیران کیا ہے نا آیت النساء، اسی طرح تم نے بھی حیرت زدہ کیا۔میری زندگی میں، میرے ہاتھوں ان گنت بچے پیدا ہوئے ہیں لیکن میں نے پہلی بار تمہیں اور تمہارے بچے کو بہترین حالت میں پایا ہے۔خوش وخرم، بے خوف، صحت مند، سب ٹھیک۔یہ کیسے؟‘‘

’’میں نے ماں کے مقام کو سمجھا ہے۔اور پھر اس مقام پر فائز ہونے کے لئے پوری محنت کی ہے۔یہ مقام تو بڑی خوش قسمتی ہے تو اس میں خوف کیسا؟‘‘ آیت نے مسکراتے ہوئے کہا، انہی لمحات میں دروازہ کھلا اور طاہر کے ساتھ سرمد اندر داخل ہوئے۔طاہر نے آیت نے ہاتھوں میں پکڑے ہوئے بیٹے کی جانب دیکھتے ہوئے کہا

''سرمد۔ !وہ دیکھو، وہ ہے تمہارا بھائی۔''

''میرا بھائی۔'' سرمد یہ کہتے ہوئے آگے بڑھا، سبھی دیکھ رہے تھے۔ انہی لحات میں نوزائیدہ بچے نے آنکھیں کھول دیں۔ سرمد نے انتہائی خوشی سے اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا،''پاپا، پاپا، یہ میری طرف دیکھ رہا ہے۔'' لفظ ابھی سرمد کے منہ ہی میں تھے کہ نوزائیدہ بچے نے اس کی انگلی تھام لی۔

یہ ایک ایسا عمل تھا جسے سب دیکھ رہے تھے۔ سبھی کی آنکھوں میں حیرت جم گئی۔ کمرے میں کافی دیر تک حیران کن خاموشی جم رہی۔ سکوت تھا کہ ٹوٹ ہی نہیں رہا تھا۔ تبھی آیت نے خوش کن لہجے میں طاہر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا

''گواہ رہنا، میرا عشق منتقل ہو گیا ہے۔''

''ہاں۔'' اس نے سر ہلاتے ہوئے کہا پھر چند لمحے خاموش رہنے کے بعد پوچھا،''اب تو بتا دو کیا نام رکھا ہے اس کا؟''

''صبغت اللہ۔'' آیت نے یوں کہا جیسے شہد اس کے لبوں میں گھل گیا ہو۔ طاہر نے نوزائیدہ بچے کو لیا اور سرمد کی گود میں ڈال دیا۔ آیت کو لگا جیسے ہر طرف نور ہی نور بکھر گیا ہے۔

ختم شد